درگا

تمھارے نام

مہندر ناتھ

۲ رجب سنہ ۵۴ء

بمبئی

"چاندی کے تار" سے "رات اندھیری ہے" تک ایک لمبا سفر ہے۔ یہ لمبا سفر مہندر ناتھ نے پونچھ سے بمبئی تک آ کر طے کیا ہے۔ مگر یہ محض ایک جغرافیائی سفر نہیں ہے۔ یہ ایک تاریخی سفر بھی ہے کیونکہ مہندر ناتھ پونچھ کے زرعی ماحول سے نکل کر بمبئی کی صنعتی فضا میں آ گیا ہے۔ اس طرح اس نے ہندوستان کی زندگی کے دونوں پہلوؤں کو دیکھ لیا ہے اور اس تاریخی عمل کا پورا روپ دیکھ لیا ہے جس میں سے گزر کر ہمارا پرانا سماج ایک نئے سماج کے سانچے میں ڈھل رہا ہے۔ جب ایک پچھڑا ہوا سماج ایک ترقی یافتہ صنعتی سماج میں مدغم ہوتا ہے تو انسان کی شخصیت اور اس کی روح پر کیا گزرتی ہے، اس کا ہمہ گیر بیان اور مکمل تجزیہ "رات اندھیری ہے" کی جان ہے۔

"رات اندھیری ہے" یوں تو ریاست کشمیر کے ایک نوجوان کی نجی داستان ہے جو روزگار کی تلاش میں بمبئی آتا ہے اور روٹی کی خاطر اپنے ضمیر کا خون کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مگر یہ محض ایک نجی داستان نہیں ہے۔ یہ درحقیقت سماج کی کہانی کا ایک کڑی

ہوا پلاٹ ہے۔ اس کا رشتہ ایک فطری بہاؤ سے ہے اور ناول ایک
کردار کے گرد گھومتا ہے۔ مگر یہ کردار نقطہ نہیں ہے، مرکز ہے۔
یہ اپنی تکمیل ہی پر نہیں گھومتا بلکہ ایک بڑی زندگی کا طواف بھی
کرتا ہے۔ اس لئے اس کردار کا ان تمام قوتوں سے گہرا اور براہِ راست
رشتہ قائم ہو گیا ہے جو اس بڑی زندگی سے خارج ہو رہی ہیں۔

یہ "بڑی زندگی" کیا ہے، ناول میں واضح طور پر پیش کیا گیا
ہے۔ اس کی حدیں کشمیر کے ایک قصبہ سے شروع ہو کر بمبئی کی حدوں سے
جا ملتی ہیں۔ لیکن یہ حدیں جغرافیائی نہیں ہیں۔ یہ ہندوستان کی
زندگی کے سامنتی اور صنعتی رُوپوں کو ظاہر کرتی ہے۔ اس طرح ناول
ایک کردار کے علاوہ دو سماجوں اور دو تہذیبوں کی داستان بھی
ہے۔ یہ داستان ہر اعتبار سے مکمل ہے۔ شروع کے حصے میں چندر ناتھ
نے کشمیر کے سامنتی سماج کا اصلی روپ پیش کیا ہے۔ چنی لال اور
کنول کے والد کی سوانح اس پورے عمل کی کہانی ہے جس کے ماتحت
دیہاتوں کا استحصال ہوا اور وہاں سامنتی نظام قائم ہوا۔ جگدیش
کے دوستوں کا بیان اس جنسی نا آسودگی اور جذباتی گھٹن کی داستان
ہے جو ایک پچھڑے ہوئے سماج میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی
جگدیش کی ماں، کملا، کملا کی ماں اور چنی لال ایثار، محبت،
خلوص اور رواداری جیسی انسانی قدروں کے مظہر ہیں جو
سامنتی سماج کی تاریکی میں روشنی کی کرنیں ہیں۔ اور جگدیش کا

نوکری کی تلاش میں گھر چھوڑ کر بمبئی جانا اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ سامنتی سماج کا معاشی ڈھانچہ ٹوٹ رہا ہے اور زندگی آگے بڑھنے کیلئے بے تاب ہی نہیں بلکہ مجبور ہے۔

جگدیش کے بمبئی آتے ہی ناول نگار اپنی سرچ لائیٹوں اور آدرش لائیٹوں کے رخ موڑ کے بمبئی کی زندگی کی طرف کر دیتا ہے اور تجارتی سلطنت ایک صنعتی شہر کی زندگی کا مکمل اور روشن روپ جگمگا اٹھتا ہے۔ نرائن کی کھولی اندر سے کیا باہر صنعتی تہذیب کی بے حسی بیدردی اور معاشی سازشوں کا پردہ چاک کرتے ہیں۔ اسٹوڈیو میں رنگ، شراب، کامیابی اور عیاری کی سازش کا نقشہ، ایک تماش بین سماج کی بے راہروی اوباشی، شکست خوردگی، بے اطمینانی اور خود غرضی کا جس قدر جامع اور مکمل اظہار کرتے ہیں، اس کی مثال اردو کے ناول نویسی ادب میں شاید ہی ملے۔ ناول کے یہ حصے بالزاک کے ناولوں ان حصوں کی یاد دلاتے ہیں جن میں اس نے فرانس کے بورژوا طبقے کی انحطاط کو پیش کیا ہے۔

لیکن ناول میں شہر ہی نہیں ہیں، انسان بھی چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ یہ انسان چابی سے چلنے والے کھلونے یا قلم سے کھینچے ہوئے چند خط یا خد و خال نہیں ہیں۔ یہ گوشت پوست کے انسان ہیں جن کی رگوں میں زندگی کا گرم لہو سرسراتا ہے۔ جگدیش ناول کا روایتی ہیرو نہیں ہے۔ وہ تہذیب میں گرفتار کسی آدمی

کی سچی تصویر ہے جو اچھائی اور برائی، نیکی اور بدی، تعمیر اور تخریب
کی سرحد پر ٹھٹھکا کھڑا ہے اور ایک جھٹکے میں اس پار بھی جا سکتا
ہے اور اُس پار بھی۔ مہندر ناتھ نے اس کا سیاپ کرنے کے
بجائے اس کا اتنا باریک نفسیاتی تجزیہ پیش کیا ہے کہ اس کا
کردار پاردرشی (Transparent) بن گیا ہے۔ ہیرا کا کردار
تو جیسے مہندر ناتھ کے فن کا ایک قد آور ستون ہے۔ اس کردار
کو تو اس نے ایسے گھڑا جیسے کوئی مجسمہ ساز اپنے مجسمہ کا انگ
انگ گھڑ کے اس میں جان ڈالتا ہے۔ یہ کردار اس قدر ٹھوس
گداز اور زندہ ہے کہ اس کے جسم سے نکلتی ہوئی حدت کو قاری
بخوبی محسوس کر سکتا ہے۔ اس کی خوبصورتی اور بدصورتی، پاکیزگی
اور معصیت، سنجیدگی اور چھچھورپن، محبت اور نفرت، عظمت اور
سوقیت —— ان سب کو اتنے خوبصورت توازن کے ساتھ
اس نے ہیرا کے کردار میں پیش کیا ہے کہ ہیرا ایک اچھا یا برا
نہیں بلکہ ایک زندہ اور قابلِ قبول کردار بن گئی ہے۔ اس
مقابلے میں راشی کے کردار کو مہندر ناتھ نے ایک دو خطوں میں
اجاگر کیا ہے۔ لیکن ان چند خطوں سے اس کے کردار کی توانائی
پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ اس کے جو نقش اس نے ابھارے ہیں وہ
ایک ٹھوس، کام کرنے والی اور سماج کی بدلتی آب و ہوا کو سمجھ پانے والی
شخصیت کے چہرے پر زندگی کی سرخی لانے کے لئے کافی ہیں۔

کردار نگاری کیلئے چندر ناتھ نے جو تکنیک استعمال کی ہے وہ اردو
ناول میں کم استعمال ہوتی ہے۔ پرانے ناول نگاروں کی طرح نہ تو چندر ناتھ
نے واقعات و نفسیات پر ترجیح دی ہے اور نہ نئے ناول نگاروں کی
طرح اس نے نفسیات کے آگے واقعات کی اہمیت ختم کرنے کی کوشش کی ہے
دراصل اس نے واقعات اور نفسیات کو الگ الگ چیزیں تسلیم ہی نہیں کیا۔ اس نے
واقعات کو کردار کے نفسیاتی محرکات اور اس نفسیاتی محرکات کو واقعات
وجوہات مان کے دونوں کو ایک ہی قلمبند کیا ہے۔ اس نے ہر واقعہ کو کردار
کے نفسیاتی ردعمل کی صورت اور نفسیاتی ردعمل کو اس پیدا ہونے والے واقعات
کی صورت بیان کیا ہے۔ نتیجہ کے طور پر ناول میں داخلیت اور خارجیت
میں اتنا خوبصورت رشتہ اور توازن قائم ہو گیا ہے کہ ناول کا قالب
(Texture) پوری طرح گتھا ہوا ہے۔ جگدیش کی کردار نگاری اس کی
ایک نمایاں مثال ہے۔ جگدیش پر جتنا بیتا ہے لیکن جو کچھ اس پر گزری
ہے اور واقعات جس طرح اس کی شخصیت کو توڑتے مروڑتے ہیں، اس کی
ایک ایک تفصیل برابر قاری کے سامنے آتی چلی جاتی ہے۔

واقعات و نفسیاتی ردعمل کی صورت بیان کرنے کی یہ تکنیک
ناول کے آخر میں بے حد اثر انگیز ثابت ہوتی ہے۔ جگدیش کی ماں اور
اس کی بہن جب جگدیش سے جیل میں ملنے آتی ہیں تو چندر ناتھ
مکالمہ سے قطعی کام نہیں لیتا۔ کردار براہ راست ایک دوسرے کو خطاب
نہیں کرتے۔ بس جگدیش کی ذہنی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس طرح

منظر "بیان" نہیں کیا جاتا بلکہ "محسوس" کرایا جاتا ہے۔ یادوں کے منظروں میں ایک
دو الفاظ سنائی دیتے تھے۔ وہ کبھی براہِ راست منطبق نہیں کیے گئے تھے
بلکہ ہم ان کی گونج جگہ جگہ اپنے ذہن میں سنتے تھے۔ یہاں آ کر داخلیت اور
خارجیت کی حدیں تحلیل ہو گئی تھیں۔

شاید اسی تکنیک کا نتیجہ ہے کہ اس ناول کا لہجہ ہمیں خاص طور پر متوجہ
کرتا ہے۔ عام طور پر جدید ادب کا لہجہ بہت درشت اور مشتعل ہوتا ہے
اونچی اونچی آوازیں اور بغاوت کے دھماکے سنائی دیتے ہیں لیکن خلافِ
معمول اس ناول کا لہجہ بہت دھیما اور مدھم ہے۔ ناول میں بارہ موتیں
ہوتی ہیں مگر نہ ناول نگار کہیں چیختا ہے اور نہ اس کے کسی کردار کو چیخ
یا تقریر کرنے دیتا ہے۔ یہ جذباتی ضبط اور لہجہ کا سنوار پن مصنفہ زاہدہ
کے فنکارانہ شعور میں بلوغت کے آنے کا پتہ دیتا ہے۔

ناول میں ایک خوبی بڑی مشکل سے پیدا ہوتی ہے اور بہت کم ناولوں
میں نظر آتی ہے۔ وہ ہے ناول کی فضا۔ یہ فضا ماحول اور زمین سے
جدا چیز ہے۔ ہر ناول کا 'موڈ' ہوتا ہے۔ اور اس اعتبار سے "رات
اندھیری ہے" کا ایک موڈ ہے، اس کی ایک فضا ہے۔ اس فضا کا رنگ
سیاہ ہے۔ یہ سیاہی بجلی کی روشنیوں کے باوجود لمحہ لمحہ گہری ہوتی
ہے اور کہر کی طرح ہر چیز کے خدوخال میں حزن کی کیفیت پیدا کرتی
ہے۔ یہ سیدھی نقش نہیں ہے یہ کیفیت ہے۔ ایک جذبہ ہے۔ ایک
احساساتی تجربہ ہے۔ اور یہ چیز مصنفہ زاہدہ کے ادب میں اس وقت

سے زندہ آتی ہے جس وقت سے اس نے "چاندی کے تار" میں ردشنی کا
ایک مینار دیکھا تھا۔

لیکن جہاں فن کے اعتبار سے "رات اندھیری ہے" ایک کامیاب
ناول ہے، وہاں خیال کے اعتبار سے بھی اس کی اہمیت کسی طرح کم نہیں۔
اس ناول کا ایک فکری پس منظر ہے۔ ناول کا ہیرو جگدیش محض ایک
فرد نہیں ہے وہ دراصل ایک سامنتی انسان ہے (Feudal man)
ہے جو سامنتی سماج کی کشمکش سے بچنے کے لئے ایک صنعتی سماج میں ہجرت
کر جاتا ہے۔ اور وہاں کے لوگوں سے ٹکراتا ہے صنعتی سماج کی بنیاد
چونکہ مادہ ہے اور وہاں رشتوں کی نوعیت تجارتی ہے! اس لئے
وہاں انسانی اور جذباتی اقدار کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ اور سامنتی
انسان جب کبھی اخلاقی، کبھی انسانی اور جذباتی قدروں کا اقرار کرتا ہے
ایک روحانی تذبذب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ چونکہ وہ کوئی فیصلہ
نہیں کر پاتا، یا غلط فیصلہ کر لیتا ہے اس لئے اس سماج کا شکار
ہو کے رہ جاتا ہے۔

لیکن صنعتی سماج بھی انسانی سماج کے ارتقا کی ایک سیڑھی ہے اور
شاید ایک بہت اہم سیڑھی۔ اس لئے مہندر ناتھ اس سماج کے خلاف
کچھ نہیں کہتا بلکہ اپنے ناول کی آخری سطور میں اس سماج کی اٹل اور
رسیلی طاقت کا اعتراف بھی کرتا ہے۔ یوں وہ اس ارتقائی عمل
(Evolutionary process) کے عبوری دور کی ادا ترقی

اور یہ رکاوٹ اس سمت مخالف ہے۔ اس مجبوری دور سے گزر کر وہ
سماج کے ارتقا کی سوئیاں پیچھے پھیرنے کی جذباتی کوشش نہیں کرتا۔
وہ اپنے تاریخی شعور کی مدد سے یہ بھی دیکھتا ہے کہ ارتقا کی کشمکش
میں جہاں سماج ایک نئے سانچے میں ڈھل رہا ہے وہاں انسان کی
شخصیت بھی ایک نئے سانچے میں ڈھل کر ابھر رہی ہے۔ اور یہ نیا
سانچہ ہے وہ آدرش جس کی خاطر زرشن اپنی جان دیتا ہے۔

اس طرح "رات اندھیری ہے" ایک کامیاب ناول ہی نہیں
بلکہ سماج کے ارتقائی عمل کا انمول دستاویز ہے۔

ریوتی سرن شرما

۱

صبح ہو چکی تھی اور جگدیش اپنے مکان کی چھت پر کھڑا تھا۔ ہوا تیز اور یخ بستہ تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور ٹھنڈی ہوا کو اپنے پھیپھڑوں میں داخل کیا۔ کچھ عرصہ سانس کو اندر رکھا اور باہر نکال دیا۔ اس نے مکان کے ارد گرد دیکھا اور پھر قریب کے مکانوں سے اس کی نظر پھیلتے پھیلتے بہت دُور چلی گئی۔ ایک چھوٹا سا شہر جس کے چاروں طرف پہاڑ تھے۔ کافی اونچے اور قوی ہیکل، لیکن خوبصورت اور شاداب۔ دور جہاں تک اس کی نظر جاتی تھی، ایسے پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آتی تھیں جو مارچ کے مہینے میں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں اور ان کے اوپر سے سورج آہستہ آہستہ اُبھر رہا تھا۔ سورج کی کرنوں میں اتنی تپش نہ تھی۔ ایک ٹھنڈی پُرسکون ہوا، خوبصورت پہاڑ اور شہر کے بائیں طرف ایک دریا بہتا ہوا جس کا پانی صاف اور شفاف تھا جگدیش نے اپنا بچپن یہیں گذارا۔ کئی بہاریں آئیں اور چلی گئیں۔ خزاں نے لپٹے پھیٹے۔ اس کے صحن میں ہیچ تارے کے درخت نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ یہ درخت اس کے سامنے بڑھا اور آج مسکرا مسکرا کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سرخ سرخ ہیچ تارے کے پھول ہاتھ لگاتے ہی زمین پر گر پڑتے تھے۔ نرم جیسے روئی کے گالے، سُرخ جیسے کسی دوشیزہ کے ہونٹ۔۔۔ وہ دیر تک اس صبح کو دیکھتا رہا۔ ایسی

خوبصورت اور جوان صبح جو مارچ ہی کے مہینے میں نظر آتی ہے ـــــ پھر اس نے اپنے مکان پر نظر دوڑائی۔ اس کے مکان کے تین کمرے تھے۔ وہ سات روپے ماہوار کرایہ دیتا تھا۔ اس کی بیٹھک اس کے مکان سے ذرا الگ تھی۔ بیچ میں صحن تھا اور اس کی بیٹھک کا دروازہ عین گلی میں کھلتا تھا صحن کے سامنے دو کمرے تھے اور برآمدے میں اس کی ماں کی رسوئی تھی۔ یہاں وہ کھانا پکاتی تھی۔ ایک کمرے میں اس کی بہن اور اس کی ماں سوتی تھی۔ دوسرے کمرے میں گھر کا سامان رکھا جاتا تھا۔ اور وہ خود بیٹھک میں سوتا تھا۔ اکیلا اسے اس عرصے میں اپنے والد کا خیال آیا جو عرصہ پانچسال ہوا مر چکا تھا۔ وہ دمہ کی بیماری میں دس سال مبتلا رہا اور آخر جب اس موذی مرض نے اسے بالکل نڈھال کر دیا تو وہ راہیٔ ملکِ عدم ہوا۔ اسے اپنے باپ سے بہت محبّت تھی۔ اس کا باپ فرشتہ سیرت تھا۔ شاید ہر بیٹے کا باپ فرشتہ سیرت ہوتا ہے۔ لیکن عجیب بات تھی کہ اس کے باپ کو مرے ہوئے پانچ برس ہوگئے تھے لیکن وہ آج تک اپنے باپ کے نقائص کو ذہن میں نہ لا سکا تھا۔ اب وہ بڑے ٹھنڈے دل سے اس کی زندگی پر نظر ڈال سکتا تھا۔ لیکن بہت کھوج کے بعد بھی وہ اپنے باپ کے نقائص کو معلوم نہ کر سکا، ان پر انگلی نہ رکھ سکا۔ اس کے والد نے کیا کچھ نہ کیا تھا اپنے خاندان کے لئے۔ دن رات محنت کرنا، وقت پر گھر آنا۔ اپنے پر کم خرچ کرنا، غم سہنا، غصّہ برداشت کرنا، بیٹے کی جائز اور ناجائز باتوں کو ماننا۔ یہ کچھ ایسی قربانی کا جذبہ تھا جو اکثر شہیدوں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اسے اپنے باپ کی بیماری ہمیشہ یاد رہے گی۔ اتنی ہیبت ناک بیماری، دمہ کا دورہ، اذیت ناک، اور باپ کا خندہ پیشانی سے اس بیماری کا مقابلہ کرنا۔ دس سال کا لمبا عرصہ کوئی آسان بات نہ تھی۔ لیکن

ان دنوں جگدیش اپنے باپ کے لئے کچھ نہ کرسکا۔ باپ کو جو پنشن ملتی تھی اسی سے گھر کا گذارہ چلتا تھا۔ وہ اِن دِنوں اتنا چھوٹا تھا کہ ہمیشہ پرماتما سے دعا کیا کرتا۔ اُے ایشور تو مجھے جلد بڑا کردے تاکہ میں کچھ کما کر لاسکوں۔ اور اپنے باپ کے لئے کچھ کرسکوں۔ پنشن اتنی کم تھی کہ گھر کا گذارہ بڑی مشکل سے چلتا تھا اور جب کبھی اس کا والد سخت بیمار ہو جاتا تو دوائی کے لئے گھر میں روپے نہ ہوتے اور اس وقت اس کا باپ بستر پہ تڑپتا رہتا، کھانستا رہتا۔ ایک سانس اوپر آتا اور ایک سانس نیچے جاتا۔ دوسرے کمرے میں اس کی ماں سوتی، اس کی چھوٹی بہن — اور وہ بیٹھک میں پڑا سوچتا رہتا کہ وہ کیوں اتنا بڑا نہیں ہو جاتا تاکہ کچھ کما کر لاسکے۔ گو اس عرصے میں اس کی ماں ایک اسکول میں استانی ہوگئی تھی اور پندرہ روپے ماہوار کما کر لاتی تھی، لیکن اس کے باوجود گھر کا خرچ اتنا بڑھ چکا تھا کہ ماں کے پندرہ روپوں سے کوئی خاص فرق نہ پڑتا تھا۔ اس لئے اس کے ذہن میں ہمیشہ ایک خلش سی رہتی کہ وہ کیوں جلدی کمانے کے لائق نہیں ہو جاتا۔ لیکن یہ سوچتے رہنے اور بڑا ہونے میں کئی سال گذر گئے اور اس کا باپ ایڑیاں رگڑتے رگڑتے مر گیا۔ وہ یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ نیچے سے اس کی ماں نے آواز دی "بیٹا جگدیش۔ جگدیش بیٹا۔"

"آیا ماں جی۔"

"بیٹا چائے پی لو۔"

ماں نے ایک پیتل کے گلاس میں چائے دی، جس میں چائے کم تھی اور دودھ زیادہ تھا۔ چائے کے اوپر بالائی کا ہلکا سا ٹکڑا تیر رہا تھا۔ اس کی ماں خاص طور پر اسے بالائی کا ٹکڑا دیا کرتی تھی تاکہ اس کی صحت ٹھیک رہے۔ وہ کھڑا ہو کر چائے پینے لگا تھا کہ اس کی ماں نے کہا۔

"دیکھ، کھڑا ہو کر چائے نہیں پیتے بیٹا۔ ذرا بیٹھ کر چائے پی لے۔ کوئی جلدی تو نہیں ہے۔"

جگدیش ایک موڑھے پر بیٹھ گیا اور چائے پینے لگا۔

"ماں منی کدھر ہے؟"

"وہ تو اسکول گئی ہے۔ تجھ سے ایک بات پوچھوں؟"

"کیا ماں؟"

"دیکھو اب منی جوان ہونے لگی ہے۔ لڑکیوں کو جوان ہوتے دیر نہیں لگتی ذرا اس کا ابھی سے خیال رکھو۔"

"ماں تم پرواہ نہ کرو میں اس سال بی اے پاس کر دوں گا ــــ پھر اسی شہر میں نوکری کر لوں گا۔ کوئی نہ کوئی نوکری مل ہی جائے گی۔ پھر ہم منی کی شادی کر دیں گے۔"

"اور تمہاری شادی؟ کیا تم شادی نہیں کرو گے؟"

"شادی تو کر دوں گا۔ لیکن پہلے کہیں نوکر تو ہو جاؤں ماں۔"

"میں نے تمہارے لئے ایک لڑکی تلاش کر لی ہے۔"

"کونسی؟"

"کملا۔"

"کون سی کملا؟"

"ارے وہ چُنّی لعل کی لڑکی۔"

"ہاں وہ تو بہت چھوٹی ہے ــــ شکل سے بارہ تیرہ برس کی ہوگی۔"

"تم لڑکیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ بس اب میں تمہاری سگائی کر کے ہی رہوں گی۔ اور اسی لڑکی سے۔"

"پہلے میں کہیں نوکر ہو جاؤں، پھر سگائی کرنا۔" اور یہ کہہ کر جگدیش وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا اور بیٹھک میں چلا آیا۔

۲

بیٹھک میں آ کر اس نے اپنے بستر پر سے کتاب اٹھائی، اور پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس کی طبیعت کتاب میں نہ لگی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا امتحان قریب آ رہا ہے اور اسے پڑھائی میں دن رات ایک کر دینا چاہیئے۔ لیکن اس وقت اس کا جی کچھ اور سوچ رہا تھا۔ کملا۔ وہ چھوٹی سی کملا جو اکثر منی کے ساتھ اس کے گھر آتی تھی۔ گو کملا کا قد لمبا تھا، لیکن وہ دبلی پتلی تھی۔ گو اس کے نقش تیکھے اور رنگ سفید اور ناک پتلی تھی لیکن آنکھیں۔ اس کی آنکھیں بحید شریر تھیں۔ مگر پھر بھی وہ بہت چھوٹی تھی۔ بھلا کملا کو کیسے اس کا خیال آیا ہوگا یا آسکتا ہے؟ کملا کو اس کا خیال نہ آیا ہو، محض کملا کی ماں نے اس کی ماں سے بات چیت کی ہو۔ یا اس کی ماں نے کملا کی ماں سے بات کی ہو۔ کملا کو وہ جانتا تھا، پہچانتا تھا، لیکن اس کے دل میں اب عجیب طریقے سے کملا کی تصویر اُبھرنے لگی۔ ان دونوں میں کوئی محبت نہ تھی۔ کم سے کم اس کے دل میں کبھی ایسا خیال ہی نہ آیا تھا کیونکہ جگدیش پہلے تو نوکر ہونا چاہتا تھا۔ پھر منی کی شادی کرنا چاہتا تھا اور پھر گھر کی تمام ذمہ داریوں سے فارغ ہو کر اپنی زندگی بنانا چاہتا تھا۔ نہ جانے ماں نے کیوں اس کے ذہن میں ایک اور تصویر کو ابھار دیا۔ کیا پہلے بوجھ کم تھا کہ اس کے ذہن میں ایک اور فرد کا اضافہ کر دیا؟ خیر۔ چھوڑو ان باتوں کو۔ اس نے کتاب اٹھائی اور ورق گردانی

کرنے لگا۔ یکایک کسی نے اس کی بیٹھک کا دروازہ کھٹکھٹایا، اور اس نے دروازہ کھولا۔ اس کا دوست کنول داخل ہوا۔

"تم تو محض کتابوں کے کیڑے ہو۔ مانا تمھارا امتحان قریب آرہا ہے لیکن باہر نکل کر دیکھو تو موسم کتنا خوشگوار ہے۔"

جگدیش نے کتاب بند کردی۔ اور مسکرا کر انگڑائی لیتے ہوئے پوچھا۔

"کہاں سے آرہے ہو؟"

"گھر سے"

"کہاں جا رہے ہو؟"

"تمھارے پاس آیا تھا۔ ایک ضروری کام ہے۔"

"کیا کام؟"

"یار مجھے ایک لڑکی سے عشق ہوگیا ہے۔"

"مالدار باپ کے بیٹے ہو، عشق نہ ہوگا تو کیا ہوگا۔"

"یار باپ تو کبھی کا مرچکا ہے۔"

"لیکن بھائی تو زندہ ہیں اور تمھیں کس کی فکر ہے؟"

اور واقعی کنول کو روپے پیسے کی فکر نہ تھی۔ اس کا باپ عرصہ ہوا کچھ گدھوں کو لیکر اس وادی میں داخل ہوا تھا۔ ان گدھوں پر نسوار تھی، نمک تھا اور گڑ تھا۔ اس نے ایک چھوٹی سی دکان لی تھی۔ نمک، گڑ اور نسوار کا بیوپار شروع کیا اور تھوڑے سے عرصے میں وہ قصبے کا ایک مشہور ساہوکار بن گیا تھا۔ لوگوں کو قرضہ دیا کرتا تھا۔ ان سے اچھا خاصہ سود لیتا تھا اور نمک گڑ اور نسوار کے بدلے گیہوں مکئی دودھ اور مرغ لیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ جو لوگ قرضہ ادا نہ کرسکتے تھے یا سود نہ دے سکتے تھے انھیں اس کے عوض میں اپنی زمین

گروی رکھنی پڑتی تھی۔ اس طرح آہستہ آہستہ اس کا باپ ایک چھوٹے ساہوکار سے ایک بڑا ساہوکار، اور ایک بڑے ساہوکار سے ایک بہت بڑا زمیندار بن گیا تھا۔

یہ ۳۵ برس پہلے کی بات تھی جب اس وادی میں نہ کار آئی تھی اور نہ ریل۔ ایک ٹوٹا پھوٹا راستہ پہاڑیوں سے ہوتا ہوا اس شہر کی طرف آتا تھا۔ ان دنوں یہ شہر ہی کہاں تھا محض ایک قصبہ تھا جس پر چند راجپوتوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی لیکن یہاں کے لوگ ان پڑھ اور جاہل تھے۔ وہ زیادہ تر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کے علاوہ یہاں گوجر آباد تھے جو پہاڑیوں میں رہتے تھے اور چھوٹے چھوٹے گاؤں میں بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ یہ لوگ گرمیوں میں برفانی علاقے میں چلے جاتے تھے اور سردیوں میں شہر کی طرف آجاتے تھے۔ اس طرح شہر اور دیہاتوں میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

اس علاقے پر ایک ہندو راجہ کا راج تھا۔ وہ بھی اسی طرح کبھی چند سپاہیوں کو لیکر آیا تھا اور تلوار کے زور سے اس نے یہاں کے لوگوں کو زیر کر لیا تھا۔ جس مسلمان نے سر اٹھایا اس کا سر قلم کیا۔ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے، چوکیاں قائم کیں اور ایک ہاتھی رکھا۔ اس کے بعد اس کا عملہ آیا۔ جج آئے، منصف آئے۔ پولیس، فوج، بارود خانہ اور جہلم کے بیوپاری تشریف لائے۔ اور آہستہ آہستہ یہ لوگ گاؤں، قصبوں اور شہروں میں پھیل گئے۔ دھیرے دھیرے انھوں نے وادی کی ساری دولت پر قبضہ کر لیا اور وادی میں رہنے والے لوگوں کو اپنا غلام، اپنی رعایا، اپنا قرضدار بنا لیا۔

لیکن جب کنول نے آنکھیں کھولیں تو یہ سب کچھ ہو چکا تھا۔ ایک چھوٹے سے قصبے کی جگہ ایک شہر تعمیر ہو چکا تھا۔ ان جگہوں پر جہاں گیدڑ چلاّیا

کرتے تھے، مکان بن چکے تھے۔ گدھوں کی جگہ لاریاں چلنے لگی تھیں۔ کچّے مکانوں کی جگہ پکّے مکانوں نے لے لی تھی۔ چھوٹا ساہوکار بڑا ساہوکار بن چکا تھا۔ قصبوں اور شہروں میں ان ساہوکاروں کا اتنا رعب تھا کہ لوگ سمجھتے تھے ان سب ساہوکاروں کو خدا نے بھیجا ہے تاکہ انھیں نمک مل سکے، نسواری کپڑا مل سکے اور گڑ مل سکے۔ اس لئے یہاں کے لوگوں کا فرض ہے کہ ان کے مطیع رہیں اور ان کے زیرِ بارِ احسان رہیں۔ اس لئے یہ ان کی جائز اور ناجائز سب باتوں کو قبول کرتے تھے اور نظر سے نظر ملا کر بات نہ کر سکتے تھے۔

جگدیش ان خیالات میں اُلجھا ہوا تھا کہ کنول نے اسے جھنجھوڑ دیا۔

"کس سوچ میں پڑ گئے ہو؟ کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں۔ سوچ رہا تھا کہ اب کے تم اپنے گاؤں نہیں گئے؟"

"ارے یار یہی تو بتانے آیا تھا۔ اب گاؤں میں کیا دھرا ہے۔ آجکل میرا یہاں ایک لڑکی سے عشق ہو گیا ہے۔"

"بہت خوب۔ بڑے خوش قسمت ہو۔"

"لیکن یار ایک اُلجھن میں پھنس گیا ہوں۔"

"کیا ہے وہ اُلجھن؟"

"یار اس لڑکی سے کہاں ملوں، اور کس طرح ملوں؟ جانتے ہو کہ چھوٹا سا شہر ہے۔ کسی کو معلوم ہو گیا تو بے عزتی ہوگی۔"

"لیکن وہ رہتی کہاں ہے؟ تم اس سے کہاں عشق کرتے ہو؟"

"اسکول میں۔"

"دیکھو سیدھی صاف باتیں کرو۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔"

"تو سنو۔ میرے گھر کے سامنے ایک اسکول ہے۔ وہ اس اسکول میں

استانی ہے۔ وہ ہر روز اسکول جاتی ہے۔ میں ہر روز اس سے راستے میں ملتا ہوں۔ وہ میری طرف دیکھتی ہے مسکراتی ہے اور پھر نگاہیں نیچی کر لیتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ اسکول میں پہنچ جاتی ہے تو میں اپنے مکان کے اوپر والے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا ہو جاتا ہوں جہاں سے اسکول سیدھا دکھائی پڑتا ہے۔ وہ ذرا ذرا سی دیر بعد کلاس میں سے جھانک کر میری کھڑکی کی طرف دیکھتی ہے اور ہماری آنکھیں چار ہو جاتی ہیں ـــــ دو ماہ سے یہی کچھ ہو رہا ہے، لیکن معاملہ آگے نہیں بڑھتا۔ تم کچھ میری مدد کرو۔"

"میں تمہاری کیا مدد کروں؟ میں تو خود آج تک کسی سے محبت نہ کر سکا۔"

"ابے کیوں جھوٹ بولتے ہو، ہم سے چھپاتے ہو؟"

"آج تک میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا ہے۔"

"کیا؟۔ کیا تم کملا سے محبت نہیں کرتے؟"

"کون کملا؟"

"چنی لعل کی لڑکی۔"

"میں اس سے محبت کرتا ہوں؟" جگدیش نے حیران ہو کر کہا۔

"ارے ہاں بھائی۔ یہ قصہ تو سارے شہر میں مشہور ہے۔"

"جھوٹ، بالکل جھوٹ۔ بھائی میں نے کملا کو دیکھا ضرور ہے ـــ وہ میرے گھر آتی ہے۔ میری بہن کی سہیلی ہے۔ لیکن عشق وِشق کوئی بات نہیں۔"

"ہو سکتا ہے تمھاری جانب سے کچھ نہ ہو۔ کملا کی طرف سے ہو۔"

"لیکن تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"

"کملا کے باپ نے خود میرے بڑے بھائی سے بات کی کہ اگر کملا کی شادی جگدیش سے ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔"

"انھوں نے کیا جواب دیا؟"

"انھوں نے یہی کہا کہ جوڑی اچھی ہے۔"

"لیکن عشق کی بات تو ظاہر نہیں ہوئی اس سے؟"

"تمھیں عشق نہ ہوگا۔ کملا کو تم سے ہوگا۔ تم اپنی بہن مُنّی سے پوچھنا کملا ہے تو اچھی۔ خاندان بھی اچھا ہے۔ جہیز کافی ملے گا۔"

"تو آپ بھی اس کی وکالت کرنے آئے ہیں؟"

"مجھے وکالت کرنے کی کیا ضرورت۔ میں تو خود اپنی الجھن میں گرفتار ہوں۔ تم مجھے راستہ سجھاؤ۔"

"اُسے گھر بلالو۔"

"کیسے بلاؤں؟"

"اشارہ کر کے۔"

"اگر کسی نے اسے گھر آتے دیکھ لیا؟"

"تو وہ خود کوئی بہانہ بنا دے گی۔ تم کیوں فکر کرتے ہو؟"

"تم میرے ساتھ چلو گے؟"

"ضرور" جگدیش نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو چلو۔"

جگدیش کو یہ معلوم نہ تھا کہ کنول اتنا ڈرپوک ہے۔ یوں دیکھنے میں کنول جگدیش سے زیادہ صحت مند تھا۔ کافی موٹا اور ہٹا کٹا۔ چہرہ خوبصورت۔ آنکھوں کے پپوٹے بھاری۔ باتوں میں ذہانت۔ عمدہ کپڑے پہننے کا عادی۔ دل کا صاف عیاری اور کمینگی سے دور۔ اور دوستوں سے محبت اور پیار سے پیش آنیوالا۔ اس میں ساہوکاروں والی کمینگی نہ تھی۔ وہ بھائیوں کی طرح دکان پر بیٹھتا تھا

نہ قرضہ دیتا نہ سود لیتا تھا۔ اسے پڑھنے کا شوق تھا۔ اسی لئے بھائیوں نے اُسے کہہ دیا تھا، جہاں تک تمھاری مرضی ہو پڑھتے جاؤ۔ جب پڑھتے پڑھتے تھک جاؤ تو ہمیں بتا دینا۔ تمھاری شادی ایک مالدار گھرانے میں کر دیں گے۔ اور اس کے بعد جو تم کرنا چاہو کر سکتے ہو۔ دکان پر نسوار بیچنا چاہو تو بیچ لینا۔ یہ کام بُرا سہی، لیکن دام اچھے ملتے ہیں۔ کپڑے کا بیوپار کرنا چاہو تو کپڑا بیچنا۔ اگر یہ سب کچھ نہ کرنا چاہو تو پڑھ لکھ کر راج دربار میں نوکری کر لینا۔ کہیں منصف یا جج یا تحصیلدار بن جانا؟

دونوں دوست گھر سے باہر نکلے۔ آسمان نیلا اور شفاف تھا۔ ہوا ٹھنڈی اور برفیلی تھی۔ اور جگدیش کے دل میں عجیب غریب قسم کے خیالات اُمڈ رہے تھے۔ اس نے زندگی میں اس طرح کبھی نہ کیا تھا۔ نہ جانے کیا ہو جائے؟ اس کا لڑکی سے کیا تعلق ہے۔ کنول کیوں گھبراتا ہے؟ کیوں ڈرتا ہے۔ اگر لڑکی کو اس سے محبت ہے اور کنول کو لڑکی سے تو پھر ڈر کس بات کا ـــ گھبراہٹ کیسی؟ ـــ وہ اس طرح گلی میں سے چل رہے تھے جیسے ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی پر چڑھائی کر رہے ہوں۔ کنول کا گھر دور نہ تھا۔ جب کنول اپنے گھر کے قریب پہنچا تو اس نے جگدیش کا ہاتھ اپنے دل پر رکھ لیا۔ "جگدیش دیکھ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے"۔ وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے۔ دائیں طرف ایک شاندار ڈرائنگ روم تھا بائیں طرف سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں۔ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ سامنے کھڑکی تھی۔ کنول کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"کیا وہ تمھیں دکھائی دے رہی ہے؟"

"ارے ہاں۔"

"میں بھی آ جاؤں؟"

"نہیں، بالکل نہیں۔ اگر اُس نے تمھیں دیکھ لیا تو وہ فوراً اپنے کمرے کے اندر چلی جائے گی۔ . . . .

. . . . . تم پرے ہی کھڑے رہو۔ صرف مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"اسے اشارہ کرو۔"

"کیسے؟"

"ہاتھ ہلا کر۔ اسے کہو۔ یعنی اشارہ کر کے کہ وہ تمھارے کمرے میں آئے۔"

کنول نے اشارہ کیا۔

"کیا کچھ جواب ملا؟"

"بھائی اس نے بھی ہاتھ کا اشارہ کیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"خدا جانے۔"

"پھر اشارہ کرو۔ اور اُسے اس کمرے میں آنے کے لئے کہو۔"

"لو۔ وہ اندر چلی گئی۔"

"تم بھی نرے چغد ہو۔"

"یار میں کیا کروں؟ میری تو نیند حرام ہو گئی ہے۔ دو ماہ سے مسلسل یہ کچھ کر رہا ہوں۔ تمھاری قسم بھوک نہیں لگتی۔ جب سامنے آتی ہے تو دل دھک دھک کرنے لگتا ہے۔ عجب مصیبت ہے۔"

"لڑکی کیسی ہے؟"

"اچھی ہے۔"

"شادی کرو گے؟"

"بالکل تیار ہوں۔"

"بدمعاشی کا خیال تو نہیں؟"
"نہیں بھائی۔ ایسی بات نہیں۔ وہ۔ وہ پھر آگئی۔"
"ابکے اچھی طرح اشارہ کرو تاکہ وہ پوری طرح سمجھ جائے۔"
اتنے میں اسکول کی گھنٹی بج گئی اور لڑکیاں باہر نکل آئیں۔
"ارے وہ باہر آرہی ہے۔"
"ادھر کی کھڑکیاں بند کردو یعنی گلی والی کھڑکیاں۔ کوئی اور نہ دیکھ لے۔
"وہ اشارہ کررہی ہے۔"
"اس کا مطلب ہے کہ وہ آئے گی۔"
"اب میں کیا کروں؟"
"ابے تو کچھ کرے نہ کرے، پہلے مجھے بتائیں کہاں جاؤں۔"
"تم کہیں نہیں جاسکتے۔ تم اس کمرے میں ٹھہرو۔"
"ابے سن کسی کے قدموں کی آہٹ آرہی ہے۔ یہ اسی کے قدموں کی آہٹ ہے۔"
"تو ایک کام کر۔ اس کھڑکی کے پردوں کے پیچھے چھپ جا۔"
جگدیش لپک کر کھڑکی کے پردوں کے پیچھے چھپ گیا اور کنول نے دوڑ کر جلدی سے گلی کی کھڑکی کو بند کر دیا۔ اور ڈرائنگ روم کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔

پردوں کے پیچھے سے جگدیش بولا۔
"دیکھ جب وہ آئے تو اندر کھینچ لینا۔"
"چپ رہ بے"
لمحہ بہ لمحہ اس کے قدموں کی آہٹ تیز ہوگئی یا کنول کے دل کی دھڑکن

تیز ہوتی گئی اور یکایک لڑکی دروازے تک آگئی۔ لیکن عین اس وقت غضب ہوگیا۔ لڑکی کمرے میں داخل ہونا چاہتی تھی کہ اوپر تیسری منزل سے ایک آدمی زینہ اترتا ہوا نظر آیا۔ لڑکی ایک لمحے کے لئے کانپ اٹھی۔ اس نے اس آدمی کو دیکھا کنول کو دیکھا اور ایک ساتھ کنول کے کمرے میں آنے کی بجائے سیدھی تیسری منزل کی طرف زینہ پر چڑھنے لگی۔

"اب سب ستیاناس ہوگیا۔ کنول نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔" وہ اوپر چلی گئی۔ سالا بھنگی نیچے آرہا تھا۔ اس کو بھی یہی وقت ملا تھا آنے کا۔"

جگدیش پردے کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔ "تو اب میں جاتا ہوں۔"

"نہیں تم نہیں جاسکتے۔ میں آج اس سے مل کر رہوں گا۔ میں اس سے صاف صاف کہدوں گا اب مجھ سے نہیں رہا جاتا۔ خدارا اس محبت کو واپس لے لو مجھ سے اب برداشت نہیں ہوسکتا۔ یہ دُور دُور سے دیکھنا، نہ بات کرنا نہ ملنا نہ جلنا، صرف ایک پھیکی سی ہنسی، دل کا ہمیشہ دھک دھک کرتے رہنا۔ آخر یہ کب تک؟"

یکایک پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

"چھپ جاؤ پردے کے پیچھے۔"

سلیپروں کی آواز۔

ایک سیڑھی۔

دوسری سیڑھی

مونٹ ایورسٹ سے لوگ نیچے آرہے ہیں۔

تیسری سیڑھی، چوتھی سیڑھی، پانچویں سیڑھی۔ اب وہ نیچے آگئی تھی۔

کنول کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

"ہش"
یکایک کنول آگے بڑھ کر لڑکی کو اندر کھینچ لاتا ہے۔ لڑکی کچھ نہیں کہتی ہے — کنول ڈرائنگ روم کے دروازے کی چٹخنی لگاتا ہے۔ لڑکی پھر بھی کچھ نہیں کہتی۔
دونوں صوفہ سیٹ پر بیٹھ جاتے ہیں۔

"اب کیا ہوگا؟"
لڑکی ہنستی ہے۔ کھلکھلا کر ہنستی ہے۔ جگدیش نے ایسی ہنسی زندگی بھر نہ سُنی تھی۔ اس ہنسی سے صاف ظاہر تھا کہ لڑکی خوش ہے۔ وہ خود آئی تھی۔ وہ آنا چاہتی تھی، وہ کنول سے ملنا چاہتی تھی، لیکن کوئی موقعہ نہ ملتا تھا۔
آج موقعہ مل گیا۔ اس لئے وہ آگئی۔
دونوں اکٹھے بیٹھ گئے۔
"اب کیا ہوگا؟"
"لاجی۔ میں نے تمھارا کتنا انتظار کیا۔"
جواب کچھ نہیں۔ محض ہنسی۔
"مجھے رات بھر نیند نہیں آتی ہے۔"
جواب کچھ نہیں۔ محض ہنسی۔
"مجھے بھوک نہیں لگتی۔"
جواب کچھ نہیں محض ہنسی۔
"تمھارے ہاتھ کتنے اچھے ہیں۔ تم مجھ سے دُور کیوں رہتی ہو؟"
آنکھیں شرما جاتی ہیں۔
"تمھاری آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں۔ آؤ ان آنکھوں، ان شرماتی ہوئی پلکوں پر ایک بوسہ دیدوں۔"

وہ شرمائی ہوئی آنکھوں پر ایک بوسہ دیتا ہے۔
پردے کے پیچھے جگدیش کھڑکی سے گر کر خودکشی کرنا چاہتا ہے۔
"جلدی کرو۔"
"کیا کروں؟"
"میں جانا چاہتی ہوں۔ اسکول کا وقت ہو گیا ہے۔ چھٹی کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ لڑکیاں میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔"
"لیکن لاجی اب کیا ہوگا؟ میں مر جاؤں گا، تمھارے بغیر۔"
جواب ـــــ ہنسی
وہ پھر اس کے ہونٹ چومتا ہے۔
"مجھے جانے دو۔"
"پھر کب آؤ گی؟"
"مجھے کچھ معلوم نہیں۔"
وہ اٹھتی ہے۔
"اگر کسی نے دیکھ لیا تمھیں کمرے سے نکلتے ہوئے؟"
کنول ایک بار پھر لاجی کو اپنے مضبوط بازوؤں میں لیتا ہے اور اپنے سینے سے چمٹا لیتا ہے۔ "لاجی تم میری ہو۔ صرف میری ہو۔ اور کسی کی نہیں۔"
لڑکی ہنستی ہے، ایک مدھ بھری ہنسی ـــــ جیسے سارا جسم کھلکھلا کر ہنس پڑے ایک ایسی ہنسی جس کے سامنے باغ کے سارے پھول، ان کی ساری خوبصورتی، ان کی ساری رنگت پھیکی تھی۔ ایک ایسی ہنسی جس میں ایسا لوچ تھا اور ایسی نرمی تھی جو ریشم کے تاروں میں مفقود ہوتی ہے۔ دونوں خوش تھے بے حد خوش۔
لاجی نے اپنے جسم کو کنول کے مضبوط بازوؤں سے الگ کیا۔ کنول نے آہستہ

سے چٹخنی کھولی، پھر دروازہ کھولا۔ کنول نے جھانک کر دیکھا کوئی نہ تھا۔
"تم جاسکتی ہو باہر کوئی نہیں ہے۔"
پھر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ لاجی کے جانے کی۔
وہ آکر چلی گئی تھی۔
جگدیش پردے کے پیچھے سے نکل آیا۔ اس نے کنول کی طرف دیکھا۔
کنول نے جگدیش کی طرف دیکھا۔
جگدیش نے کہا۔ "تمھاری مراد پوری ہوگئی۔"
"نہیں میں اس لڑکی سے شادی کروں گا۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ گو یہ لڑکی سکھ ہے اور میں ہندو ہوں لیکن میں اپنے ماں باپ کو اس شادی کے لئے رضامند کر لوں گا۔"
"اور لڑکی کے ماں باپ؟"
"انھیں وہ رضامند کرے گی۔ لیکن اس وقت ان باتوں کا ذکر مت کرو آؤ باہر چلیں۔"
دونوں کمرے سے باہر نکلے۔ کنول آج بہت خوش تھا۔ آج اس نے اپنی محبوبہ کو چوما تھا۔ اس کے جسم کو پیار کیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر لب رکھے تھے اس کے گداز بازوؤں کو دیکھا تھا۔ اس کی انگلیوں کو اپنی انگلیوں سے چھوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیکھا تھا۔ اس کے ریشمی بالوں کو چھوا تھا۔ اس کی ہنسی کو قریب سے سنا تھا۔ اس کے موتیوں جیسے دانتوں کی شفاف چمک سے اپنے تخیل کو منوّر کیا تھا۔ اس کے جسم کی خوشبو سے اپنے ذہن کو معطر کیا تھا اس نے اس کی قمیض کو چھوا تھا۔ اس کی شلوار کو ہاتھ لگایا تھا۔ اس کے کپڑے اس کے جسم سے مس ہوئے تھے۔ اور یہ سب کچھ پہلی بار ہوا تھا۔ زندگی میں پہلی بار۔

اس سے پہلے ایسا کیوں نہ ہوا۔
دونوں دوست چلے جا رہے تھے۔ سڑک پر۔ اپنے اپنے خیالات اور تصورات کی رَو میں۔
راستے میں برج لال مل گیا۔ ملتے ہی کہنے لگا۔ "سناؤ یار کیا حال چال ہیں"۔
"ٹھیک ہے" دونوں نے کہا۔
"بڑے عیش کرتے ہو آج کل؟"
"جی ہاں"
"جگدیش صاحب، بات سنئے گا"
"میں بھی آؤں؟" کنول نے کہا۔
"ایک پرائیویٹ معاملہ ہے۔ صرف ایک منٹ کے لئے"۔
"کیوں دوست، اکیلے ہاتھ مارتے ہو۔ ہمیں بھی بلا لیا ہوتا"!
"کیوں کیا بات ہے؟"
"دیکھو ہم سے نہ چھپاؤ۔ سب لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے۔"
"ارے کیا معلوم ہو گیا ہے"۔
"تم تینوں کا معاملہ"۔
"کن تینوں کا؟"
"دو مرد اور ایک عورت کا"۔
"کون سی عورت؟"
"وہی لاجی۔ دیکھو چھپاؤ مت۔ میں تمہارا دوست ہوں، دشمن تو نہیں۔ آج تم دونوں بچ گئے۔ ورنہ عین موقع پر پکڑے جاتے۔ لہنا سنگھ کو جانتے ہو؟
"ہاں"

"وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ لہنا سنگھ کے بھائی کی سگائی اس لڑکی سے پانچ برس پہلے ہو چکی ہے۔"

"مجھے کیا معلوم۔"

"تبھی تو بتا رہا ہوں۔ لہنا سنگھ دو ماہ سے یہ تماشہ دیکھ رہا ہے کہ کنول صاحب کھڑکی میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لڑکی اپنے کمرے سے باہر آجاتی ہے۔ دروازے میں کھڑی ہو کر لڑکیوں کو پڑھاتی ہے۔ اس لئے وہ برابر دونوں پر نگاہ رکھتا تھا۔ اور آج جب لاجی اس کے ڈرائنگ روم میں آئی، تو اس نے سب کچھ دیکھ لیا۔"

"لیکن کہاں سے؟"

"سامنے والے ٹیلے سے۔ وہاں سے کنول کا ڈرائنگ روم، اسکول کا احاطہ اور کمرہ صاف نظر آتا ہے۔ اس لڑکی پر بہتوں کی نظریں ہیں۔ میاں صاحب خیر تم لوگ خوش قسمت نکلے جو ہاتھ صاف کر لیا۔ کہو خوب عیش کیا؟ لیکن اب بچ کے رہنا اور لہنا سنگھ کے مکان کی طرف مت جانا۔"

"یہ تو ہو گیا، لیکن اب کیا ہو گا؟"

"لڑکی کے باپ کو خبر کی جائے گی۔"

"پھر کیا ہو گا؟"

"کل سے اس کا اسکول جانا بالکل بند ہو جائے گا۔"

"اور اس کے بعد؟"

"اگر آپ نے اور کہیں لڑکی سے ملنے کی کوشش کی، تو لہنا سنگھ طبیعت صاف کر دے گا۔ اس پر بھی آپ باز نہ آئے تو ہندو سکھ سوال اٹھ کھڑا ہو گا۔ اور اگر پھر بھی عشق چلانیاں بھرتا رہا تو کنول صاحب کو جان سے مار دیا جائیگا۔

"مگر یہ سب باتیں تم کو کیسے معلوم ہوگئیں ؟"

"مجھے کیا یہ باتیں سارے شہر والوں کو معلوم ہیں۔"

اتنے میں کنول نے آواز دی ۔ "ارے چھوڑو نا برج کیا کھسر پھسر لگا رکھی ہے۔"

"ذرا بتا دینا کنول کو بھی ۔ اچھا میں جاتا ہوں۔" اور یہ کہہ کر برج چلا گیا

"کیا بات تھی ؟" کنول نے جگدیش سے دریافت کیا ۔

"یار بہت ہی بری اور منحوس بات ہے ۔"

"بتاؤ تو سہی ۔"

"بتاؤں کیا ۔۔؟ خیر مناؤ کہ بچ گئے ۔"

"کیسے ؟"

"جوتے کھانے سے، بے عزت ہونے سے، گرفتار ہوکر جیل جانے سے"

جگدیش نے سارا قصہ کنول کو بتا دیا ۔ کنول کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا ۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا ۔ وہ کچھ نہ بول سکا ۔ اس کے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا تھا ۔

"جگدیش اب گھر لوٹ چلو"

دونوں دوست لوٹ پڑے ۔ انھوں نے سارا راستہ خاموشی میں طے کیا ۔ کنول تو بالکل کھویا کھویا اور سراسیمہ سا تھا ۔ آخر گھر آگیا اور دونوں ڈرائنگ روم میں پہنچ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے ۔

آخر کنول نے خاموشی توڑی ۔ "اب کیا ہوگا ؟"

"پہلے چائے منگاؤ ؟"

کنول نے نوکر کو آواز دی ۔ جگدیش نے کنول کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا ۔

"گھبراؤ مت کچھ نہیں ہوگا ۔"

"کیا لڑائی جھگڑے تک نوبت پہنچ جائے گی؟"

"نہیں یار"

"تو پھر؟"

"بس کل سے وہ لڑکی اسکول میں پڑھانے نہیں آئے گی۔ گھر کی چار دیواری میں بند کر دی جائے گی۔ اور جب تک اس کی شادی نہ ہو جائے گی، وہ تم سے نہ مل سکے گی۔"

"اگر میں شادی کرنے پر تیار ہو جاؤں؟"

"تم تو پہلے ہی تیار ہو۔ لیکن لہنا سنگھ کا بھائی تو تیار ہے جس سے لاجی کی سگائی ہو چکی ہے۔ اگر وہ کرپان لیکر اس طرف آ جائے تو تم کیا کر سکتے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ تم اس لڑکی کو بھول جاؤ اور اس کی محبت سے باز آؤ۔"

"یہ نہ ہو سکے گا جگدیش۔"

"یہ ہو کر رہے گا۔ اگر زندگی چاہتے ہو تو اپنے ارمانوں کو کچل ڈالو۔ دل کے کواڑ بند کر لو اور اپنی چھاتی پر صبر کا بھاری پتھر رکھ کر من کو سمجھاؤ کہ محبوبہ کا ملنا تمھاری قسمت میں نہیں ہے۔"

"تم مذاق کر رہے ہو۔"

اتنے میں نوکر چائے لے آیا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ عقل کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم خطرہ مول نہ لیں۔ اگر ہم آگے بڑھے تو مجھے ڈر ہے کہیں یہ معاملہ ہندو سکھ فساد کی جڑ نہ بن جائے۔ اس کے علاوہ لڑکی کا باپ اس شادی کی کبھی اجازت نہ دے گا۔ اسے اپنی بیٹی کی خوشی سے اپنی عزت زیادہ عزیز ہے۔ اس لئے تم اپنے ذہن سے یہ واقعہ یوں نکال دو جیسے بڑھا ہوا ناخن کاٹ دیا جاتا ہے۔"

"لیکن ناخن پھر نکل آتا ہے"

"اسے پھر کاٹ دو، اپنی یادوں کو نوچ ڈالو اگر زندہ رہنا چاہتے ہو"

"شاید وہ کل پھر اسکول آئے"

"ضرور آئے گی ــــ اب اپنا دماغ ٹھیک رکھو اور اس عشق سے باز آؤ ــــ ہمارا کام سمجھانا ہے، سمجھا چلے۔ اب تم جانو اور تمھارا کام!"

اور یہ کہہ کر جگدیش نے جلدی سے چائے کا پیالہ خالی کیا اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔

۳

سورج پہاڑیوں سے اوپر نکل آیا تھا۔ دور پہاڑ کی چوٹیاں ابھی تک دھند میں لپٹی ہوئی تھیں۔ پہاڑوں کے دامن میں کچھ کچے گھر تھے، جن سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔ جگدیش اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے ایک کتاب پڑی ہوئی تھی۔ سامنے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی جس میں سے وہ گلی میں سے آنے جانے والوں کا بھرپور جائزہ لے سکتا تھا۔ کل کے واقعہ نے اس کے ذہن پر عجیب اثر ڈالا تھا۔ شروع کا احساس خوشی اور مسرت سے لبریز تھا۔ کنول اور لاجی کا ملنا، خاص کر لاجی کی ہنسی اسے یاد تھی۔ اس کی ہنسی میں ایک لازوال قوت تھی۔ لیکن جب جگدیش کو اس بات کا پتہ چلا کہ یہ بات شہر میں پھیل گئی ہے اور لاجی کے والد کو بھی معلوم ہو گئی ہے اور ساتھ ہی ارجن سنگھ کو بھی جو لاجی سے بیاہ کرنے والا ہے، تو اس کے دل میں ڈر اور خوف کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس کے دل کے گوشوں میں کوئی کہہ رہا تھا تم وہاں کیوں چلے گئے۔ تمھارا کیا کام تھا۔

تم ناحق اس جھگڑے میں پھنس گئے اگر ماں کو معلوم ہوگیا تو وہ کیا کہے گی؟ اگر چھوٹی بہن کو معلوم ہوگیا تو اس کے ذہن پر کیا اثر ہوگا؟ جگدیش کو نہ لاجی سے محبت تھی نہ دلچسپی۔ وہ تو یونہی کنول کے ساتھ چلا گیا تھا جیسے بازار میں انسان کسی دوست کے ساتھ چلا جاتا ہے۔ جگدیش نے اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ آخر اس کا کیا قصور تھا اس نے تو کچھ نہیں کیا۔ لیکن برج کے الفاظ اس کے کانوں میں کھٹک رہے تھے "یار، خوب عیش کیا تم دونوں نے"۔ یہ الفاظ سن کر وہ خاموش رہا تھا۔ اسے یونہی ایک لذت سی محسوس ہو رہی تھی۔ برج کے دل میں ایک حاسدانہ جذبہ تھا کہ وہ کیوں نہ اس سازش میں شریک ہوسکا۔ اور یہ دونوں کیوں اکیلے اکیلے مال غنیمت ہضم کر گئے۔ لیکن اصل معاملے کو کوئی نہ جانتا تھا۔ معاملے کی اصلیت سے شاید سارا شہر ناواقف تھا صرف تین انسان اس معاملے کی حقیقت کو جانتے تھے۔ اور ان تینوں پر اس واقعہ کا الگ الگ اثر ہوا تھا۔ جگدیش پر اس وقت ایک خوف، ڈر، اور احتیاط کا جذبہ طاری تھا۔ وہ اپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ وہ اس سازش میں کیوں شریک ہوا؟ وہ اس محفل میں کیوں گیا جس میں اس کا کچھ کام نہ تھا۔ یکایک اس کی نظر کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف اُٹھ گئی۔ اسے ایک لڑکی گذرتی دکھائی دی۔ یہ لڑکی اکثر صبح کے وقت سر پہ گھڑا رکھے ادھر سے گذرا کرتی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے یہ لڑکی پسند تھی۔ اس نے کئی بار اس لڑکی کو اسی کھڑکی کے سامنے سے گذرتے دیکھا تھا۔ کتنی بار اس کے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ وہ اٹھ کر باہر آجائے اور اس لڑکی سے بات کرے سوال پوچھے اس کو اچھی طرح دیکھے۔ شاید معاملہ آگے بڑھ سکے۔ لیکن اس میں اتنی ہمت نہ تھی حالانکہ وہ جانتا تھا کہ لڑکی کسی اچھے گھرانے سے تعلق نہیں رکھتی۔ وہ اس شہر کی رہنے والی بھی نہ تھی۔ حال ہی میں اس محلے میں آئی تھی۔ ادھر سے گذرتی تو ضرور کھڑکی کی جانب ایک بار دیکھتی۔ لیکن اس نگاہ میں کچھ نہ ہوتا۔

ایک عجیب سی اداس نگاہ، بے حس، بے جان، جس میں نہ بلاوا تھا نہ گرمی نہ تپش۔
لڑکی کی عمر چودہ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ مگر جسم کے خدوخال میں ایک دلکشی تھی۔
گو نو گز کپڑے کی بھاری شلوار پہنے رہنے کی وجہ سے اس کے کولھوں کے تناسب
کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا، لیکن قمیض اس کے جسم پر پھنس کر آتی تھی۔ جگدیش
نے اسے دیکھا تھا اور کئی بار اُسے دیکھنے کے لئے وہ عین وقت پر صبح اُٹھتا۔
کھڑکی کھولتا اور اس کے گذرنے کا انتظار کرتا رہتا تھا۔ لڑکی کئی بار اس گلی سے
گذر کر آگے پہنچ جاتی تھی اور وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آتا تھا اُس کا تعاقب
کرنے کے لئے۔ لیکن ہر بار اُس کے قدم ڈگمگا جاتے تھے۔ وہ ایک قدم آگے نہ
بڑھ سکتا تھا۔ اس پر یہ خوف طاری ہو جاتا کہ لڑکی نہ جانے کیا کہہ دے۔ نہ جانے
کس سے جا کر شکایت کر دے۔ کون جانے کوئی جان پہچان والا اس کے ساتھ باتیں
کرتے ہوئے دیکھ لے اور ماں سے جا کر شکایت کر دے، یا اس کی چھوٹی بہن سے
ذکر کر دے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لڑکی اسے خود ہی گالی سنانے لگے۔ آخر لڑکی کو کیا
غرض تھی کہ وہ جگدیش سے باتیں کرے؟ ہو سکتا ہے لڑکی بہت شریف ہو۔ وہ بچاری
ادھر سے صرف پانی بھرنے کے لئے آتی ہو اور پانی بھر کر واپس چلی جاتی ہو۔ اگر لڑکی
کے دل میں کچھ ہوتا تو اس عرصے میں کبھی تو مسکراتی۔ اس کی طرف ہنس کر دیکھتی، ایک
لمحہ اس کھڑکی کے قریب ٹھہرتی، ایک نگاہِ غلط انداز ڈالتی؟ لیکن ایسا کبھی نہ ہوا
اور اسے اب یقین ہو گیا تھا کہ اس لڑکی سے بات کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے
اور یقیناً وہ ایک شریف خاندان کی لڑکی ہے۔ آہستہ آہستہ جگدیش کے دل میں اس
لڑکی کے لئے تقدس اور احترام کے جذبات ابھرنے لگے۔ گو دل میں ابھی ایک ایسا
جذبہ پرورش پا رہا تھا جو ہمیشہ اسے تلقین کرتا کہ ضرور اس لڑکی سے بات کرو لیکن
لڑکی کی شخصیت، لڑکی کی خاموشی، اس کا چلنا، اس کا کبھی مڑ کر نہ دیکھنا، نہ ہنسنا

نہ مسکرانا، اُس کے اس جذبہ کو ابھار کر عمل کی صورت اختیار کرنے سے روکتا رہتا تھا۔ اس لڑکی میں وہ چلبلاہٹ مفقود تھی جو اکثر اس عمر میں ہوتی ہے۔ جگدیش نے ہمیشہ اس لڑکی سے بات کرنے کی خواہش کی لیکن ہمیشہ اِس پُراسرار لڑکی سے بات کرنے میں وہ ناکام رہا۔ اس نے کتاب کی ورق گردانی شروع کی۔ اس کا امتحان قریب آرہا تھا۔ صرف چند مہینے رہ گئے تھے۔ اگر وہ امتحان میں کامیاب ہوگیا تو وہ اپنی ماں کے لئے کتنا سودمند ثابت ہوگا۔ آج کل اس کی ماں دن رات کام کرتی تھی اُس نے کپڑا سینے کی مشین خرید لی تھی۔ وہ محلے والوں کے کپڑے سیتی تھی۔ صبح شام کھانا پکاتی تھی۔ اسکول میں پڑھانے جاتی تھی۔ بڑی محنت اور مشقت کرتی تھی۔ تاکہ گھر کا خرچ چلا سکے اور لڑکے کو تعلیم دلا سکے اور وہ امتحان میں پاس ہوکر نوکری کرے اور اس کی شادی ہوجائے۔

جگدیش کچھ عرصے پڑھتا رہا۔ لیکن اس کا دل پڑھائی میں نہ لگا۔ آخر اس نے کتاب بند کر دی اور کنول سے ملنے چلدیا۔ کنول اپنے ڈرائنگ روم میں تھا اور کھلی ہوئی کھڑکی سے روشنی کمرے میں بکھر رہی تھی۔

کنول صوفہ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ سی آگئی۔

"کیوں صاحب کیا حال ہے؟"

"حال اچھا نہیں۔"

"مگر کھڑکی تو کھلی ہوئی ہے۔"

"لیکن وہ ابھی تک نہیں آئی۔ میرے خیال میں برج نے جو کچھ کہا تھا، صحیح کہا تھا۔ اس لڑکی کے والد کو یہ بات معلوم ہوگئی ہے۔ وہ اب اسے اسکول نہ بھیجے گا۔ یہی سوچ سوچ کر میں

رات بھر نہ سو سکا۔ نیند کس طرح آتی؟ اس کے علاوہ سب سے بڑی بات تو یہ ہوئی کہ ہم پہلی ملاقات میں ہی بدنام ہو گئے۔ کاش یہ ملاقات نہ ہوتی۔ اس صورت میں یہ سمجھ کر خاموش ہو جاتا کہ وہ میری قسمت ہی میں نہ تھی۔ لیکن جگدیش اب کیا ہوگا؟ نہ جانے اس پر کیا گذرتی ہوگی۔ ہو سکتا ہے اس کے والد نے اُسے مارا ہو۔ ماں نے گالیاں دی ہوں۔ بھائیوں نے جان سے مارنے کی دھمکی دی ہو۔ اس کی زندگی عذاب میں ہوگی۔ اور میں ہوں کہ ادھر بیٹھا ہوا کھڑکی کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ جیسے وہ ابھی آئے گی اور مجھے دیکھ کر مسکرائے گی' اشارہ کرنے کے لئے ہاتھ ہلائے گی۔ اور ابھی سر جھٹک کر گردن ایک طرف کر کے کمرے کے اندر چلی جائے گی۔

جگدیش نے کچھ جواب نہ دیا۔ چائے دانی سے چائے پیالے میں ڈالی۔ پھر دودھ اور پھر شکر۔ اور پھر کنول کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی رات بھر نہ سو سکا تھا۔ رات بھر لاجی کے جسم کی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکراتی رہی ہوگی۔ اس کی ہنسی کی آواز اس کے ذہن کے پردوں سے ہمکنار رہی ہوگی۔ دونوں کو واقعی ایک دوسرے سے بے انداز محبت تھی۔ دونوں بہت خوش تھے۔ بے حد خوش تھے دونوں کی اگر شادی ہو جاتی تو دونوں کی زندگی خوشگوار ہو جاتی لیکن اب کیا ہوگا' اب کیا ہو سکتا ہے۔ جگدیش جانتا تھا کہ اس شہر میں محبت پنپ نہیں سکتی۔ شادیاں ہوتی ہیں۔ لیکن شادیاں ماں اور باپ کرتے ہیں۔ ماں اپنے بیٹے کی بہو کا انتخاب کرتی ہے۔ باپ بیٹی کے لئے شوہر چنتا ہے۔ اگر کوئی لڑکی ماں باپ سے نظریں بچا کر خود اپنے شوہر کا انتخاب کرتی ہے تو اسے اکثر مارا جاتا ہے، پیٹا جاتا ہے اور ایک دوسرا لڑکا تلاش کر کے اس کی شادی کر دی جاتی ہے۔ اور لڑکی کے دل میں ہمیشہ کے لئے محبت ایک ناسور بن کر رہ جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وقت کا پھاہا زخم کو مندمل کر دے۔ اور میاں بیوی دونوں خوش و خرم رہنے لگیں۔

اس لئے ان حالات میں کنول کا کچھ اور سوچنا محض بیوقوفی تھی۔ اب حالات صاف اور واضح تھے۔ دونوں کی محبت نے اب ایک اجتماعی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ معاملہ صرف ایک مرد اور ایک عورت کا نہ رہا تھا بلکہ پورے سماج اور پورے شہر کا ہو چکا تھا۔ دونوں طرف عزت اور وقار کا سوال تھا۔ خاص طور پر لڑکی کی عزت کا زیادہ سوال تھا۔ اور خیال ہونا بھی چاہیئے۔ اب آگے بڑھنا موت سے کھیلنا تھا۔ کنول ارجن سنگھ کو جانتا تھا۔ وہ نہایت شرابی قسم کا انسان تھا۔ وہ مالدار ضرور تھا لیکن ساتھ ہی ان پڑھ اُجڈ اور گنوار تھا۔ وہ زمینوں کا مالک تھا لیکن رہنے سہنے کا طریقہ اُسے نہ آتا تھا۔ دن رات شراب میں مست رہتا اور گاؤں اور شہر کی لڑکیوں کے پیچھے بھاگتا تھا۔ ایک دو بار بے عزتی بھی ہوئی تھی لیکن ارجن سنگھ نہ مانا تھا۔ پھر یکایک اسے لاجی پسند آگئی۔ بڑے بھائی سے کہہ کر اس سے رشتے کی بات پکی کی اور سگائی ہوگئی۔ لاجی کے والد نے اس لئے سگائی کر دی کہ ارجن سنگھ کا ایک گھر تھا، کئی کھیت تھے اور کھانے پہننے کی کمی نہ تھی۔ اور اگر لڑکی کو یہ چیزیں مل جائیں تو اور کیا چاہیئے؟ گو لڑکی دسویں پاس تھی اور اب ایک اسکول میں استانی تھی، لیکن ایسا امیر لڑکا ملنا مشکل تھا۔ اس کے علاوہ ارجن سنگھ سکھ تھا اور لاجی کا باپ بھی سکھ تھا۔ اس کے برخلاف کنول سکھ نہ تھا۔ گو وہ بھی امیر تھا، یعنی امیر باپ کا لڑکا تھا۔ لیکن اس شہر میں تہذیب و تمدن کے دھاگے کافی کمزور تھے۔ لوگ ابھی تک پرانے توہمات میں جکڑے ہوئے تھے۔ وہ اس قسم کی محبت کو گناہِ عظیم سمجھتے تھے۔ شریف لڑکی وہی ہوتی ہے جو ماں باپ کا کہنا مانے۔ جو ماں کے کہنے پر ماں کے پسند کے لڑکے کے ساتھ سسرال چلی جائے۔ اور پیچھے مڑ کر کبھی اپنے عاشق کی طرف نہ دیکھے۔ نگاہیں نیچی رکھے، آنکھیں اُٹھا کر کسی غیر مرد کی طرف نہ دیکھے۔ اس قصبے میں صدیوں سے یہی کچھ

ہو رہا تھا۔ گاؤں میں یہی کچھ ہوتا تھا۔ کبھی کبھار ایسا ہو جاتا تھا کہ گاؤں کے کسی لڑکی اور لڑکے میں عشق ہو جاتا اور عاشق اپنی محبوبہ کو لے بھاگتا۔ وہ گاؤں چھوڑ کر چلا جاتا اور کسی دوسرے علاقے میں جا کر شادی کر لیتا اور پھر کبھی واپس نہ آتا۔ لیکن اتنی ہمت اور شجاعت کے لئے دل گردہ چاہیئے جو کنول اور لاجی میں نہ تھا۔ قانون کا انھیں خوف تھا اور ماں باپ کے وقار کا انھیں خیال تھا۔ لاجی کو اس کے گھر میں بند کر دیا گیا۔ اس کا اسکول میں آنا جانا بند کر دیا گیا۔ اور اس سے معلوم ہوتا تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔

۴

اگلے دن جگدیش کنول اور لاجی کے بارے میں سوچتا ہوا گلی میں سے گذر رہا تھا کہ سامنے اسے کملا جاتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے ساتھ اس کی چھوٹی بہن تھی۔ کملا نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے قدم وہیں جم گئے۔ جگدیش ایک لمحہ کھڑا رہ کر اس کی طرف تیزی سے بڑھنے لگا۔ اب کملا بھی چلنے لگی۔ آگے آگے کملا تھی، پیچھے پیچھے وہ۔ کملا پھر ایک گلی کے موڑ پر رک گئی۔ جگدیش نے اپنے قدم تیز کئے۔ اور وہ اس گلی کے موڑ کے قریب پہنچ کر کچھ کہنے والا ہی تھا کہ سامنے سے ایک آدمی آتا نظر آیا۔ کملا جھٹ سے آگے بڑھ گئی۔ لیکن اس آدمی کے گذرتے ہی مڑ کر اس کی طرف مسکرائی اور ہاتھ سے پیچھے آنے کے لئے اشارہ کیا۔ وہ پھر آگے بڑھنے لگا۔ لیکن یہ گلی

سنسان نہ تھی بلکہ اس گلی میں کافی آمد و رفت تھی بہت سے جان پہچان والے
آدمی اس گلی میں سے گذر رہے تھے۔ وہ وہیں گلی میں رک گیا۔ اس کے سامنے
کملا اور اس کی چھوٹی بہن جا رہی تھیں کملا مُڑ مُڑ کر اس کی طرف دیکھتی جا رہی تھی اور
جب گلی کے آخر میں پہنچی تو کملا نے پھر اپنا ہاتھ ہلایا۔ لیکن اس مرتبہ ایک آدمی نے
دیکھ لیا۔ جگدیش نے گھبرا کر منھ پھیر لیا۔ "کہیں اس آدمی نے کملا کو اشارہ کرتے
ہوئے دیکھ تو نہیں لیا؟" خوف کے مارے اُسے پسینہ آ گیا۔ تیز تیز قدم اُٹھاتا
ہوا وہ سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ یہ کمرہ بھی عجیب غریب
تھا۔ نہ اس کمرے میں دھوپ آتی تھی، نہ روشنی، ہمیشہ ایک تاریکی چھائی رہتی
تھی۔ لیکن چونکہ وہ کافی برسوں سے اس کمرے میں رہتا تھا اس لئے اس نے
کبھی ٹھوکر نہ کھائی تھی۔ ہاں باہر سے جب بھی وہ اندر آتا تھا، چار پانچ منٹ
تک کرسی پر چپ چاپ بیٹھ جاتا تھا، کیونکہ اندر آتے ہی اندھیرا اتنا زیادہ ہوتا
تھا کہ وہ اپنے کمرے کی چیزوں کو نہ پہچان سکتا تھا۔ جب وہ کھڑکی کھولتا تب
کچھ روشنی کھڑکی کی راہ کمرے کے اندر آتی۔ اس کے سامنے والا مکان دو منزلہ تھا
اس لئے ساری روشنی یہ مکان روک لیتا تھا۔ لیکن اس مکان کا کرایہ بہت
کم تھا۔ اسی لئے جگدیش نے کبھی مکان بدلنے کی کوشش نہ کی۔ جگدیش نے سب
سے پہلے کھڑکی کھولی۔ کچھ روشنی اندر آئی۔ اُسے اپنی میز دکھائی دی۔ پھر ایک کرسی
نظر آئی۔ پھر اپنی چارپائی۔ اس کے بستر کی چادر کافی میلی تھی اور دھندلی روشنی
میں یہ چادر اور گندی نظر آئی۔ کمرے سے ہو کر اور دالان پار کر کے وہ سامنے والے
کمرے میں گیا۔ یہاں روشنی کافی تھی۔ سورج کی دھوپ برآمدے میں رینگ
رہی تھی۔ سامنے پنج تارے کا درخت کھڑا تھا اور اس کے سُرخ سُرخ پھول
اس کی طرف دیکھ رہے تھے، مسکرا رہے تھے، اس کی ماں نے اس کے لئے

کھانا رکھ دیا تھا۔ اُس نے کھانا گرم کیا۔ اتنے میں اس کی بہن آ گئی۔ دونوں نے کھانا کھایا۔ وہ پھر اپنی کتابیں لیکر اسکول چلی گئی۔ اور جگدیش کو اکیلا اُس مکان میں چھوڑ گئی۔ ایک دو گھنٹے کے بعد اس کی ماں اسکول سے واپس آ جائے گی اور اسے پھر کھانا پکانا پڑے گا۔ کتنا کام کرتی تھی اس کی ماں۔ وہ کس طرح اپنی ماں کے احسانوں کو چکائے گا؟ کب اس قابل ہو سکے گا کہ اپنی ماں کو ایک نوکرانی رکھ دے؟ اس کمرے سے نکل کر ایک کھلے مکان میں جا بسے؟ بہن کی شادی کرنے کے لئے اچھا لڑکا تلاش کر سکے۔ کیونکہ وہ بڑی ہو رہی تھی۔ جگدیش جانتا تھا کہ اب تکلیف کے دن تھوڑے تھے۔ بس ایک دو مہینے کی بات تھی۔ یہ بھی گذر جائیں گے۔ اور زندگی کے اُجلے اور سہاونے دن آئیں گے۔ اس کے ذہن میں مختلف خیال پناہ گزیں تھے ماں کا خیال، بہن کا خیال، دنیاوی آسائشوں کا خیال۔ لیکن اس کے ذہن میں ہمیشہ ماں اور بہن کا خیال اور خیالوں پر حاوی رہتا تھا، جیسے یہ سب لوگ اُس کے جسم کا ایک حصہ تھے۔ لیکن انہی دنوں کملا اس کی طرف بڑھ رہی تھی اور وہ اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس نے کملا کے متعلق باتیں سُنی تھیں۔ اس کی ماں نے باتیں کی تھیں، کنول نے باتیں کی تھیں، کئی بار وہ خود بھی کملا کو دیکھ چکا تھا۔ لیکن اس نے کملا کو یوں کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے دل و دماغ پر چھا رہی تھی۔ آج تو کملا نے غضب ہی کر دیا تھا۔ بھلا گلی میں بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر کوئی دیکھ لیتا تو کیا کہتا؟ لیکن جن نظروں سے آج اس نے کملا کو دیکھا تھا وہ نظریں اور تھیں۔ وہ پہلے اس کی بہن کی سہیلی تھی محض ایک سہیلی، کم سن، کم عمر، ایک خوبصورت تتلی۔ چھریرے بدن کی لڑکی جو اکثر اسے دیکھ کر مسکراتی تھی۔ لیکن آج وہ اس کے لئے یکایک کچھ اور بن گئی تھی۔ اس کی مسکراہٹوں میں ایک خاص معنیٰ پیدا ہو گئے تھے۔ جگدیش کو ایک سال پہلے کا وہ واقعہ

یاد تھا جب یہ لڑکی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ کملا کے سر کے بال کھلے ہوئے تھے اور اس نے ہانپتے ہوئے کہا تھا۔ "بہن جی نے انگریزی کی کتاب منگوائی ہے۔"

"کون سی کتاب ؟"

"انگریزی کی کوئی کتاب"

اس نے ایک کتاب اٹھا کر کملا کو دی تھی۔ اور کملا نے اس کتاب کو مسکرا کر لیا تھا۔ اور اس نے کملا کو محض شریر لڑکی سمجھ کر ذہن سے نکال دیا تھا۔ اور اصل میں اس وقت وہ تھی بھی کیا ــــ وہ بہت چھوٹی تھی۔ اس وقت اس کے بارے میں اس قسم کی باتیں سوچنا بھی احمقانہ فعل تھا۔ لیکن نہ جانے کملا کی فطرت کیا تھی کہ اس نے سب لڑکیوں سے نہ جانے کیا کیا کہنا شروع کر دیا تھا۔

اب جگدیش پر بہت سی چیزیں واضح ہو رہی تھیں۔ مثلاً لڑکیوں کا اس کی طرف دیکھ کر مسکرانا۔ شاید کملا نے سب کو اپنے عشق کا افسانہ سنا دیا تھا اس وجہ سے وہ یکایک ایک پُراسرار شخصیت کا مالک بن گیا تھا۔ لڑکیاں عجیب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھیں، جیسے ہر لڑکی کے دل میں اُمنگ اُٹھ رہی تھی کہ ان کو بھی جگدیش جیسا کوئی لڑکا مل جائے۔

جیسے جیسے وقت گذرتا گیا کملا کی حرکتیں ایک واضح صورت اختیار کرتی گئیں۔ ہو سکتا تھا کہ کملا کی جگدیش میں دلچسپی، پہلے بچپن کی ایک معصوم سی حرکت ہو۔ لیکن اب تو یقیناً وہ شعوری کوشش تھی۔ پہلے والی کملا اور اب کی کملا میں بہت بڑا فرق تھا۔ پہلے اس کا قد بہت چھوٹا تھا۔ لیکن اب وہ اپنے باپ کی طرح اونچی اور لمبی ہوتی جا رہی تھی۔ جسم بھر رہا تھا۔ باہوں پر گوشت چڑھ آیا تھا۔ چال میں ایک ٹھہراؤ اور سکون سا آ گیا تھا۔ لیکن نگاہوں میں ابھی تک شوخی اور

بیباکی تھی۔ اب وہ بار بار جگدیش کے خیالوں میں آتی تھی اور اس کے ذہن کے پردوں پر موہوم سی تصویر بنا رہی تھی۔ جیسے وہ جگدیش سے کہہ رہی ہو "مجھے تم سے پیار تھا اور ہے۔ میں تمھیں بچپن سے پیار کرتی ہوں۔ نہ جانے تم مجھے کیوں پسند ہو۔ اور کیوں میں نے سب باتیں سہیلیوں سے کہہ دی ہیں، تمھاری بہن سے کہہ دی ہیں، اپنے باپ سے کہہ دی ہیں، اپنی ماں سے کہہ دی ہیں۔ لیکن کسی نے میری چاہت کا مذاق نہیں اڑایا ہے"۔

جگدیش کو ایک ایسی خوشی محسوس ہو رہی تھی جو اُسے آج سے پہلے کبھی محسوس نہ ہوئی تھی۔ کاش! اس کے پاس قد آدم آئینہ ہوتا جس میں وہ اپنے ڈیل ڈول کو، اپنے چوڑے سینے کو دیکھ سکتا۔ اپنے پورے جسم کے تناسب اور اس کی پھبن سے محظوظ ہو سکتا۔ اس سے پہلے بھی وہ اپنے آپ کو آئینہ میں دیکھتا تھا اور اپنے مضبوط بازوؤں کی مچھلیوں کو پھُلایا کرتا تھا اور اپنے جسم کی بناوٹ سے من ہی من میں خوش ہوا کرتا تھا۔ لیکن آج اس پر ظاہر ہو رہا تھا کہ کوئی اور بھی ہے جو اس مردانہ حُسن سے مرعوب ہو رہا ہے اور اس انکشاف سے اُسے ایک روحانی مسرّت حاصل ہو رہی تھی۔ اُس نے پھر سر سے لیکر پاؤں تک اپنے آپ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک فاتحانہ جذبہ ابھرتا دکھائی دیا۔

اس نے شیشے کو الماری میں رکھا اور کمرے سے باہر نکلا ہی تھا کہ دروازے سے اس کی ماں داخل ہوئی۔ ماں کی آنکھوں پر عینک لگی ہوئی تھی اور وہ آہستہ آہستہ ایسے چل رہی تھی جیسے دن بھر کے کام سے تھک کر چور چور ہو گئی ہو۔ اس نے اپنی آنکھوں سے عینک اتاری اور جگدیش کو رکھنے کے لئے دی۔ اس لمحہ جگدیش نے پھر اپنی ماں کو دیکھا۔ متواتر کام کرنے سے وہ کتنی دبلی ہو گئی تھی۔ بھاؤ کے مرنے کے بعد سے لیکر آج تک وہ گھر کا اور باہر کا کام کئے جا رہی تھی۔ اور

اپنے کمزور کاندھوں پر ساری ذمہ داری اٹھائے ہوئے چل رہی تھی۔ لیکن زبان پر شکایت کا حرف نہ لاتی تھی۔ اس کی طبیعت میں اب بھی وہی نرمی اور اپنے بچوں کے لئے وہی پیار اور وہی اُنس تھا۔

اس کی چال میں ایک ڈھیلا پن اور تھکن کا احساس آگیا تھا لیکن نگاہوں میں وہی چستی تھی۔ ماں کی یہ حالت دیکھتے ہی اس کا دل پھر بیقرار ہو اٹھا۔ "کب امتحان ہوگا کب نتیجہ نکلے گا اور کب وہ ماں کے لئے ایک نوکر لائے گا اور اپنے تمام فرائض سے سبکدوش ہو سکے گا"

"کیا سوچ رہے ہو بیٹا؟"

"کچھ نہیں ماں"

"صبح سے تم پڑھ رہے ہو اب آرام کرو۔ میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں"

اور ماں چائے بنانے کے لئے چلی گئی۔ رسوئی گھر میں پہنچ کر اس نے لکڑیاں چولھے میں رکھیں اور ان پر مٹی کا تیل چھڑک کر دیا سلائی سے آگ لگائی اور چائے کے لئے پانی رکھ دیا۔ آگ جل رہی تھی چائے کا پانی ابل رہا تھا۔ اور اس کی ماں منڈھیا پر بیٹھی ہوئی آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی جو اُس کے بچے کی آنکھوں کی طرح نیلا اور صاف شفاف تھا۔ اس کے چہرے سے تھکن کا احساس دھیرے دھیرے کافور ہونے لگا۔ باہر پہاڑ کی چوٹیوں کے گرد بادل محوِ خرام تھے اور چیڑ کے درختوں میں ہوا سنسناتی ہوئی گزر رہی تھی اور دالان میں پنج تارے کے پھول مسکرا مسکرا کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

۵

امتحان کے دن آئے اور گذر گئے۔ اب جگدیش کو صرف نتیجے کا انتظار تھا۔ چند دنوں میں اس کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ اگر وہ پاس ہوگیا تو اس کے بہت سے خواب پورے ہوجائیں گے۔ اور اس کی روح کو قرار آجائے گا لیکن اس عرصے میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ اس نے کملا کو دیکھا اور کملا نے اسے دیکھا۔ لیکن اس سے آگے وہ نہ بڑھ سکے۔ وہ یقیناً آگے بڑھ جاتے لیکن حالات اس کی اجازت ہی نہ دیتے تھے۔

ہاں، کملا کے والد اب جب بھی ملتے بڑے تپاک سے ملتے، جیسے وہ ابھی سے اُسے اپنا داماد سمجھنے لگے ہوں۔ اسی طرح کملا کی ماں جب بھی ملتی اُس کے، اس کی ماں اور اس کے گھر کے بارے میں باتیں پوچھتی۔ وہ پوچھتی کہ اُس کی ماں کیسی ہے؟ اس کے پرچے کیسے ہوئے ہیں؟ اس کا نتیجہ کب نکلے گا؟ اکثر کملا بھی اپنی ماں کے ساتھ ہوتی، لیکن وہ منہ پھیر کر کھڑی ہوجاتی اور صرف کبھی کبھی ماں سے نظریں بچا کر اس کی طرف دیکھتی اور دیکھ کے، مسکرا کے اور شرما کے منہ پھیر لیتی۔ ملاقاتیں اس سے آگے نہ بڑھ سکیں کیونکہ وہ بہت کم ملتے تھے اور گلی میں ملتے تھے۔ اور جب کبھی وہ کچھ کہنا چاہتے تھے کوئی آدمی گلی میں آنکلتا تھا اور وہ جھٹک کر جلدی جلدی مختلف سمتوں میں چلے جاتے تھے۔ حالانکہ اس شہر میں ایک دو باغ بھی تھے اور پانی کے چشمے بھی تھے اور رات کو سنسان پڑی رہنے والی گلیاں بھی تھیں، لیکن ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں مرد اور عورتیں شادی سے پہلے ایک دوسرے سے چھپ کر مل سکیں۔

اس شہر کے دن اور خاص کر گرمیوں کی راتیں، بے حد حسین ہوتی تھیں۔

جاڑوں کی اُن راتوں کا تو کہنا ہی کیا جب ساری رات برف پڑتی رہتی تھی۔ ان راتوں میں جگدیش اپنے بند کمرے میں رضائی میں لپٹا پڑا رہتا۔ رضائی کی گرمی اس وقت کتنی فرحت بخش محسوس ہوتی۔ اگر سردی اور بڑھ جاتی تھی تو چارپائی کے نیچے انگیٹھی رکھ دی جاتی تھی تاکہ جسم میں زیادہ حرارت پہنچ سکے۔ برف آہستہ آہستہ گرتی رہتی اور رات میں کچھ پتہ نہ چلتا کہ کب برف گری اور کب بند ہوئی۔ لیکن جب صبح ہوتی تو سارا آسمان بادلوں سے گھرا ہوا ہوتا اور جہاں جہاں تک نگاہ جاتی سارا شہر برف سے ڈھکا ہوا نظر آتا۔ پہاڑ برف کے تودوں کی طرح نظر آتے اور درختوں، چھتوں اور گلی کوچوں میں برف ہی برف نظر آتی۔ پرندے درختوں پر اپنے پر سکوڑ کر بیٹھتے رہتے، لیکن انسان پھر بھی کام کرنے نکل پڑتے۔ شہر کی دوکانیں کھلتیں۔ لوگ چائے پیتے۔ ناک سے گرم گرم سانس نکلتا اور دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہو جاتا۔ سردی اتنی ہوتی کہ حرارت پیدا کرنے کے لئے ہاتھوں کو ایک دوسرے سے ملنا پڑتا۔

بوڑھے گھروں سے بہت کم باہر نکلتے، لیکن بچے برف کے گولے بنا کر کھیلتے اور ہولی کے دنوں میں اگر کبھی برف باری ہو جاتی تو بڑا مزا آتا۔ ایک دوسرے پر برف کے گولوں کی بارش کی جاتی۔ ہولی سے پہلے نوجوان بازاروں اور میدانوں میں نکل آتے۔ ٹولیاں بنا کر اور برف کے گولے پھینک کر قوت آزمائی کرتے۔ وہ دن بھر برف میں کھیلتے رہتے۔ لیکن نہ کسی کو نمونیا ہوتا نہ کسی کو زکام۔ برف ایک صحت بخش غذا بن جاتی۔ لوگ برف کھاتے۔ صاف شفاف برف جو تازہ ہونے پر ریشم سے زیادہ نرم اور پرانی پڑنے پر پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتی۔

ان برفیلی راتوں میں محبوب کی یاد عجب لذت بخش ہوتی ہے۔ اس کی یاد آتے ہی دل میں چراغ سے جل اٹھتے ہیں اور خون کی گردشیں جسم میں گرمی

کی روئیں ڈرانے لگتی ہیں۔ ایسی راتوں میں جگدیش سوچتا رہتا کہ اس وقت کملا کہاں ہوگی؟ کیا کر رہی ہوگی؟ کیا وہ جاگ رہی ہوگی یا اپنے چھوٹے بھائی کو سینے سے لگائے ہوئے سو رہی ہوگی۔ یا وہ انگیٹھی میں چٹختے ہوئے انگاروں پر نظریں جمائے جگدیش کے بارے میں سوچ رہی ہوگی۔ اور جاڑوں کی یہ کالی اور سیاہ راتیں کتنی خوبصورت ہوتی ہیں۔ کتنی جوان ہوتی ہیں۔ کتنی خوابناک ہوتی ہیں۔

لیکن اب یہ ٹھنڈی راتیں، برفیلی راتیں ختم ہو رہی تھیں۔ پہاڑوں سے برف پگھل رہی تھی۔ آسمان کا رنگ گہرا نیلگوں ہوتا جا رہا تھا۔ دھوپ میں تیزی اور تمازت آ رہی تھی۔ گوجر لوگ پہاڑوں کی تلہٹیوں سے نکل کر اوپر پہاڑوں کی طرف جا رہے تھے۔ دریاؤں کے جسم پانی کی فراوانی سے فربہ ہو رہے تھے۔ پانی شور مچاتا ہوا اور ٹکراتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ مرغابیوں کے غول کے غول آسمان میں پرواز کرتے ہوئے دکھائی دینے لگے تھے۔

گرمی کی رُت آ رہی تھی اور جگدیش کے امتحان کا نتیجہ جلدی نکلنے والا تھا۔

۶

مشرق سے آنے والی ہواؤں میں اب کچھ گرمی سی آ گئی تھی۔ آسمان پر بہت کم بادل تھے اور دور کے جنگل ایک خوشگوار منظر پیش کر رہے تھے۔ اب تو مئی کا مہینہ تھا۔ پہاڑوں پر سے برف خوب زوروں سے پگھل رہی تھی۔ دوپہر کے وقت ہوا میں گرمی اور تپش پیدا ہو جاتی تھی۔ لیکن صبح کے وقت آپ سورج کی کرنوں میں نہا سکتے تھے۔ کھیتوں میں ہریالی ہی ہریالی نظر آتی۔ اور درخت پھولوں سے لدے ہوئے ہوتے۔ ہاڑی اور خوبانیاں گو ابھی تک کچی تھیں، لیکن ان کچے

پھلوں کو نمک کے ساتھ کھانے میں کتنا مزا آتا تھا۔ ہوا میں ایک نرمی تھی۔ موسم میں ایک سہانا پن تھا۔ گاؤں سے لوگ زیادہ تعداد میں آنے لگے تھے۔ سر پر ٹوکریاں اٹھائے ہوئے کوئی مرغیاں بیچنے آتا کوئی انڈے کوئی تازہ مکھن۔ کوئی دودھ، کوئی بھیڑ اور بکریاں لاتا اور کوئی اونی کمبل۔ اِس طرح یہ شہر کی زندگی میں رونق، چہل پہل اور گہما گہمی کا زمانہ تھا اور ہر چیز جوان تر و تازہ اور نکھری اور رنگین نظر آتی تھی۔

اس زمانے میں کملا کے والد بہت مصروف رہتے تھے۔ ان کے لئے یہ مہینے کمائی کے ہوتے تھے۔ وہ آڑھتی تھے۔ اور ان کے یہاں باہر سے چیزیں آکر بکتی تھیں، جس پر انھیں کمیشن ملتا تھا۔ کملا کے والد چنّی لعل کی دکان بہت اچھی چلتی تھی۔ ان کا بڑا رسوخ تھا اور بڑی عزّت تھی۔ بات یہ تھی کہ وہ ملنسار تھے اور دولت کے ساتھ ان کے اندر غرور نہ آیا تھا۔ وہ چھوٹے بڑے سب سے باتیں کرتے۔ ان کی خوشی اور غم میں برابر شریک ہوتے۔ آڑے وقت میں ان کی مدد کرتے۔ بیماری میں مزاج پرسی کرنے جاتے۔ شادی بیاہ ہوتا تو کام کاج میں ہاتھ بٹانے کے لئے فوراً پہنچ جاتے۔ "ارے بھئی ہمارے لائق کام ہو تو بتاؤ۔"

چنّی لعل کی اس دردمند اور نرم طبیعت کی ہی وجہ سے کملا کو جرأت ہوئی کہ اُس نے جگدیش سے شادی کرنے کی اپنی خواہش ظاہر کر دی۔ چنّی لعل نے ایک اچھے باپ کی طرح اپنی بچّی کی خوشی کا احترام کیا۔ اور اس رشتے کی مخالفت نہ کی۔ اب گھر میں سب جگدیش اور اس کی ماں کی تعریفیں کرتے۔ کملا کی ماں تو جگدیش کی ماں کی تعریف کرتے نہ تھکتی۔ "بڑی بھلی اور نیک عورت ہے بیچاری۔ سارے گھر کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو

گھر تباہ ہو جاتا۔ یہ اُسی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج جگدیش بی، اے کے امتحان میں بیٹھا ہے۔ بیچاری مشین چلاتی ہے اسکول میں پڑھانے جاتی ہے لڑکی کو پڑھاتی ہے۔ لیکن ہونٹوں پر شکایت کا ایک شبد نہیں لاتی ۔"

اس پر چمنی لعل جگدیش کی تعریف کرتے۔ "اور لڑکا کیا برا ہے؟ میں نے کبھی اُسے سگرٹ پیتے نہیں دیکھا۔ لڑکیوں کو گھورتے نہیں دیکھا۔ کسی سے لڑتے نہیں دیکھا۔ آج تک کوئی شکایت نہیں سُنی۔ اسے تو بس پڑھنے لکھنے سے کام ہے۔ اس کے اور ساتھیوں کو دیکھو۔ سب اس سے پیچھے رہ گئے۔ برج دسویں پاس کر کے رہ گیا۔ رام آٹھویں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ کریم بھی ایف، اے میں دو بار فیل ہوا۔ ارجن نے لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا اور دکان پر بیٹھ گیا۔ مجھے اس لڑکے کی عادتیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ ایسا لڑکا بڑے بھاگوں ملتا ہے۔ وہ امتحان پاس کرے تو کملا کی اور اس کی شادی کر دوں۔ میں زیادہ دیر لگانا نہیں چاہتا۔ دس دوست، دس دشمن ہیں۔ اُن کو باتیں اڑاتے دیر نہیں لگتی۔ اس سے پہلے کہ قصبے میں بات پھیلے، میں شادی کر دینا چاہتا ہوں۔ تم جگدیش کے گھر جاتی رہا کرو۔ جس سے ہمارا رشتہ منظور ہو جائے۔ ایسا لڑکا بڑی مشکل سے ملتا ہے۔"

اس پر کملا کی ماں کا مادرانہ غرور جاگ اُٹھتا۔ "اجی ہماری لڑکی کیا کم ہے۔ اس سے خوبصورت لڑکی جگدیش کو کہاں ملے گی؟ اور کیا ہمارا خاندان کم ہے؟ کیا ہماری عزت نہیں؟ کیا ہمارا مکان نہیں، زمین نہیں؟ جگدیش سے تو زیادہ ہی امیر ہیں۔ اور پھر کملا کو جہیز دیں گے، یونہی تھوڑا بیاہ دیں گے۔ ہاں ذرا اس سنار کو بھیجنا۔ میں کملا کے کنگن تو بنوا لوں۔ کپڑے تو کافی ہیں۔"

"کافی تو ہیں، پر پرانے نمونے کے ہیں اور تمھاری لڑکی نئے فیشن کی ہے۔

یہ سلمہ ستارے کے کپڑے نہیں چلیں گے۔ آجکل لڑکیاں نئے نئے فیشن کے کپڑے پہنتی ہیں۔ بھاری قسم کے کپڑوں کا رواج چلا گیا۔ آجکل بلاؤز اور ساڑی کا رواج زیادہ ہے۔"

اور اسی طرح میاں بیوی دونوں باتیں کرتے۔ کملا یہ باتیں سُنتی اور خوش ہوتی۔ یہ عجیب سی بات تھی کہ یہاں شادی بھی تھی اور محبت بھی۔ اکثر اوقات شادیاں ہوتی ہیں محبت نہیں ہوتی۔ یا محبت ہوتی ہے لیکن شادی نہیں ہوتی۔ اس معاملہ میں کملا یقیناً خوش نصیب تھی اور اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

کملا اور جگدیش کے مکان پاس پاس تھے۔ وہ بآسانی مل سکتے تھے اور ان کے دل میں ملنے کی خواہش موجزن تھی۔ لیکن وہ ایسی حرکت کرنے کو تیار نہ تھے جس سے شہر میں ہلڑ مچ جائے۔ اور پھر ہنگامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جگدیش کو کملا پسند تھی، اور کملا کو جگدیش' اور دونوں کے گھر والوں کو رشتہ۔ گھر والوں ہی کو کیا یار دوستوں رشتہ داروں کو بھی یہ رشتہ پسند تھا۔ جو بھی سُنتا وہی رشتے کو پسند کرتا۔

۷

آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوگئیں۔ اور وہ دن آگیا۔

جگدیش جلدی جلدی بستر سے اُٹھا اور سیر کرنے کے لئے باہر نکل گیا۔ آج اس کا نتیجہ نکلنے والا تھا۔ راستہ میں ہلکا ہلکا سا اندھیرا تھا۔ سورج کے پہاڑوں کی گود سے چمک کر باہر آنے میں ابھی دیر تھی۔ گلیوں سے گذر کر وہ ایک کھلے میدان میں آگیا۔ سامنے گھنٹہ گھر تھا۔ سپاہی پریڈ کر رہے تھے۔ لیفٹ رائٹ

لیفٹ رائٹ۔ وہ کھلے میدان سے نیچے اتر گیا۔ ایک سیدھا راستہ نیچے کی جانب جا رہا تھا۔ اس راستے کے دونوں جانب باغ تھے۔ سڑک کے دونوں طرف ناشپاتی کے درختوں کی قطاریں تھیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی فرحت بخش ہوا چل رہی تھی۔ جگدیش نے اپنی قمیض کے بٹن کھول دئے۔ آگے جا کر اسے کچھ آدمی نظر آئے۔ اکثر صبح کے وقت لوگ گھروں سے نکل کر دریا کے کنارے جاتے تھے۔ درختوں سے ہری ٹہنیاں توڑ کر داتن کرتے تھے اور پھر کھلے کھیتوں میں رفع حاجت کے لئے بیٹھ جاتے تھے۔ جگدیش راستے سے ہٹ کر دریا کی طرف بڑھتا گیا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ دریا پر جا کر نہائے کیونکہ گرمیوں کا موسم تھا۔ اور دریا میں پگھلی ہوئی برف کا ٹھنڈا پانی آ رہا تھا۔

دریا بہت دُور نہ تھا۔ کشادہ راستہ چھوٹا ہوتا گیا۔ آگے چل کر دو راستے ایک دوسرے کو کاٹتے تھے۔ ایک راستہ ڈونگلس کی طرف جاتا تھا۔ وہ دائیں طرف والے راستے پر ہو لیا۔ اِدھر سے دریا بہت قریب تھا۔ ایک طرف چاولوں کے کھیت تھے۔ ہرے بھرے کھیت، جن کی خوشبو سے ناک کے نتھنے پھول جاتے تھے۔ سامنے دریا پتھروں سے ٹکراتا ہوا بہہ رہا تھا۔ جہاں چاولوں کے کھیت ختم ہوتے تھے وہاں ایک پن چکی تھی۔ دریا سے پانی لا کر اس پن چکی کو چلایا جاتا تھا۔ کنارا ذرا اونچا تھا۔ نیچے کا راستہ دشوار تھا۔ لیکن وہ اس طرح کے دشوار راستوں پر چلنے کا عادی تھا۔ وہ چھلانگیں لگاتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ اب راستہ میں ایک نالہ آ گیا۔ لیکن نالے کو عبور کرنے کے لئے پتھر موجود تھے۔ وہ پتھروں پر پاؤں رکھتا ہوا نالے کو پار کر گیا اور اس کا پاؤں تک نہ بھیگا۔ اب وہ دریا کے پاٹ میں تھا۔ یہ عجیب قسم کا دریا تھا جو ہر برسات میں اپنا راستہ بدل لیتا تھا۔ دریا کے ایک طرف پہاڑ کھڑے تھے۔

دوسری طرف دھان کے کھیت۔ اکثر جب دریا میں طغیانی آتی تھی تو دریا کا پانی ان کھیتوں
میں سے ہو کر بہنے لگتا تھا اور دھان کے کھیت برباد ہو جاتے تھے۔ لیکن کسان
دوسرے سال پھر اُسی جگہ نئے کھیت تیار کر لیتے تھے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ
اس بار دریا اِدھر نہ آئے گا۔ دریا کے ساتھ ساتھ حدِ نگاہ تک دھان کے
کھیت نظر آتے تھے۔ سامنے چنار کا درخت تھا، اور چنار کے درخت کے
نیچے ایک اکھاڑا تھا۔ یہاں شہر کے لڑکے کشتی کیا کرتے تھے، ڈنڈ پیلا کرتے
تھے، تیل کی مالش کیا کرتے تھے۔ یہ درخت کئی بار دریا کی لپیٹ میں آیا تھا۔
لیکن اب بھی وہیں کا وہیں کھڑا تھا۔ اب بڑے بڑے پتھر اس کے سامنے تھے
ایک پتھر پر وہ کھڑا ہو گیا۔ دریا پتھروں سے ٹکراتا ہوا ایک شرابی کی طرح
لڑکھڑا رہا تھا۔ وہ ایک بڑے پتھر کی طرف گیا۔ اس کی اوٹ میں اس
نے اپنی قمیض اتاری اور پانی میں اتر گیا۔ پانی برف کی طرح ٹھنڈا تھا اور اس کے
برفانی لمس سے جسم کا رواں رواں بیدار ہو گیا۔ وہ دریا میں بڑھتا گیا۔ پہلے پانی گھٹنوں
تک تھا، پھر کمر تک آیا اور آخر میں چھاتی تک آ گیا۔ اس نے ڈبکی لگائی اور پانی
میں زور زور سے ہاتھ پیر مارنے لگا۔ جب اس کا جسم پانی کی خنکی سے سُن ہونے لگا تو وہ
کانپتا ہوا پانی سے نکلا اور ایک پتھر پر اوندھا لیٹ گیا۔ اب اوپر سے سورج کی
کرنیں حدت بخش رہی تھیں اور نیچے سے پتھر کی گرمی ایک Heater کی طرح اس
کے جسم کو سینک رہی تھی۔ اس طرح جب اس کے جسم کی کپکپاہٹ دور ہوئی تو
وہ پھر پانی میں کود پڑا اور بہت دیر تک نہاتا رہا۔ وہ نہاتا رہا اور اس کے دماغ
میں مستقبل کے تازہ اور خوشگوار تصورات جنم لیتے رہے۔ اسے محسوس ہوا جیسے ان پانیوں
میں اس کی زندگی کی کشتی ایک نئے ساحل، ایک نئے جزیرے کی طرح رواں ہے جہاں
پہنچ کر اس کی تمنائیں رنگ لائیں گی اور اس کے خواب حقیقت میں بدل جائیں گے

دریا سے لوٹ کر وہ سیدھا کالج کے ہال میں پہنچ گیا۔ وہاں لڑکے پہلے سے جمع تھے۔ وہ سب کے سب بڑی بیتابی سے اُن بورڈوں کے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے جن پر نتیجے کی فہرستیں لگی ہوں گی۔ اس تصور سے ہر لڑکے کا دل دھک دھک کر رہا تھا کہ کسی بھی لمحہ بورڈ باہر لگا دئے جائیں گے اور ان پر اُن کی قسمت لکھی ہوگی۔ یکایک ایک طرف شور بلند ہوا کہ بورڈ لگ گئے۔ سب لڑکے دوسرے کمرے کی طرف دوڑے۔ کمرہ کھول دیا گیا اور سامنے بورڈ لگے ہوئے تھے۔

"آپ اپنے رول نمبر پڑھ لیجئے گا"

تمام لڑکوں کے دل بُری طرح دھڑک اُٹھے۔ جگدیش نے اپنے کلیجے پر ہاتھ رکھا اور اپنا رول نمبر تلاش کرنے لگا۔ ۶۷۸ کہاں گیا؟... یہاں تو نہیں.... اِس بورڈ پر تو نہیں.... دوسرے بورڈ پر دیکھو!.... وہ تیزی سے دوسرے بورڈ کی طرف لپکا...... ۶۷۸.... ابھی ابھی ۶۷۰ نظر آیا تھا.... اس کے بعد ہی ہوگا.... ہاں ۶۷۱ نظر آیا۔ اسی لائن کے ساتھ چلو!... اس کے آگے.... اور ذرا آگے۔ ہاں ۶۷۶۔ ارے .... جگدیش کا دل ڈوب گیا۔ ۶۷۷ غائب تھا۔ "اب کیا ہوگا؟ لیکن تمہارا نمبر تو ۶۷۸ ہے!" وہ جیسے دریا میں غوطہ کھا کے اُبھرا.... اس نے اپنی آنکھوں کو زور سے ملا۔ اور پھر آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ اُسے ۶۷۸ نظر آگیا۔ جگدیش تم پاس ہوگئے۔ ارے ہاں تم واقعی پاس ہوگئے۔ تم نے بی،اے پاس کر لیا۔ اب تمہاری ساری خواہشیں پوری ہوجائیں گی۔ اب تم اپنی ماں کو آرام دے سکو گے۔ اب اُسے اسکول جانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اب تمہاری بہن کی پڑھائی

کا پورا انتظام ہو سکے گا۔ اب تم کملا سے بھی کہہ سکو گے کہ میں شادی کے لئے تیار ہوں۔ اب تم کو نوکری بھی مل جائے گی اور زندگی آرام سے کٹے گی۔" یکایک اس کے خیالوں کی لڑی ٹوٹ گئی۔ وہ کسی کے بازو میں تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ اشرف۔ اشرف اس کا دوست جو امتحان دینے کے بعد اپنے گھر چلا گیا تھا۔

"مبارک ہو دوست تمہیں۔"

"اور تمہیں بھی اشرف"

"بھئی اللہ کا شکر ہے کہ بی۔اے پاس کرلیا۔ اب نوکری کا ملنا یا نہ ملنا بھی اسی کے ہاتھ ہے۔" یہ کہہ کر اشرف نے جگدیش کو پھر گلے لگایا اور پھر دونوں آگے بڑھے۔ اب وہ پاس ہونے والے لڑکوں سے ہاتھ ملا رہے تھے۔ جگدیش نے دوستوں سے رخصت لی اور سیدھا گھر پہنچا۔ چولھے کے قریب اس کی ماں بیٹھی ہوئی تھی۔ جگدیش دروازے میں داخل ہوتے ہی چلّایا۔

"ماں میں پاس ہو گیا۔"

"کیا؟۔۔۔ تو پاس ہو گیا۔" ماں کی آنکھوں میں، اس کے بوڑھے رخساروں پر خوشی ایک نور کی طرح دمک اٹھی۔ وہ چولھے سے اٹھی اور اس نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ فرطِ محبت سے اس کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔ اس نے جوش میں آ کر اپنے بچّے کے ماتھے کو چوم لیا۔ لیکن دوسرے لمحے اس کی خوشی میں غم کی جھلک آ گئی۔ "آج اگر تیرے پتا جی زندہ ہوتے تو۔۔۔۔۔۔" اور آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔

"ماں جو ہونا تھا ہو چکا۔۔۔ لیکن میں تو تمھارے پاس ہوں" اور موضوع بدلنے کے لئے اس نے فوراً پوچھا —— "منّی کہاں گئی ہے؟"

"یہیں کہیں ہو گی۔ ہاں ابھی سہیلیوں کے ساتھ اوپر گئی ہے۔ ارے

"منی ۔ او منّی ۔ تمھارا بھیّا پاس ہو گیا۔"
"آئی ماں جی" منّی اوپر سے بولی۔
اور دوڑتی ہوئی دھڑا دھڑ سیڑھیاں اترتی ہوئی منّی آئی اور اپنے بھیّا سے لپٹ گئی۔
"بھیّا آج ہمیں کچھ کھلاؤ۔"
"بول کیا کھلاؤں؟"
"جو تمھاری مرضی۔"
اتنے میں چنّی لعل ایک بڑا سا تھال لیکر گھر میں داخل ہوئے۔ تھال کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ جب تھال چنّی لعل نے جگدیش کی ماں کے آگے رکھا تو جگدیش کی ماں کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے۔
"آپ نے کیوں تکلیف کی؟"
"یہ تکلیف نہیں، خوشی کی مٹھائی ہے۔"
چنّی لعل نے اپنے ہونے والے داماد کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ یکایک منّی نے پوچھا۔
"کملا کہاں ہے؟"
"گھر میں ہے۔"
"وہ کیوں نہیں آئی؟" منّی نے پوچھا
"وہ شرماتی ہے" چنّی لعل نے ہنس کر بڑی خوشی کے ساتھ جواب دیا۔
اتنے میں منّی کی تمام سہیلیاں اوپر سے آ گئیں۔ اور آنگن میں دھوم مچ گئی۔ خوشی کی اس گہما گہمی کو جگدیش کی ماں اور چنّی لعل ایک جیسے پیار، ایک جیسے فخر کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ اور محسوس کر رہے تھے جیسے ان دونوں کی خوشی

ایک ہے، مسرت ایک ہے۔ اور امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز ایک ہے۔
——— جگدیش!

۸

وہ رات بڑی خوبصورت تھی۔ اس لئے نہیں کہ جگدیش کے پاس ہو جانے کی خوشی میں لڑکیاں ڈھولک پر گیت گا رہی تھیں، بلکہ اس لئے بھی کہ کملا کی جگدیش سے شادی ہو جائے گی۔ جگدیش کی ماں کا چنی لعل کی مٹھائی قبول کر لینا۔ جگدیش کا خاموش رہنا۔ جگدیش کی ماں کا کملا کو رت جگے کے لئے بلانا۔ یہ سب باتیں صاف طور پر ظاہر کر رہی تھیں کہ کملا جگدیش کے ساتھ بیاہی جائے گی۔ ڈھولک بج رہی تھی۔ لڑکیاں ہنس رہی تھیں اور گا رہی تھیں اور بیٹھک میں جگدیش کے دوست بیٹھے ہوئے گپیں ہانک رہے تھے۔ جن لڑکوں کی معشوقائیں جگدیش کے گھر رت جگے میں آئی ہوئی تھیں وہ اُن کی ایک جھلک دیکھنے کو بیقرار ہو رہے تھے اور جن کی معشوقائیں ہی نہ تھیں، وہ دوسروں کی معشوقائیں دیکھنے کے لئے تڑپ رہے تھے۔ آنگن اور بیٹھک کا دروازہ بند تھا۔ صرف لڑکیوں کی میٹھی میٹھی آوازیں آتی تھیں۔ ہلکی ہلکی پتلی پتلی آوازیں اور پھر ڈھولک کی ٹک، ٹک، ٹک۔

بیٹھک کا ایک دروازہ اور ایک کھڑکی گلی میں کھلتی تھی۔ اس دروازے اور کھڑکی میں سے جگدیش کے دوست گلی میں آنے والی لڑکیوں کو دیکھ سکتے تھے۔
"ابھی تک تارا نہیں آئی ہو" ہے چند نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "بھیا جگدیش اگر تارا نہیں آئی تو ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ ہم صرف تارا کو دیکھنے

کے لئے آئے ہیں۔"

"میاں صبر کرو۔ اگر تارا کو گھر والوں نے اجازت دیدی تو وہ ضرور آئے گی اور اگر انھیں اپنی لڑکی پر وشواش نہ ہوا تو صاف ظاہر ہے کہ آپ لڑکی کو نہ دیکھ سکیں گے۔" جگدیش نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اور لاجونتی؟" ایشر سنگھ نے سر ہلا کر کہا۔ "جیسے اگر وہ نہ آئی تو پاگل ہو جائے گی اور میں زہر کھا کر مر جاؤں گا۔"

"بھیا آج زہر نہ کھانا۔ کل کوشش کرنا۔" گوری دت نے چہک کر کہا۔

یکایک کسی کے قدموں کی آہٹ گلی میں سنائی دی۔ سب کے کان اس آہٹ کی طرف لگ گئے۔

"یہ کس کے سلیپروں کی آواز ہے؟ صاف ظاہر ہے کوئی لڑکی آرہی ہے۔

"چمپا"

"لاجونتی"

"تارا"

"رکمنی"

آواز قریب آتی گئی۔ لڑکوں نے اپنا اپنا سانس روک لیا۔ سلیپر اور قریب آگئے۔ اب کھڑکی کے قریب آواز آرہی تھی۔ سب لڑکوں کی نگاہیں کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھیں۔ ایک دوپٹہ نظر آیا۔ ایک شلوار نظر آئی۔۔۔۔ کسی نے آن واحد میں اپنا چہرہ ڈھانپ لیا، گھونگھٹ نکال لیا۔

"ارے یہ تو نئی دلہن ہے۔" پرکاش نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ابے آہستہ سے ہنس اگر کسی نے سن لیا تو وہ جوتے پڑیں گے کہ ساری عمر یاد کرو گے۔"

"یار جگدیش۔ کیا ہم لوگ اس طرف نہیں جا سکتے؟"
"کس طرف؟"
"جہاں لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں اور گا رہی ہیں"۔
"بالکل نہیں جا سکتے"
"کوئی بہانہ بنا کر بھی نہیں جا سکتے؟"
"کون سا بہانہ؟"
"یعنی میں جگدیش کی ماں کو مبارکباد دینے کے لئے اندر جاؤں اور ایک نظر بھر کر لڑکیوں کو دیکھ آؤں"۔
"اس صورت میں صرف ایک شخص ہی اندر جا سکتا ہے"۔
"لیکن باری باری ہم سب جا کر جگدیش کی ماں کو مبارکباد دے سکتے ہیں اور اس طرح لڑکیوں کو بھی ایک نظر بھر کر دیکھ سکتے ہیں"۔
"کیا بات کہی ہے تم نے رام لال۔ جی چاہتا ہے کہ تمھارا منہ چوم لوں"۔ گوری دت نے اچھل کر کہا۔
"تو پہلے میں جاؤں؟"
"تم سب اُلو کے پٹھے ہو۔ میں کہتا ہوں شور نہ مچاؤ۔ اب چپ چاپ ایک ایک کر کے جانا شروع کرو"۔
"پہلے کون جائے؟" الیشر سنگھ نے پگڑی سنبھالتے ہوئے کہا۔
"پہلے میں جاتا ہوں"۔ گوری دت نے اپنی ٹوپی ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔
"اپنی صورت تو دیکھ مردود۔ لڑکیاں تمھیں دیکھ کر کہیں بھاگ نہ جائیں۔ پہلے کوئی ایسا نمائندہ بھیجو جس کو دیکھ کر لڑکیاں اچھل پڑیں"۔
"تو میں جاتا ہوں"۔ یہ کہہ کر پریم نے اپنی چھاتی کو اور پھلا لیا۔ اور سینہ

تان کر سب کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

سب نے پریم کی طرف دیکھا۔ آج اس نے ایک نیا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ گلے میں ایک سُرخ نکٹائی چمک رہی تھی اور بوٹ اچھی طرح پالش کئے ہوئے تھے سر کے بال نہایت خوبصورتی سے بنائے ہوئے تھے۔ جب سب کی نظریں اس پر پڑیں تو وہ اپنی ٹائی کی گرہ ٹھیک کرنے لگا۔

"اچھا تو میں جاتا ہوں۔"

سب کی نگاہیں پریم پر جم گئیں۔ ایک نے چپکے سے فقرہ کسا۔ "سالا، یوسف سمجھتا ہے اپنے آپ کو۔"

لیکن وہ فقرے کی پرواہ کئے بنا کواڑ کھول کر اندر چلا گیا۔ دالان پار کر کے وہ وہاں جا پہنچا جہاں لڑکیاں گا رہی تھیں۔ کچھ لڑکیاں سہم سی گئیں۔ ایک دو نے اپنا پلّو سر پر لے لیا۔ باقی لڑکیوں نے اس کی طرف دیکھا۔ کسی نے پہچاننے کی کوشش کی۔ لیکن یہاں تو ہر شخص اس کے لئے اجنبی تھا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھہرا۔ جگدیش کی ماں اس کے قریب آئی۔

"بیٹا کس کو ڈھونڈ رہے ہو؟"

"ماں جی۔ میں آپ سے ملنے آیا تھا۔"

"کیا بات ہے بیٹا؟"

"میں ... میں۔ ماں جی۔ مبارکباد دینے آیا ہوں۔ جگدیش کے پاس ہونے کی۔"

"تمھیں بھی مبارک ہو بیٹا۔ لو منھ میٹھا کر لو۔" جگدیش کی ماں نے ایک پیڑا اُسے دیا۔

پریم پیڑا کھاتا ہوا لڑکیوں پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈال کر واپس آ گیا۔

سب لڑکے اس کی طرف دیکھ رہے تھے، جیسے وہ میدانِ جنگ سے واپس لوٹا ہو۔
"کیوں خیریت تو ہے ؟"
"دل اپنی جگہ پر ہے ؟"
"زیادہ دھک دھک تو نہیں کرتا ؟"
پریم خاموش رہا۔ اس کو معلوم نہ تھا کہ وہ کیوں گیا تھا اور کیوں واپس آیا۔ وہ کیا لینے گیا تھا اور کیا لے کر واپس آیا۔ وہ چپکے سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور اسی طرح کمرے کا ہر لڑکا باری باری جگدیش کی ماں کو مبارکباد دیکر لوٹ آیا۔ اور اسی بہانے ان سب نے لڑکیوں کو ایک نظر دیکھ لیا۔ جب دوسرے لڑکوں نے کنول سے کہا کہ تم بھی جا کر لڑکیوں کو دیکھ آؤ تو وہ خاموش سا ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ لاجی اس گروہ میں نہیں ہے کیونکہ لاجی کے باپ نے اس کے گھر سے نکلنے پر پابندی لگا دی تھی۔ اس حالت میں وہ کیا کرے گا لڑکیوں کو دیکھ کر۔ اس کے دل میں ابھی تک لاجی کی تصویر مرتسم تھی۔ لاجی کی ہنسی، لاجی کی آواز لاجی کی مسکراہٹ، لاجی کی باتیں، اس کی چال ڈھال، اس کے جسم کی خوشبو۔ اس طرح دور ہونے پر بھی وہ لاجی سے کبھی دُور نہ ہوا تھا۔ یہ درست تھا کہ اب وہ لاجی سے کبھی مل نہ سکے گا۔ لاجی سے کبھی شادی نہ کر سکے گا۔ شادی تو در کنار، ایک عام قسم کا میل جول، ایک عام قِسم کا رشتہ بھی قائم نہ رکھ سکیگا۔ لاجی کو گھر کی چار دیواری میں بند کر دیا گیا تھا۔ اس کا باہر نکلنا ناممکن تھا۔ ان بندشوں میں ہو سکتا ہے کہ آہستہ آہستہ اس کی محبت اس کے سینے میں دفن ہو جائے۔ لاجی اس کو بھول جائے اور وہ لاجی کو بھول جائے۔ لاجی کی شادی کہیں اور ہو جائے اور اس کی شادی کسی اور جگہ اور دونوں ایک دوسرے کو بھول جائیں۔ زخم شاید مندمل ہو جائیں۔ لیکن ہر صورت میں نشان

باقی رہیں گے۔ وہ نشان ضرور ان کی محبت کو تازہ رکھیں گے۔

کنول یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ کچھ لڑکیاں مٹھائی کا ایک تھال لیکر کمرے میں داخل ہوئیں۔ لڑکوں کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ لڑکیاں شرماتی ہوئی آگے بڑھیں جہاں لڑکے بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ لڑکے کرسیوں پر براجمان تھے۔ کچھ چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ ایک میز پر تشریف فرما تھے — لڑکیاں مسکراتی، شرماتی ہوئی لڑکوں کو دیکھنے لگیں۔ کوئی سر پر پلّو درست کرتی تھی، کوئی سینے پر دوپٹہ کھسکاتی تھی۔ کوئی نگاہ نیچی کئے مسکراتی تھی۔ کوئی کنکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔ اور لڑکے خوش تھے۔ یہ عجیب سا سماں تھا۔ آج نگاہوں میں بجلی تھی، رگوں میں خون کی گردش طوفان اٹھا رہی تھی۔ دلوں میں حدت تھی اور زندگی میں بہار آگئی تھی۔ اور باہر چنبیلی کے پھول چاندنی میں مسکرا رہے تھے۔

لڑکیوں نے سب لڑکوں کو مٹھائی دی۔ شرمائی ہوئی نگاہوں نے بیباک نگاہوں کو تاکا۔ دھڑکتے ہوئے دلوں نے دھڑکتے دلوں کو پہچانا۔ یہ کیسی دنیا ہے؟ دونوں نے سوچا۔ یہ کیسی رسمیں اور پابندیاں ہیں؟ یہ کیسی زندگی ہے۔ یہ کیسی گھٹن ہے۔ یہ کیسی تہذیب ہے۔ یہاں انسان انسان سے نہیں مل سکتا، یہاں ایک نوجوان، جوان لڑکی سے کھل کر بات نہیں کر سکتا۔ یہ کیسی بندش ہے جو انسان توڑ نہیں سکتا؟

لڑکیاں آئیں اور چلی گئیں۔ سارا کمرہ خوشبو سے معطر ہو گیا۔ ایک لمحہ کے لئے لڑکوں نے سوچا کہ دنیا کی ساری خوشیاں ان کے دلوں میں سمٹ آئی ہیں۔ اب انہیں کچھ نہیں چاہیئے۔ کچھ نہیں چاہیئے۔ یہ ہنسی۔ یہ آوازیں یہ لرزتے ہوئے ہونٹ یہ کانپتی ہوئی نگاہیں۔ یہ رنگین دوپٹے۔ یہ ہوا میں لہراتے ہوئے گیسو۔ یہ پیشانی پر بکھری ہوئی زلفیں۔ یہ شرمائی ہوئی نگاہیں، ان کی زندگی کا

سب سے بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ اس سرمائے کو پا لینے کے بعد انھیں اور کچھ نہیں چاہیئے۔ کچھ نہیں چاہیئے۔

لیکن کچھ من چلے نوجوان ایسے بھی تھے جنھوں نے کچھ اور بھی چاہا تھا۔ اور بھی مانگا تھا۔ جب لڑکیاں چلی گئیں تو گوری دت نے بتایا کہ ایک لڑکی جب اس کے قریب سے گذری تو اس سے نہ رہا گیا۔ اس نے اس کی شلوار کو چھو کر دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کی انگلیوں کے درمیان لڑکی کی ریشمی شلوار کے تار کانپے۔ نرم نرم ریشمی شلوار کے تار، اور اس کے جسم کا رواں رواں زندہ ہو گیا تھا۔ اس کے خون میں شعلے ہی شعلے بھڑک اُٹھے۔ لیکن وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ کر سکا۔ اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ وہ سب لڑکوں سے زیادہ بدصورت لڑکا تھا۔ کسی لڑکی نے اس کی طرف مسکرا کر نہ دیکھا تھا۔ اور آج وہ اپنی تشنہ آرزوؤں کو یوں تسکین پہنچا رہا تھا۔ عورت کے جسم کی بجائے اس کی شلوار کو چھو لینے ہی کو اس نے غنیمت جانا۔ کیتنی ذہنی اور جسمانی گھٹن تھی، اس کا اندازہ صرف گوری دت ہی لگا سکتا تھا۔ سب لڑکے اس حرکت پر ہنس پڑے تھے۔ لیکن ہنسنے کی کوئی بات نہ تھی۔ شاید کسی دوسرے لڑکے کو اس حرکت کا خیال بھی نہ آیا تھا۔ یہ گوری دت ہی کی اختراع تھی۔ یہ حرکت اسی کے ذہن کی پیداوار تھی۔ لیکن اس حرکت کے بعد لڑکوں نے سوچا کاش وہ بھی ایسا کر سکتے، لیکن وہ خاموش ہو گئے۔

جگدیش ایک بار لڑکیوں کے جھرمٹ میں گیا تھا اور ایک نگاہِ غلط انداز کملا پر ڈالی تھی۔ وہ کملا سے کہاں ملے؟ کس جگہ پر، کس موڑ پر، کس باغ میں؟ یہاں ہر طرف آدمی ہی آدمی تھے۔ بیٹھک میں اس کے دوست بیٹھے ہوئے تھے۔ دالان میں لڑکیاں گا رہی تھیں۔ سامنے کے کمرے میں بوڑھی

عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ کیا کملا بہانہ بنا کر باہر نہیں آسکتی؟ لیکن کہاں؟ کیا گلی میں؟ کیا چھت پر وہ جا سکتی تھی؟ ہاں چھت پر جہاں چاندنی بکھری ہوئی تھی، اور رات خاموشی سے گنگنا رہی تھی، اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، دور دریا پتھروں سے ٹکرا رہا تھا۔ لیکن اس شہر میں ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں جگدیش اور کملا آپس میں مل سکتے، اپنے دل کا حال بیان کر سکتے۔

اب لڑکیوں کے گیت مدھم پڑ گئے تھے۔ شاید وہ گا گا کر تھک گئی تھیں۔ رات کے بارہ بج چکے تھے اور لڑکیاں جگدیش کی ماں سے رخصت ہو رہی تھیں۔ گوری دت نے بیٹھک کا دروازہ کھول دیا کیونکہ لڑکیاں جا رہی تھیں۔ اور جاتی ہوئی لڑکیوں کو دیکھ کر ہی کچھ تسکین حاصل کی جا سکتی تھی۔

ایک لڑکے نے کہا:۔ "تم بڑے بھولے ہو۔"

گوری دت بالکل خاموش رہا اور لڑکیاں گھر سے نکل کر اس کے سامنے سے گذرتی گئیں۔ اور سب لڑکے دیکھتے رہے۔ اک اک کر کے سب لڑکیاں چلی گئیں۔ کوئی اپنے بھائی کے ساتھ، کوئی ماں کے ساتھ، کوئی چاچا کے ساتھ، کوئی نوکر کے ساتھ۔ لڑکیوں کے چلے جانے کے بعد لڑکوں نے بھی جانا شروع کیا۔ انھوں نے جگدیش کو آخری بار مبارکباد دی اور آہیں بھرتے اور اپنے دلوں میں حسرت کی خلش لئے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

گلیوں میں گھپ اندھیرا تھا۔ صرف چاند چیڑ کے درختوں کے پیچھے جھانک رہا تھا۔

۹

جگدیش کو مکمل امید تھی کہ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد زندگی کا ہر مسئلہ حل

ہو جائے گا۔ کاغذ پر چند لکھے ہوئے حروف اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیں گے اور کامیابی اس کے قدم چومے گی۔ لیکن چند دنوں کی دوڑ دھوپ نے اسے بتا دیا کہ زندگی میں مسرت اتنی جلدی نہیں ملا کرتی۔ شروع میں لوگوں نے اس کو ڈھارس دی، امیدیں دلائیں، ہر قسم کی مدد کرنے کے وعدے کئے۔ لیکن اس چھوٹی سی ریاست میں اول تو اتنی نوکریاں نہیں تھیں کہ ہر پاس شدہ لڑکے کو نوکری مل جاتی۔ دوسرے نوکری کے لئے اس کا نمبر آنا کافی مشکل تھا۔ ریاست کی نوکریاں سب سے پہلے والیٔ ریاست کے رشتہ داروں کو دی جاتی تھیں۔ راجہ کے بہت سے رشتہ دار ہوتے ہیں، پھر رانیوں کے رشتہ دار، پھر وزیرِ اعظم کے رشتہ دار، پھر تحصیلدار اور تھانیدار کے رشتہ دار، جج اور پٹواری اور نمبردار اور سب انسپکٹر کے رشتہ دار۔ اس کے علاوہ راجاؤں کے داشتائیں ہوتی ہیں۔ ایک نہیں بلکہ سینکڑوں اور ان کے ہزاروں لواحقین۔ ان حالات میں جگدیش کو نوکری ملنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ ایک دو بار وہ اس سنیاسی سے ملاجس کے پاس ریاست کے راجہ صاحب جایا کرتے تھے۔ سنیاسی نے سفارش کی اور راجہ مان بھی گیا لیکن عین وقت پر مہاراج کے حواریوں نے جگدیش کے خلاف ایسا زہر اُگلا کہ راجہ صاحب نے اپنے جاری کردہ آرڈر واپس لے لئے۔ وہ پھر اس سنیاسی کے پاس گیا لیکن سنیاسی نے کہا۔ "بیٹا اب اس ریاست میں تمھیں نوکری کا ملنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کوئی اور راستہ سوچو۔"

جگدیش نے بہت سوچا لیکن کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ آخر چنی لعل نے اُسے ایک راستہ سُجھایا۔ انھوں نے جگدیش کو پیش کش کی کہ وہ بخوشی ان کی آڑھت کی دوکان پر بیٹھ سکتا ہے۔ نسوار اور گھی کا بیوپار خوب زوروں پر ہے۔ صرف دوکان پر بیٹھنے کا کام ہے، اور کچھ کرنا نہیں پڑے گا۔ جگدیش نے یہ بات سنی

اور اس کا منھ اتر گیا۔ نہ جانے اسے اپنی شکست کا احساس اتنا گہرا کیوں ہوا۔ اسے چنی لعل پر صرف غصہ ہی نہیں آیا، بلکہ دل میں اس کے خلاف بغاوت اور نفرت کا احساس پیدا ہوا۔ شادی کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں ان کا گھر جمائی بن جاؤں؟ میں ایک خود دار انسان ہوں خود محنت کروں گا، کماؤں گا۔ چنی لعل نے مجھے سمجھا کیا ہے؟"

لیکن یہ محض جگدیش کی بدگمانی تھی۔

چنی لعل کے دل میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ اس نے واقعی پورے خلوص اور کھلے دل سے یہ بات کہی تھی اور یہ بات اس وقت کہی تھی جب جگدیش نوکری حاصل کرنے میں بالکل ناامید ہو چکا تھا۔ چنی لعل کو اپنی لڑکی کا خیال آیا۔ وہ صدق دل سے چاہتا تھا کہ کملا کی شادی جگدیش سے ہو جائے اور اس سلسلے میں ہر قسم کی قربانی کرنے کو تیار تھا۔ لیکن جگدیش کو یہ بات بہت ہی ناگوار گذری۔ نتیجہ نکلے چھ مہینے گذر چکے تھے۔ لیکن جگدیش ابھی تک بیکار تھا۔ ماں ابھی تک اسکول میں پڑھانے جاتی تھی۔ کپڑے سیتی تھی۔ شام کو کھانا پکاتی تھی۔

جگدیش کو یہ بیکاری کے دن بہت برے لگ رہے تھے۔ وہ آخر کیا کرے؟ کہاں جائے؟ کس طرح اپنی ماں کی مدد کرے۔ اپنی بہن کی پڑھائی جاری رکھے۔ یہ سب باتیں اس کی روح کو کچوکے لگا رہی تھیں۔ دن پریشانی میں اور راتیں آنکھوں میں کٹتی تھیں۔

ان دنوں کبھی کبھار کملا اسے گلی میں مل جاتی۔ لیکن وہ اس سے آنکھیں نہ ملا سکتا۔ تیزی سے آگے نکل جاتا۔ بیکاری نے اس کے عشق کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ محبت میں وہ آگ، وہ تڑپ، وہ تپش نہ رہی تھی۔

ایک دن جگدیش کی ماں نے کہا۔ "بیٹا تم سے ایک بات کہوں"۔
جگدیش نے خاموشی سے ماں کی طرف دیکھا۔
"تم یوں گھر بیٹھے بیٹھے اپنی صحت خراب کر لوگے۔ نوکری کا ملنا یہاں بہت مشکل ہے۔ میرا خیال ہے تم کسی بڑے شہر چلے جاؤ۔ وہاں شاید نوکری مل جائے"۔

"یہی میں کئی دنوں سے سوچ رہا ہوں ماں"۔

"شہر میں ہمارے ایک رشتہ دار بھی ہیں۔ میں ان کا پتہ بھی دیدوں گی۔ شاید وہ تمھارے کام آسکیں۔ ان کی بڑی بڑی فیکٹریاں ہیں۔ شاید وہ تمھیں کوئی جگہ دے سکیں۔ ہوسکتا ہے، وہ ہمیں بھول گئے ہوں۔ لیکن ہم تو نہیں بھولے انھیں۔ اور پھر کام ہمارا ہے، ان کا نہیں۔ کوشش کرنے سے کچھ بگڑتا نہیں بیٹا۔ اب آنکھوں سے کم دکھائی دیتا ہے۔ آخر کب تک میں کام کرسکوں گی۔ اور پھر تمھاری بہن جوان ہو رہی ہے۔ اس کی شادی کرنا ہوگی اور پھر تمھاری شادی"۔

اور ماں نے ایک سانس میں ساری باتیں کہہ دیں۔ جگدیش کو ساری پوزیشن پہلے ہی واضح تھی۔ گھر کے حالات کچھ اتنے بگڑ چلے تھے کہ اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا لازم تھا۔ گھر بیٹھے رہنے سے کچھ نہ ہوگا۔ اور ریاست میں ہرگز نوکری نہ ملے گی۔

جگدیش نے تہیہ کر لیا کہ وہ جلدی اس جگہ کو چھوڑ دے گا۔ اور کسی بڑے شہر میں قسمت آزمائی کرے گا۔ اس نے بڑے شہروں کے متعلق بہت سی باتیں سن رکھی تھیں۔ ان شہروں میں آدمی آنِ واحد میں لاکھوں کا مالک ہو جاتا ہے۔ کوٹھیاں مل جاتی ہیں۔ اور کاریں دوڑنے لگتی ہیں۔

لیکن جگدیش کو نہ جانے اس جگہ سے کیا محبت تھی کہ وہ اسی گاؤں میں رہنا چاہتا تھا۔ اسے ان پہاڑیوں سے ایک والہانہ عشق تھا۔ اسے نیلے آسمان سے بے پناہ محبت تھی۔ یہاں کے سرد موسم اور یہاں کی برفباری سے لگاؤ تھا۔ وہ دراصل یہاں رہ کر شادی کرنا چاہتا تھا۔ اسی کملا سے جو پاگلوں کی طرح اس کے لئے تڑپتی پھرتی تھی۔ وہ اپنی ماں کے پاس رہ کر اس کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ جب وہ کسی بڑے شہر میں چلا جائے گا تو اس کی ماں کی کون دیکھ بھال کرے گا؟ اگر وہ بیمار ہو گی تو کون دوا لاکر دے گا؟ اس کی ننھی منھی بہن کی کون خبرگیری کرے گا؟ لیکن یہاں رہنے کا فائدہ؟ آخر کب تک وہ یوں گھر بیٹھ کر کھاتا رہے گا۔ اس کی ماں کام کرتی رہے اور وہ کچھ نہ کرے۔ یہ بات بھلا کہاں تک جائز تھی۔ اس لئے یہاں سے چلے جانا چاہیئے۔ اس بڑے شہر کی طرف جہاں ایک نئی زندگی کا آغاز تھا۔

لیکن جانے سے پہلے وہ کملا سے ضرور ملنا چاہتا تھا۔ وہ اسے تسلی دینا چاہتا تھا کہ وہ نوکر ہوتے ہی اس سے شادی کرے گا۔ اُسے اپنے پاس بلالے گا۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ وہ ایک ایماندار آدمی ہے۔ اور اپنا قول پورا کرے گا۔ کملا کو اس کے لئے ضرور انتظار کرنا چاہیئے۔

جگدیش نے اپنا یہ ارادہ بہت چھپا کر رکھا، لیکن نہ جانے کیسے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ بڑے شہر جانے کا قصد کر رہا ہے۔ اس کے سب دوست باری باری اس کے پاس آئے اور انھوں نے پوچھا۔ "کیا تم سچ مچ جا رہے ہو" اور جگدیش نے سب کو اثبات میں جواب دیا۔

سب نے افسوس کا اظہار کیا۔ لیکن جگدیش جانتا تھا اس کے جانے کا اصل غم شہر میں تین آدمیوں کو ہوگا —— ایک اس کی ماں، ایک اس کی بہن

اور ایک کملا ــــ باقی محض دکھاوا تھا۔ بھلا دوستوں کو اس کے جانے کا کیا رنج ہو سکتا تھا، کچھ لوگ تو اس لئے خوش ہوں گے کہ اس کے جانے سے ریاست کا ایک پڑھا لکھا آدمی کم ہوا۔ اور انھیں نوکری ملنے کے امکانات ذرا روشن ہو گئے۔ آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ کس دن شہر کے لئے روانہ ہوگا۔ اس نے ماں کو اس فیصلے سے آگاہ کر دیا۔ اس نے پروگرام بنایا کہ جانے سے پہلے وہ دن بھر قصبہ میں گھومے گا۔ اس قصبے میں جہاں اس نے اپنا بچپن گذارا تھا۔ جہاں وہ جوان ہوا تھا۔ جہاں اس نے پہلی محبت کی تھی۔ جہاں وہ رویا تھا اور ہنسا تھا۔ جہاں کے لوگوں سے مانوس ہو چکا تھا۔ جہاں کی گلیوں میں وہ گھوما پھرا تھا۔ جن کے ہر نکڑ اور ہر موڑ سے وہ واقف ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن میں گلیوں کے نقشے گھوم رہے تھے۔ ہاں اس موڑ پر شہتوت کا درخت ہے۔ اس گلی سے آگے بھٹی ہے، جہاں ایک بڑھیا مکئی کے بھٹے اور دانے بھون کر دیا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک گلی ہے جس کا پہلا مکان ٹوٹا ہوا ہے۔ پھر ایک بڑی حویلی ہے جس کے دائیں طرف ایک گلی بازار کو جاتی تھی۔ بازار کی پتھریلی سڑکوں پر وہ سینکڑوں بار گھوما تھا۔ شروع سے لیکر آخر تک صرف آدھ گھنٹے کا راستہ تھا۔ کوئی لمبا بازار نہ تھا۔ بازار نان بائیوں کی دوکان سے شروع ہوتا تھا۔ پھر حجاموں کی دوکانیں، بنیوں کی دوکانیں، اور درمیان میں کپڑے والوں کی دوکانیں، بیچ میں ڈاکٹروں کی دوکانیں، ساتھ ہی آڑھت کی دوکانیں، مٹھائیوں اور پھل بیچنے والوں کی دوکانیں۔ چوک میں سب سے بڑی دوکان مرلی دھر کی تھی۔ دو منزلہ، پتھروں سے بنی ہوئی عالیشان دکان۔

اس چوک کے دائیں طرف ایک اور چھوٹا سا بازار تھا جس کے آخر

میں ایک مسجد تھی ۔ بائیں طرف جدھر ذرا ڈھلان تھا، پھر دوکانیں شروع ہو جاتی تھیں جو تھوڑی دور جا کر ختم ہو جاتی تھیں ۔ کچھ اور دور جا کر ایک قلعہ نظر آتا تھا جو راجپوتوں نے بنوایا تھا تاکہ چاروں طرف کے علاقے میں اُن کی دھاک بیٹھ جائے ۔ اسے وہ سڑک بہت پسند تھی ۔ جو ڈونگس سے ہو کر مہاراج کے محل کی طرف جاتی تھی ۔ اس سڑک کے دونوں طرف یوکلپٹس کے درخت تھے اونچے اونچے چھریرے درخت جن کے تنے سفید اور چکنے تھے ۔ اور جن کی ٹہنیاں ہوا میں بانہیں پھیلائے ہوئے تھیں ۔ ان سے ہر وقت ہلکی ہلکی خوشبو ہوا میں گھلتی رہتی تھی ۔ جو شام کے وقت نہایت بھلی معلوم ہوتی تھی ۔ اس سڑک پر بجری بچھی رہتی تھی جس پر رولر پھیر کر سڑک کو ہموار کر دیا جاتا تھا ۔ اس سڑک پر فوارہ گارڈن تھا جہاں بینڈ بجایا جاتا تھا ۔ اس سے آگے ٹینس کورٹ تھا جہاں صرف افسروں کو کھیلنے کی اجازت تھی ۔ ٹینس کورٹ کے سامنے افسروں کا کلب تھا ۔ جہاں اس ریاست کے افسر اور امرا جمع ہوتے تھے تاش اور برج کھیلتے تھے ۔ یہاں سے کچھ ہی دور پلے گراؤنڈ تھا جہاں وہ بچپن سے لیکر آج تک کھیلا تھا ۔ گراؤنڈ بہت وسیع تھا صاف اور کشادہ ۔ اسی پلے گراؤنڈ میں وہ ہاکی کھیلا کرتا تھا ۔ فٹ بال کھیلتا تھا ۔ یہیں کئی بار میچ ہوتے تھے ۔ کئی بار ریاست کا راجہ اپنی پولو ٹیم لیکر یہاں پولو کھیلتا تھا ۔ کھلاڑی گھوڑوں پر سوار ہو کر گیند کے پیچھے بھاگتے تھے ۔ گھوڑے سرپٹ بھاگتے رہتے اور تماشائی سانس روکے گھوڑسواروں کو دیکھتے رہتے تھے ۔ گراؤنڈ کے ایک طرف شامیانہ ہوتا تھا ۔ جہاں ہاف ٹائم میں کھلاڑی گھوڑوں سے اتر کر آتے تھے اور سوڈا لیمن اور چائے پیتے تھے ۔ ان کھلاڑیوں کی صحت کتنی اچھی ہوتی تھی ۔ جگدیش بھی چاہتا تھا کہ شاندار کپڑے پہن کر اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اسی طرح پولو کھیلے ۔ لیکن

وہ مہاراج کی ٹیم میں کس طرح شامل ہو سکتا تھا۔

کھیل کے خاتمہ پر ریاست کا راجہ اپنی ٹیم کے ساتھ پہلے گراؤنڈ سے باہر نکلتا تھا۔ گراؤنڈ کے باہر لڑکے کھڑے ہوتے، افسر کھڑے ہوتے، بینڈ ماسٹر کھڑا ہوتا، اسکول کے ماسٹر کھڑے ہوتے، اور سب باری باری کہتے۔ "مہاراج کی جے، مہاراج کی جے، مہاراج کی جے۔" یہ کس کی جے کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ اور کیوں؟ یہ خیال کسی کے ذہن میں پیدا نہ ہوتا تھا۔ ادھر مہاراجہ صرف سر ہلاتا اور وہ بھی اگر اس کے جی میں آئے۔ اور اس کے باقی ساتھی گھوڑوں پر سوار چلے جاتے۔ اکڑے ہوئے رعونت سے بھرے ہوئے یہاں تک کہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے صرف بینڈ والے بینڈ بجاتے رہ جاتے۔ اسی طرح قصبے سے چار میل کے فاصلہ پر بیساکھی کا میلہ لگا کرتا تھا۔ لوگ وہاں نالے کو عبور کر کے پیدل جایا کرتے تھے۔ لوگ منہ اندھیرے گھروں سے نکل پڑتے تھے۔ اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پیدل سفر کر کے وہ ایک چھوٹے سے میدان میں پہنچ جاتے تھے۔ یہاں سکھوں کا گوردوارہ تھا۔ حلوائی، نانبائی، کھلونوں والے، مداری، تماشہ کرنے والے یہاں رات ہی کو پہنچ جاتے تھے اور صبح ہوتے ہی یہاں ایک چھوٹا سا بازار لگ جاتا تھا۔ لوگ اپنے بیوی بچوں کو لیکر آتے۔ وہ پہلے گوردوارے جاتے اور وہاں سے چکر کاٹ کر میلا گھومنے لگتے۔ صبح سے شام تک میلا لگا رہتا اور شام پڑتے ہی لوگ گھروں کی طرف روانہ ہوتے۔ وہ کیسے عجیب دن تھے۔ کتنے خوبصورت دن تھے۔ ان دنوں کو وہ کبھی نہ بھول سکے گا۔

جگدیش گویا اپنے ذہن کے پردوں پہ ہر چیز کو دوبارہ اجاگر کر رہا تھا۔ ان افسانوں کو، ان قصوں کو، ان لمحات کو کرید رہا تھا جن کی یاد اس کے سینے میں دفن تھی۔ واقعی وہ یہاں سے نہ جانا چاہتا تھا۔ وہ چلا تو جائے گا

لیکن کبھی نہ بھول سکے گا ان لمحات کو جو اس نے یہاں گذارے، ان آدمیوں کو جو اس نے یہاں دیکھے، وہ درخت جن کے پھل اس نے چکھے۔

وہ سڑک جس پر وہ ننگے پاؤں چلا۔ وہ نکڑ جہاں کھڑے ہو کر اس نے کملا کو دیکھا۔ وہ چشمہ جس کے ٹھنڈے پانی نے اسے سکون بخشا۔ وہ کھیت جس میں سے اس نے مکئی کے بھٹے چرائے۔ وہ برف جو سردیوں میں گرتی تھی۔ اور وہ صبح جب مکان سے باہر ہر طرف سفیدی سفیدی نظر آتی تھی، یہ برف کتنی شفاف ہوتی تھی۔ یہ برف وہ کہاں دیکھ سکے گا۔ یہ چنار کے درخت جن کی گھنی چھاؤں میں وہ اپنے دوستوں سے باتیں کرتا رہا ہے کب اس کو دوبارہ نصیب ہونگے! اس کے بچپن کے ساتھی اسے دوبارہ کہاں ملیں گے۔ آج وہ شہر کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے ایک عاشق اپنی محبوبہ کو آخری بار دیکھ رہا ہو جو ایک دوسرے شخص سے بیاہی جانے والی ہو۔ ہاں آخری بار دیکھ لو، ایک نظر بھر کر دیکھ لو۔ خوبصورت گھنے جنگل اب دوبارہ نظر نہ آئیں گے۔ یہ سبز و شاداب وادی، یہ لہلہاتے ہوئے دھان کے کھیت، اور یہ بہتا دریا جو شہر کے سینے پر مچلتا ہے کبھی دکھائی نہ دے گا۔ اور وہ لکڑی کا پل بھی جو قدم رکھتے ہی ایسے جھولتا ہے کہ انسان کی روح خوف اور اندیشے سے سہم اُٹھتی ہے!

یہ تمام چیزیں اس کے ذہن کے پردوں پر مرتسم ہو گئی تھیں۔ اور ان سب چیزوں کے ساتھ ساتھ ایک اور نقش تھا جو سب سے زیادہ گہرا تھا۔ وہ ایک چہرہ تھا۔ کملا کا چہرہ۔ وہ کملا سے کیا کہے گا؟ وہ کس طرح سے اسے ڈھارس بندھائے گا؟ وہ اسے کس کے سہارے یہاں چھوڑ کر جائے گا؟ خیر سہارے تو بہت سے تھے۔ کملا کا باپ یہاں تھا۔ کملا کی ماں تھی۔ کملا کی سہیلیاں تھیں۔ لیکن جب ایک لڑکی اپنی زندگی کا مرکز ایک مرد کو بنا لیتی ہے

تو کچھ عرصے کے لئے وہی مرد اس کی زندگی کا محور بن جاتا ہے۔ وہی اس کا یقین.... وہی اس کی زندگی اور اس کی روح بن جاتا ہے۔ لیکن اس وقت اس کے سامنے ایک اور مسئلہ تھا۔ وہ کملا سے کیسے ملے، کہاں ملے؛ وہ کس کے ہاتھ پیغام بھیجے۔ لیکن کیسے بھی ہو، وہ جانے سے پہلے ایک بار کملا سے ضرور ملے گا۔ ہاں ایک بار۔ اور وہ بھی تنہائی میں۔ جب وہ اور کملا ہوں۔ صرف وہ دونوں، کوئی اور نہ ہو۔ اس وقت وہ کملا کو اپنے دل کی بات بتائیگا اسے حقیقت سمجھائے گا کہ وہ کیوں اس شہر کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ اور کملا کو اس کی باتوں پر وشواس کرنا ہوگا۔ اس کی ہر بات پر بھروسہ کرنا ہوگا ورنہ زندگی کی منزل پانا دشوار ہو جائے گا۔

۱۰

وہ رات بڑی خوبصورت تھی جب کملا اس سے ملنے آئی۔ اسے پورا یقین ہوگیا تھا کہ اگر کملا کو اس کا پیغام مل گیا تو وہ ضرور آئے گی اور اس نے یہ پیغام اپنی چھوٹی بہن کے ذریعے پہنچایا تھا۔ وہ اور کیا کر سکتا تھا۔ خط لکھنا بے سود تھا۔ ہو سکتا تھا کہ یہ خط کملا کی ماں پڑھ لیتی۔ یا کملا کے پتا کے ہاتھ پڑ جاتا۔ اس میں شک نہ تھا کہ دونوں اطراف سے کسی قسم کا انکار نہ تھا لیکن جب تک شادی نہیں ہو جاتی تب تک......

اس نے کملا کو آنے کے لئے کہا تھا، جگہ بتا دی تھی۔ اور جگہ بھی عجیب و غریب تھی۔ اس کے مکان کے پاس ایک اور حویلی تھی جس کا ایک حصہ گر چکا تھا۔ اسی حویلی کے کھنڈر میں اس نے کملا کو بلایا تھا۔

گھُپ اندھیرا تھا۔ سامنے ٹوٹا ہوا صحن تھا۔ اس کے ساتھ ایک دو کمرے تھے، جن کی چھتیں غائب تھیں۔ بائیں طرف ایک اونچی دیوار تھی جس کے ساتھ والے کمرے میں ایک ٹھاکر صاحب رہتے تھے۔ جگدیش کافی عرصے سے کملا کا انتظار کر رہا تھا۔ جب کافی دیر تک کملا نہ آئی تو جگدیش سوچنے لگا شاید وہ نہ آئے۔ ہو سکتا ہے اس کی ماں کو پتہ چل گیا ہو۔ آخر لڑکی کا گھر سے نکلنا اتنا آسان تو نہیں۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ وہ اسے بھول تو نہیں گئی؟ کیا کملا نے اپنا ارادہ تو تبدیل نہیں کر دیا؟ آخر وہ جا رہا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ واپس نہ آئے۔ بڑے شہر جا کر کسی دوسری لڑکی سے شادی نہ کر لے۔ آخر کملا کیوں اس کا اتنے عرصے تک انتظار کرے۔ جگدیش خیالات اور وسوسوں اور اندیشوں کی اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ پتھروں پر ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ اندھیرا کافی گہرا تھا۔ جگدیش نے سانس روک کر قدموں کی چاپ کو سنا۔ قدموں کی چاپ قریب آتی گئی۔ قدم آہستہ آہستہ اس کے قریب آرہے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ کملا جلدی جلدی قدم اٹھائے اور اس کے پاس آجائے۔ وہ اتنا آہستہ کیوں چل رہی تھی؟ آخر قدم اس کے قریب آکر رک گئے۔

"کملا" اس نے سانس روک کر کہا۔

"جی" کملا نے بڑی مشکل سے جواب دیا۔

"یہیں بیٹھ جاؤ۔۔۔۔۔ یہاں، ان پتھروں پر"

کملا پتھروں پر بیٹھ گئی۔ جگدیش اس کے قریب بیٹھ گیا۔

دونوں کے درمیان اندھیرا تھا۔ یکایک قریب ہی ایک پرندہ پھڑپھڑایا۔ کملا ڈر کر اس کے اور قریب ہو گئی۔

"تمھیں کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

"مجھے کیا معلوم۔ لیکن کسی نے دیکھ بھی لیا ہو تو اب کیا ہو سکتا ہے۔"
"تمہارا ہاتھ کیدھر ہے؟"
کملا نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدیا۔
کملا کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ بات نہ کر سکتی تھی۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔
"میں کل جا رہا ہوں۔"
"کہاں؟"
"بڑے شہر"
"کیوں؟"
"نوکری کی تلاش میں"
"کیا نوکری یہاں نہیں ملتی؟"
"نہیں"
"پتا جی نے آپ سے کچھ نہیں کہا؟"
"کہا تھا۔"
"دوکان پر کام کیوں نہیں کر لیتے؟"
"دوکان میری نہیں ہے۔"
"وہ کس کی ہے؟"
"تمہارے پتا جی کی۔"
"میرے پتا جی آپ کے کچھ نہیں لگتے؟"
"ضرورت سے زیادہ مانگنا اچھا نہیں لگتا۔"
کملا خاموش ہو گئی۔
"تم پھر خاموش ہو گئیں؟"

کملا نے صرف "ہوں" میں جواب دیا۔

"تم مجھے بتاؤ، میں جاؤں یا نہ جاؤں؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں"

"کیوں؟ تم اپنی رائے دو۔"

"میری رائے کیا ہے؟"

"تم اگر منع کر دو، تو میں نہیں جاؤں گا۔"

"آپ جھوٹ بولتے ہیں۔"

"تم کہہ کر تو دیکھو۔"

"میں جانتی ہوں کہ آپ جا رہے ہیں۔"

"تم پھر روکتی کیوں نہیں۔"

"اس سے پہلے کتنی بار روک چکی ہوں۔"

"تم نے ایک بار بھی مجھ کو نہیں روکا۔"

"یہ کہنے کی باتیں ہوتی ہیں؟"

خاموشی ایک مختصر سا وقفہ آیا۔

"ہم یہاں پہلی بار مل رہے ہیں۔"

"آج کی رات کتنی خوبصورت ہے۔ ذرا چاند کی طرف دیکھو۔"

"مجھے اس وقت چاند کہیں نظر نہیں آتا۔" کملا نے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا۔

"کملا — کیا .... کیا میں تمھیں چوم سکتا ہوں؟"

کملا شرما گئی۔ اس کی گردن ایک طرف کو جھک گئی۔

کملا کی گردن ایک طرف کو جھک گئی تھی۔ کملا کا ایک ہاتھ جگدیش کے ہاتھ میں تھا۔ جگدیش سوچ رہا تھا کیا وہ کملا کے لب چوم لے؟ کیا وہ

آگے بڑھے، یا محبت کی آگ کو یہیں تک محدود رکھے؟ کملا ابھی تک خاموش تھی۔ آنکھوں پر پلکیں بھاری سی ہوگئی تھیں۔ اور خون کی حرکت تیز ہوگئی تھی۔

"مجھے معاف کرنا کمل" یہ کہہ کر جگدیش نے کملا کے ہونٹوں کو چوم لیا۔ کملا نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے گالوں کو چھپا لیا۔

"کمل۔ کمل۔ بتاؤ۔ کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟"

خاموشی۔

"کیا تم مجھے بہت چاہتی ہو؟ اتنا چاہتی ہو کہ تم میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں؟"

خاموشی۔

"بولو۔ خدارا بولو۔ جواب دو۔ خاموش نہ رہو۔"

مکمل خاموشی — رات کا سکوت اور گہرا ہوگیا تھا۔

اب جگدیش سے نہ رہا گیا۔ اس نے کملا کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے حالہ میں لے لیا۔ پہلے اس کے ہونٹوں کو چوما، پھر اس کے گالوں کو، پھر اس کی آنکھوں کو، پھر اس کی پیشانی کو۔ اس کے بعد اس نے لرزتے ہوئے آنسوؤں کو چوما، جو اس کے گرم لبوں کو ٹھنڈا سا لگا۔ پھر وہ گردن کی طرف بڑھا۔ گردن کو چوما۔ بس اب وہ آگے نہ جائے گا۔ نہیں۔ اب وہ آگے نہیں بڑھے گا۔ اس نے نظریں ہٹا کر کملا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں فرطِ محبت سے بند تھیں۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اور اس کا سینہ دھک دھک کر رہا تھا۔ جگدیش کی نگاہیں اِدھر اُدھر جھانکتی رہیں۔ پھر یکایک اس نے کملا کی مانگ کو چوم لیا۔ اور کہنے لگا۔

"تم مجھے یاد رکھو گی؟"

"یہ بات اس سے پہلے پوچھتے۔ اب پوچھنے سے کیا فائدہ؟

"وہ کیوں؟"

"مانگ کو چوم کر اب پوچھتے ہو کہ میں تمھیں بھول جاؤں گی؟ کہیں تم مجھے نہ بھول جانا۔"

"اگر بھول گیا تو؟"

"تو میں سیدھی تمھارے پاس شہر چلی آؤں گی۔"

"سنیما کی سی باتیں کر رہی ہو؟"

"میں نے آج تک سنیما نہیں دیکھا۔ تم جانتے ہو اس شہر میں کوئی سنیما نہیں ہے۔ میں نے تم سے وہ بات کہی ہے جو میری آتما کی بات ہے۔"

"تو تم میرا انتظار کرو گی؟"

"ہاں"

"کب تک؟"

"جب تک تم نہیں آؤ گے۔"

"سیتا ساوتری بننے کی کوشش کرو گی۔"

ایسا تو من میں کبھی نہیں آیا؟

"تو پھر؟"

"تو پھر تم ہی بتاؤ میں اور کیا کر سکتی ہوں، سوائے تمھارا انتظار کرنے کے"
جگدیش خاموش ہو گیا۔

"تمھیں دیر تو نہیں ہو گی؟"

"آج کی رات اگر دیر بھی ہو جائے تو کوئی بات نہیں۔"

"میں جب شہر میں نوکر ہو جاؤں گا تو تمھیں فوراً بلا لوں گا۔"

"میں ایسے نہیں آؤں گی۔"

"وہ کیوں؟"

"پتاجی ایسے کس طرح بھیجیں گے؟"

"وہ کیسے بھیجیں گے؟"

"تم یہاں آنا۔ شادی کرنا اور پھر دلہن بنا کر لے جانا۔" یہ کہہ کر وہ لجا گئی

"تمھیں شادی کا بہت شوق ہے؟"

"ہاں تم سے شادی کرنے کا شوق ہے۔ تمھاری دلہن بننے کا شوق ہے تمھارے ساتھ رہنے کا شوق ہے۔ تمھاری آواز سننے کا شوق ہے —— اور تمھارے ساتھ ......"

اور پھر جگدیش نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

کمل نے اس کے ہاتھ کو چوم لیا۔

"اب تم گھر چلی جاؤ۔"

"پہلے تم وعدہ کرو کہ تم ضرور مجھے بیاہ لے جاؤ گے۔"

"اگر نہ لے گیا؟"

"تو بہت برا ہوگا۔"

"وہ کیوں؟"

"میں نے اپنی سہیلیوں سے کہہ دیا ہے کہ میں جگدیش سے شادی کروں گی۔ میں نے اپنی ماں سے کہہ دیا ہے کہ میں جگدیش سے شادی کروں گی۔ میں نے اپنے پتاجی سے کہہ دیا ہے کہ میں جگدیش سے شادی کروں گی۔ اور اگر اس کے بعد بھی تم نہ آئے ...... !!"

"تو کیا کرو گی؟"

"میں سیدھی شہر چلی آؤں گی۔"
"ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔"
"تو تم وعدہ کرو کہ تم مجھے بیاہ کرلے جاؤ گے؟"
"میں وعدہ کرتا ہوں کملی میں ضرور آؤں گا۔ ضرور آؤں گا۔ ہاں صرف مجھے نوکری ڈھونڈ لینے دو۔"

"اس سے پہلے نہیں؟"
یکایک کسی کے کھانسنے کی آواز آئی۔
کملا اُٹھ کھڑی ہوئی۔
جگدیش بھی اُٹھا۔

دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ جگدیش نے ایک لمحہ کے لئے کمل کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور کمل کو اتنے زور سے بھینچا کہ اس کی چیخ نکل گئی۔ پھر دوسرے لمحے دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوگئے اور پتھروں پر چلنے لگے۔ کھنڈر سے باہر نکل آئے۔ اب وہ گلی میں تھے۔ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ لیکن کچھ فاصلے سے۔ آگے چل کر گلی میں روشنی آگئی اور کسی کے قدموں کی آواز آئی۔ کملا کے قدم تیز ہوگئے۔ پیچھے سے کسی کے آنے کی آہٹ اور بڑھ گئی۔ کملا آگے بڑھتی گئی اور جگدیش کے قدم سست پڑتے گئے کملا اب گلی کے آخری موڑ پر تھی۔ "ایک بار مڑ کر دیکھ لے۔ اس کے بعد کون جانے کب دیکھنا نصیب ہو"۔ لیکن پیچھے قدموں کی آواز اور تیز ہوتی گئی۔ یہ کمبخت قدم قدموں قدموں میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ ایک قدم ایسے ہوتے ہیں جن کی آہٹ سے نگاہوں میں چمک آجاتی ہے۔ ایک قدم ایسے ہوتے ہیں جن سے جسم میں لرزہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ یہ قدم ایسے ہی تھے۔ "ایک لمحہ میں کچھ نہیں ہوتا، مڑ کر دیکھ لو"

اور کملا نے بجلی کی سرعت سے مڑ کر جگدیش کو دیکھا ——— اور دوسرے لمحے میں وہ گلی پار کر گئی تھی۔

فضا میں تاریکی لرز رہی تھی اور قدموں کی آواز تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی ———

۱۱

جگدیش گھر سے وداع ہوا تو سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ خود کچھ نہیں جانتا تھا کہ ان آنسوؤں کا کیا جواب دے۔ یہ تو محبت اور پیار کے آنسو تھے۔ ان میں ماں کی ممتا تھی اور بہن کا خلوص۔ لیکن ان میں کچھ اور بھی تھا۔ ان میں اس آس اور اس توقع کا اظہار بھی تھا کہ جیسے بھی ہو شہر جا کر نوکری کر لینا۔ گھر میں تم ہی بڑے ہو اور جب تک تم ذمہ داری نہ اٹھاؤ گے، گھر کی گاڑی نہ چلے گی۔ ماں کب تک کام کر سکے گی؟ وہ تو بوڑھی ہو رہی ہے۔ تم جوان ہو اور جوان بیٹے کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کا بوجھ ہلکا کرے۔

اور ماں کے آنسو بہہ رہے تھے۔ "بیٹا تم جاتے ہی خط لکھنا کہ تم خیریت سے پہنچ گئے ہو۔ جس شہر میں تم جا رہے ہو وہ بہت بڑا شہر ہے۔ میں نے وہ شہر نہیں دیکھا۔ اور وہاں تم اکیلے جا رہے ہو۔ وہاں تمہاری دیکھ بھال کرنے تمہیں وقت پر کھانا کھلانے، دکھ درد میں سہارا دینے، میں نہ ہوں گی — تمہیں کو اپنی صحت کا، اپنی عزت کا، اور اپنے خاندان کے نام کا خیال رکھنا ہوگا۔"

اور بیٹا اپنے آنسو نہ روک سکا۔ "یہ بھی کیا زندگی ہے" اس نے سوچا۔ "میں اس وقت گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں جبکہ مجھے یہاں رہنا چاہیئے تھا۔ ماں کے

بڑھاپے کا سہارا بننا چاہیئے تھا —— لیکن وہ کیا کر سکتا ہے؟ اس نے سب کچھ کر کے دیکھ لیا تھا۔ ہر طرح کی دوڑ دھوپ کر کے پتہ لگا لیا تھا کہ یہاں کچھ نہیں ہونے والا ہے۔ اس لئے جگدیش نے ماں کے چرن چھوئے، بہن کی پیشانی کو چوما۔ رکملا کی یاد کو سینے میں دبائے ہوئے اس وادی سے نکل پڑا —— ایک لمبے سفر پر۔

اور یہ لمبا سفر پیدل چل کر، موٹر میں بیٹھ کر اور ریل میں سوار ہو کر، اس شہر میں جا کر ختم ہوا جس کا نام بمبئی ہے —

لوگ روزگار کی تلاش میں ہمیشہ اس شہر میں وارد ہوتے رہے ہیں۔ بھلے لوگ بھی اور بُرے لوگ بھی۔ جگدیش اس شہر کو دیکھ کر کچھ حیران و ششدر سا رہ گیا۔ میلوں تک پھیلا ہوا شہر، اونچے اونچے مکان، فیکٹریوں سے بھرا ہوا شہر۔ خدا کی بے پناہ مخلوق۔ ہر موڑ پر ایک ریسٹورنٹ، ان گنت موٹریں، ٹرامیں بسیں، ٹیکسیاں نہ جانے کہاں سے آتی ہیں اور کہاں جاتی ہیں۔ لوگ مُنھ اُٹھائے اس موڑ سے نکلتے ہیں اور اس موڑ پر غائب ہو جاتے ہیں۔ ہر طرف ہی گہما گہمی اور افراتفری۔ یہ بڑے بڑے سائن بورڈ جن پر خوبصورت عورتوں کی تصویریں ہیں۔ کیا عورتیں واقعی اتنی خوبصورت، پُرشباب، اتنی جاذب نظر ہوتی ہیں؟ اس شہر میں ہر شخص بھاگ رہا تھا، کہیں ٹھہرتا ہوا نظر نہ آتا تھا۔ اور یہ بجلی کی ٹرینیں جن کا نہ انجن نظر آتا ہے اور نہ گارڈ کا ڈبہ ہی —— یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ کدھر سے آتی ہیں اور کدھر جائیں گی۔

غرضیکہ یہاں کی ہر چیز تیز رفتار تھی اور ہر آدمی انجان تھا۔ اور اس وسیع شہر میں جگدیش کا اپنا کوئی نہ تھا۔ وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ کس سے پوچھے کہ نوکری کہاں ملتی ہے؟ کس سے کہے اسے کام کی ضرورت ہے۔ لیکن

جگدیش خوش نصیب تھا۔ ایک دن اُسے اتفاق سے اپنے بچپن کا ساتھی نارائن مل گیا۔ وہ تو نارائن کو بھول گیا تھا کیونکہ عرصہ ہوا وہ بھی اس کی طرح کام کی تلاش میں وادی کو خیر باد کہہ چکا تھا۔ لیکن نارائن اسے پہچان گیا۔

نارائن نے جگدیش کو دیکھا اور دوڑ کر گلے لگا لیا۔ "ارے تم کہاں؟

"یہیں؟"

"کیوں؟

"روٹی کی تلاش میں۔"

"تم کتنے بڑے ہو گئے ہو اور ساتھ ہی خوبصورت بھی۔"

"اور تم کتنے دُبلے ہو گئے ہو اور ساتھ ہی بدصورت بھی"

"یہ اس شہر کی آب و ہوا کا اثر ہے۔"

"کہاں رہتے ہو؟"

"ایک کھولی میں، میرے ساتھ چل سکو گے؟"

"کیوں نہیں۔ میں اور کہاں جا سکتا ہوں؟ کیا اکیلے رہتے ہو؟"

"اتنی توفیق کہاں"؟

"کہاں کام کرتے ہو؟"

"ایک مِل میں۔"

"تنخواہ؟"

"بس دو وقت کھانا مل جاتا ہے اور کھولی کا کرایہ ادا کر دیتا ہوں"

"تمھیں یہاں آئے کتنا عرصہ ہوا؟"

"بارہ سال۔"

"تم چھوٹے سے تھے جب گھر سے بھاگ نکلے تھے۔"

"ہاں باپ نے دوسری شادی کر لی تھی۔ سوتیلی ماں نے گھر سے نکال دیا تھا۔
"کیا یہاں سے قریب ہی رہتے ہو؟"
"ہاں"

دونوں دوست باتیں کرتے کرتے کھولی میں داخل ہوئے۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کی لمبائی اور چوڑائی تین گز سے زیادہ نہ تھی۔ اور اونچائی بھی تقریباً اتنی ہی۔ سامان رکھنے کے بعد اتنی جگہ بچی تھی کہ آدمی بڑی مشکل سے پاؤں پھیلا کر زمین پر سو سکتا تھا۔

"یہاں کتنے لوگ رہتے ہیں؟"
"میرے علاوہ چار اور۔ اب تم پانچویں ہو"
"وہ لوگ کیا کام کرتے ہیں؟"
"کچھ کام کرتے ہیں۔ کچھ کام کی تلاش"

کمرے سے بے سروسامانی ٹپکتی تھی۔ دیواروں کا پلستر اکھڑا ہوا تھا۔ کونوں میں جالے لگے تھے۔ اور چیزیں بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے کے سامنے کچی سڑک تھی جس پر کوڑا کرکٹ بکھرا پڑا تھا اور گندے بچے کھیل رہے تھے۔ اس سڑک کے دوسرے سرے پر بھی نرائن کے کمرے کی طرح اور بہت سے چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان کمروں میں بیشمار لوگ رہتے تھے۔ ان کمروں میں کنوارے بھی تھے اور شادی شدہ بھی۔ ان میں جوان بھی تھے اور بوڑھے بھی۔ ان چھوٹے چھوٹے کمروں ہی میں لوگوں نے شادیاں کی تھیں اور بچے پیدا کئے تھے اور آخر میں یہاں ہی وہ مرے تھے ان کی ساری زندگی انھیں تنگ و تاریک کھولیوں میں گذری تھی۔

جگدیش نے باہر نکل کر دیکھا۔ مکانوں کے چھجوں پر سوکھنے کے لئے گیلی

دھوتیاں ٹنگی ہوئی تھیں۔ کمروں کے باہر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ عورتیں جوئیں نکال رہی تھیں، ایک لڑکی کنگھی کر رہی تھی۔ ایک نل کے قریب بہت سی عورتیں جمع تھیں۔ اور بالٹیاں ہاتھ میں لٹکائے ہوئے باری باری پانی بھرتی جاتی تھیں۔ ایک عورت ہتھیلی پر چونا اور تمبا کو رگڑ کر اس کی پھنکی لگا رہی تھی۔ ایک جگہ گندہ پانی جمع ہو کر سڑ رہا تھا۔ اس چال سے گندگی اور بدبو کا احساس ہو رہا تھا لیکن جگدیش خاموش رہا کیونکہ کچھ عرصے کے لئے اسے کم سے کم سر چھپانے کے لئے جگہ تو مل گئی تھی۔ وہ کسی ہوٹل میں نہ ٹھہر سکتا تھا۔ اس کے پاس اتنے روپے کہاں تھے۔ بڑی مشکل سے اس کی ماں نے کرایہ کی رقم کے علاوہ تھوڑے سے روپیوں کا بندوبست کیا تھا جس سے وہ شہر میں جا کر چند دن گذر کر سکے۔ اور کام کاج کی تلاش کر سکے۔ اتنے میں نرائن باہر آیا اور بولا۔

"تم نل سے پانی لا کر منہ ہاتھ دھو لو۔ پھر ہم تمہیں ایرانی کی دوکان پر چائے پلائیں گے۔"

جگدیش اپنے خواب سے جاگا۔ ایک گندی سی بالٹی اٹھا کر وہ نل کیطرف بھاگا۔ بڑی مشکل سے اسے پانی ملا۔

وہیں آ کر اس نے منہ دھویا۔ کپڑے بدلے اور اپنے دوست کے ساتھ باہر نکل گیا۔

نارائن اور جگدیش نے ایک ایرانی کی دوکان میں چائے پی۔ اور چائے پیتے پیتے نارائن نے اپنی زندگی کا قصہ سنا ڈالا۔ نہایت دکھا اور پھیکا قصہ تھا نارائن کی زندگی کا۔ گھر سے بھاگ کر وہ اسٹیشن پر ایک قلی بن گیا۔ کچھ عرصہ قلی رہا۔ پھر ایک صاحب نے گودام میں اسے جگہ دیدی۔ تنخواہ بیس روپے ماہوار۔ کچھ عرصہ وہاں کام کیا۔ لیکن ایک دن صاحب نے اسے نکال دیا۔ وہ پھر نوکری

کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا۔ کبھی فٹ پاتھ پر سویا۔ کبھی ریلوے اسٹیشن پر۔ کئی کئی دن فاقے کئے۔ آخر ایک دن بڑی مشکل سے ایک مل میں بھرتی ہو گیا۔ اب تنخواہ ساٹھ روپے ملتی ہے۔

"سات ماہ سے ساٹھ روپے تنخواہ لے رہا ہوں۔ اور اس کھولی میں رہتا ہوں۔ لیکن اب ڈر یہ ہے کہ بڑھنے کے بجائے کہیں تنخواہ گھٹ نہ جائے"۔

"تمھاری سوتیلی ماں کہاں ہے؟"

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔ شاید مر گئی ہو"۔

"تمھارا اور کوئی رشتہ دار؟"

"کسی کا کچھ پتہ نہیں۔ اور کبھی معلوم کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اور معلوم کر کے بھی کیا کروں۔ ان ساٹھ روپوں میں اپنا ہی پیٹ مشکل سے پال سکتا ہوں"۔

"شادی کیوں نہیں کی؟"

"شادی کر کے کیا کروں گا۔ اور پھر مجھ سے شادی کون کرے گا؟ اس علاقے کی زبان میں نہیں جانتا۔ اور واپس اپنے دیس جا نہیں سکتا"۔

"کیا تم خوش ہو، اس کام سے؟"

"بالکل نہیں"۔

"کیوں؟"

"اتنے کم روپے ملتے ہیں کہ خوشی پاس نہیں پھٹک سکتی۔ محض دو وقت کھانا، اور کچھ نہیں۔ کوئی سیر نہیں۔ کوئی تفریح نہیں۔ اور پھر یہ کھولی، یہ بدبو، یہ گندگی"۔

"اس سے تم باہر کیوں نہیں نکلتے؟"

"بہت کوشش کر چکا ہوں۔ اب تھک گیا ہوں۔ تم آئے ہو کوشش

کر کے دیکھ لو۔ لیکن جگدیش یہ بہت بڑا شہر ہے۔ اس شہر کا سینہ پتھر کا ہے۔
میں نے رو کر دیکھ لیا۔ اکیلا سمندر کے کنارے گیا۔ ساری ساری رات رویا۔
لیکن کوئی آنسو پوچھنے نہ آیا۔ کسی نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ کسی نے یہ پوچھنے
کی ضرورت نہ سمجھی کہ میں کیوں روتا ہوں۔ کہاں سے آیا ہوں۔ میرا دکھ درد کیا ہے۔
یہ بڑا بیدرد شہر ہے جگدیش!"

۱۲

جب شام کے سائے گہرے ہوتے لگے تو ہوا میں خنکی بڑھ گئی۔ مغرب میں
غروب کی سرخی پھوٹ پڑی تھی اور سمندر ارغوانی ہوگیا تھا۔ ناریل کے درخت
ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اور بازاروں میں بجلی کے قمقمے جگمگا رہے تھے۔ ٹرامیں
اور بسیں اسی تیز رفتاری سے چل رہی تھیں۔ اور جگدیش سڑک کے ایک طرف
کھڑا اس سارے ہجوم کو دیکھ رہا تھا۔ لوگ آرہے تھے، جا رہے تھے۔ ہر شخص
اپنی دُھن میں مست تھا۔ ایک بات جگدیش کو خاص طور پر محسوس ہوئی۔ عالیشان
عمارتوں اور جگمگاتے بازاروں کے باوجود جگدیش کو اس شہر میں کافی بھوکے
اور ننگے آدمی دکھائی دئے۔ سامنے کے فٹ پاتھ پر بہت سے لوگ سوئے نظر
آئے۔ بہت سے جوتشی چادر بچھائے سڑکوں پر بیٹھے نظر آئے، جن کے ماتھوں
پر بڑے بڑے تلک لگے تھے اور سامنے سلیٹ اور ہندی کے پترے پڑے
تھے۔ اس نے دیکھا سڑک پر ایک بڑھیا اپنی پیری کے باوجود بیٹھی مونگ پھلی
بیچ رہی ہے۔ اس کے پاس ہی ایک عورت جوتے بیچ رہی ہے۔ اور اس کے
برابر میں ایک مداری تماشہ دکھا رہا ہے۔ لوگ اس کے گرد جمع ہیں اور ہنس رہے

ہیں۔ کچھ فاصلے پر ایک سردار صاحب تشریف فرما ہیں جنھوں نے ایک چادر پر جڑی بوٹیوں کے انبار لگا رکھے ہیں اور درمیان میں ایک جھنڈا گاڑا ہوا ہے۔ کچھ لوگ ان کے گرد بھی جمع ہیں اور وہ واہگورو کے شلوک پڑھ پڑھ کر اور خراجِ تحسین حاصل کر کے آخر میں مردمی کی دوا فروخت کر رہے ہیں۔ اسی فٹ پاتھ کے قریب ایک بڑی مل کا پھاٹک ہے جس کے باہر ایک خان براجمان ہے اور اس پھاٹک کے باہر کچھ عورتیں پھل اور دوسری چیزیں بیچ رہی ہیں۔ اس شہر میں عورتیں کافی کام کرتی نظر آئیں۔ پردہ بہت کم تھا۔ لیکن لوگ خوبصورت نہ تھے۔ موٹے تھے۔ بھدے تھے۔ نقش تیکھے نہ تھے۔ عجیب سی بےبسی اور مُردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ وہ دیر تک اِدھر اُدھر دیکھتا پھرتا رہا تاکہ شام آہستہ آہستہ رات میں ڈھل جائے اور وہ واپس جا کر نرائن اور اس کے دوستوں سے مل سکے۔

جب جگدیش واپس کمرے میں پہنچا تو رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ نرائن آ گیا تھا۔ اس کے دوست آ گئے تھے۔ نرائن نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔
"آپ حکیم ناشاد ہیں۔ میوزک ڈائرکٹر نوشاد نہیں۔ بڑے کام کے آدمی ہیں۔"
"آپ دیوانہ صاحب ہیں۔ فلمی دنیا میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر ہیں۔"
"آپ بنرجی ہیں۔ ہیرو بننے آئے تھے لیکن ایکسٹرا بن کر رہ گئے۔"
"آپ صوفی صاحب ہیں۔ روزگار کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں لیکن ابھی تک نوکری کہیں نہیں ملی۔"
"اور آپ جگدیش صاحب جو ہم لوگوں کی طرح اس شہر میں پیٹ بھرنے آئے ہیں۔ اب آپ لوگ بے تکلف ہو جائیے۔ سونے کی جگہ بہت کم ہے۔ بہرحال اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ جس دوست کو جس دن کوئی نوکری مل جائے وہ بڑی

خوشی سے یہاں سے جا سکتا ہے۔ کم از کم مجھے کوئی رنج نہ ہوگا، بلکہ خوشی ہوگی، کہ کم از کم ایک شخص تو جہنم سے جنت کی طرف گیا۔"

چند دنوں ہی میں جگدیش کو احساس ہو گیا کہ اس شہر میں ترقی کرنا آسان بات نہیں۔ دوڑ دھوپ کرنے سے کام تو شاید مل جائے۔ لیکن اس جہنم سے چھٹکارا پانا جوئے شیر لانا ہے۔ اس نے اپنے چاروں ساتھیوں کی رام کہانیاں سُنی تھیں۔ اور اسے معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر شخص ایک بہتر زندگی گذارنے کا متمنی تھا۔ اور اس کے لئے کوشاں ہے۔ لیکن حالات کچھ ایسے ناسازگار ہوتے جا رہے ہیں کہ انھیں کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ ان میں سے صرف ایک نائک ہی تھا ——— جو ایک مِل میں نوکر تھا۔ باقی سب لوگ اسے بیکار نظر آتے تھے۔ دیوانہ صاحب فلم انڈسٹری میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر تھے۔ لیکن تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ کافی عرصے سے بالکل بیکار ہیں۔ پہلے جس فلم کمپنی میں انھوں نے کام کیا تھا اس کا دیوالہ نکل گیا۔ اس کے بعد سیٹھ کو دوبارہ فائیننس نہ مل سکا۔ اور سٹاف سڑکوں کی خاک چھاننے لگا۔ لیکن دیوانہ صاحب نے ابھی تک ہمت نہیں ہاری۔ وہ ابھی تک تقریباً ہر روز سٹوڈیو کے چکر لگاتے ہیں اور اس بات کی امید کرتے ہیں کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور "ڈائرکٹر" بن جائیں گے۔

اور بنرجی! وہ بنگال سے بھاگ کر بمبئی آ گیا۔ بنگال میں یعنی کلکتہ میں وہ کیوں ہیرو نہ بن سکے، اس کا کسی کو علم نہیں۔ اگر شکل و صورت کو دیکھا جائے، تو بحیثیت مجموعی آپ انھیں بدصورت نہیں کہہ سکتے۔ بال بڑے بڑے۔ ماتھا فراخ آنکھیں موٹی موٹی۔ چھاتی چوڑی، جسم ذرا دُبلا۔ ایک کرتا اور ایک دھوتی پہنے ہوئے وہ ہمیشہ نظر آتے ہیں

اور صوفی ——— اگر وہ فوج میں بھرتی ہوتا تو آج لفٹیننٹ ہوتا، لیکن نہ جانے

کیوں بمبئی کا رخ کیا کہ مسخرہ بن کر رہ گیا۔ اسے دیکھ کر محض لمبائی کا احساس ہوتا۔ اسے دیکھتے ہی ناریل کا درخت ذہن میں گھوم جاتا تھا۔ ایسا ناریل کا درخت جس کا اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے۔ صوفی کے لانبے لانبے بازو اکثر جھولتے رہتے، ٹانگیں کانپتی رہتیں، ہونٹ پھڑکتے رہتے اور سر اکثر ہلتا رہتا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں ایک معصوم چمک تھی ـــــ جیسے اسے ابھی تک معلوم نہ ہوا تھا کہ اس اللہ نے اس کو اس دنیا میں کیوں بھیج دیا۔ صوفی کو صبح کھولی سے نکلتے وقت صرف ایک آنہ ٹرام کے لئے درکار ہوتا۔ اس کے بعد وہ کیا کرتا تھا، کھانا کہاں کھاتا تھا، اس کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ وہ بھی صبح کا نکلا رات کے وقت ہی گھر پر واپس آتا تھا۔

لیکن جگدیش کو سب سے زیادہ حکیم ناشاد پسند آئے۔ بڑے پُرخلوص اور صاف گو آدمی تھے۔ پہلی ہی ملاقات میں بولے۔

"جگدیش بھائی ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا"۔

"وہ کیوں"؟ جگدیش نے پوچھا۔

"اس لئے کہ جو کچھ ہم کرنا چاہتے ہیں لوگ نہیں کرنے دیتے اور جو کچھ وہ کرانا چاہتے ہیں، وہ ہم کر نہیں پاتے۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میں شاعری کرنا چاہتا ہوں"

"تو شاعری کرو۔ یہیں بیٹھ کر لکھو۔"

"کہاں بیٹھ کر لکھوں؟"

"یہیں، اس کھولی میں۔"

"یہاں؟ جگہ کہاں ہے؟"

"جگہ ؟ ..... جگہ" ـــــــ اور جب جگدیش نے کمرے پر نگاہ ڈالی تو وہ اپنے جواب پر خود نادم ہو گیا۔

"اسی طرح میں پڑھنا چاہتا ہوں ـــــ تم کہو گے تو پڑھو۔ کون روکتا ہے۔ لیکن میں کہوں گا، کتابیں کہاں سے لاؤں ہم ـــ بازار میں ان گنت کتابیں موجود ہیں۔ مگر میں کیسے خریدوں ؟ ـــــ خریدنے کے لئے روپے کہاں سے لاؤں لیکن جگدیش بھائی اس کمرہ میں رہ کر بھی لکھتا ہوں۔ اس غربت کے باوجود بھی کتابیں پڑھتا ہوں ـــــ لیکن اس کا انجام کیا ہے ؟ آپکو نہیں معلوم نہ! مجھ سے سنئیے میں اپنی نظمیں رسالوں میں بھیجتا ہوں تو میری نظمیں نہیں چھاپتے۔ کہتے ہیں یہ نظم نہیں نثر ہے۔ اس میں میٹر نہیں۔ میں اپنی محنت کے دام مانگتا ہوں تو لوگ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں، میں پاگل نہیں۔ بالکل ہوشمند انسان ہوں۔ کھرے کھوٹے میں تمیز کر سکتا ہوں ـــ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ میں کسی کی چاپلوسی نہیں کر سکتا۔ کیا کروں یہ میری فطرت ہے۔ گھر سے خط آتے ہیں۔ میرے والد ایک بڑے حکیم ہیں۔ انھوں نے مجھے حکمت پڑھائی۔ اور میں نے ڈگری بھی حاصل کی۔ لیکن حکمت نہ کر سکا ـــ ابّا بہت بلاتے ہیں کہ میں آکر ان کی حکمت سنبھال لوں ـــــــــــــــــــــــ

ـــــــ میں جانتا ہوں اگر میں ذرا داڑھی اور بڑھا لوں تو پورا حکیم بن جاؤں اور کما کھاؤں۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے داڑھی سے سخت نفرت ہے۔ میں نہ داڑھی بڑھانا چاہتا ہوں اور نہ حکمت کرنا ـــ میں تو محض شاعری کرنا چاہتا ہوں۔ اچھی اچھی کتابیں پڑھنا چاہتا ہوں۔ خوبصورت خوبصورت تصویریں دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ ہی بتائیے جگدیش صاحب کیا دنیا سے بہت کچھ مانگتا ہوں ؟ کیا میری مانگیں ناجائز ہیں ؟"

اور یہ کہہ کر ایک ساتھ خاموش ہو گیا اور کمرے کی فضا میں ایک گہری اُداسی چھا گئی۔

جگدیش نے بہت جلد معلوم کر لیا کہ حکیم ناشاد جب زندگی سے فرار کرتا ہے تو شاعری کی طرف رجوع کرتا ہے ۔۔ وہ ایک نیک آدمی ہے۔ اور جب اس کا مقابلہ اس چالباز دنیا سے ہوتا ہے تو وہ شاعری میں پناہ لینا چاہتا ہے۔ لیکن اس غربت نے اسے شاعری کے دامن میں بھی پناہ لینے نہیں دی ہے۔ اگر وہ پڑھ سکتا، اپنا مطالعہ جاری رکھ سکتا تو وہ یقیناً ایک بڑا شاعر بھی بن جاتا لیکن جب حالات اس قدر ناسازگار ہوں اور زندگی کی قدریں بری طرح گڈمڈ ہو جائیں تب شاعر بننا تو درکنار، انسان بنے رہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

۱۳

یہاں رہ کر چند ہی دنوں میں جگدیش کو بہت سی باتیں معلوم ہو گئیں۔ اگر وہ اکیلا کسی اور جگہ پر رہتا تو شاید ان باتوں کو بہت عرصہ تک نہ جان پاتا لیکن یہاں تو روزان کے تجربے ہو رہے تھے۔ آہستہ آہستہ ہر چیز سے قلعی اترنے لگی۔ اور نچلی تہوں کی گندگی اور بے رنگی ابھرنے لگی۔ اسے معلوم ہو گیا کہ جس کام کے لئے وہ آیا تھا وہ اسے نہ ملے گا۔ وہ اپنے رشتہ دار سے ملنے اس کی مل میں گیا۔ لیکن رشتہ دار نے اسے نہ پہچانا۔ اور رشتہ دار بھی سچا تھا۔ مدتیں گذریں جب وہ اس وادی کو چھوڑ کر چلا آیا تھا۔ اس لئے اسے کیا معلوم کہ کون اس کا رشتہ دار ہے۔ اس کے علاوہ اب اس کے پاس مل ہو گئی تھی اور جب مل ہو جائے تو آدمی کو غریب رشتہ دار بہت کم یاد رہتے ہیں اسے

یاد دلانا بھی فضول ہوتا ہے کیونکہ اسے زیادہ ضروری کام کرنے ہوتے ہیں۔ اس لئے جگدیش ناامید ہوکر لوٹ آیا۔ لیکن اسے کوئی خاص دھکا نہ لگا کیونکہ اس کے ذہن میں پہلے ہی سے ان باتوں کے لئے زمین تیار ہو چکی تھی اسے اپنے رشتہ دار پر غصّہ بھی نہ آیا۔ لیکن متواتر جد و جہد کے بعد جگدیش کے مزاج کے توازن اور سکون میں خلل آنے لگا۔ بالکل ایسے ہی جیسے لہروں کے بار بار ٹکرانے سے چٹان کی پیشانی پر دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔

جگدیش کا حوصلہ جواب دینے لگا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ سب طرف سے ناامید ہوکر دوسرے آدمیوں کی طرح جذباتی بن جاتا — ایک قنوطی کی طرح ہاتھ پیر چھوڑ کر جذباتیت کے سمندر میں اپنے کو پھینک دیتا اور کہتا — جیسے گذرتی ہے ویسے گذرنے دو — زندگی نے میرے ساتھ کیا محبت دکھائی ہے جو میں اس کا درد کروں! اور یہ شکست خوردگی ناامیدی کی وہ حد ہوتی ہے جہاں پہنچکر آدمی اپنی زندگی اور اپنے مستقبل سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ لیکن جگدیش ایسا نہ کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن کے کونے میں ایک بات کیل کی طرح گڑھی ہوئی تھی، کہ دور ایک گاؤں میں اس کی ماں اکیلی ہے۔ اس کی بہن جوان ہے جس کی شادی کرنا ہے۔ اور کملا ہے جو اس کا انتظار کر رہی ہے۔ اسی لئے شاید اس کے ذہن نے وہ راستہ قبول نہ کیا۔ بلکہ آہستہ آہستہ دوسرے راستے پر چلنا شروع کیا جو زیادہ آسان معلوم ہوتا تھا۔ اس نے دیوانہ سے دوستی گانٹھ لی۔ اور دیوانہ نے اسے یقین دلادیا کہ وہ ایک خوبصورت انسان ہے۔ اگر اس نے سٹوڈیو کے چکر لگانا شروع کئے تو وجہ نہیں کہ اسے ایک دن کسی کمپنی میں ہیرو نہ بنالیا جائے۔ اور جب جگدیش نے ان ایکٹروں کی ظاہری چمک دمک دیکھی تو اس کی آنکھیں چوندھیا گئیں — خوبصورت کپڑے، چمکتی ہوئی کاریں ہاتھ میں

سگرٹ کا ڈبہ، ماتھے پر بکھرے بال، قمیض کے بٹن کھلے ہوئے اور ہنستے ہوئے چہرے ۔ یہ دیکھ کر جگدیش بھی بہک گیا اور اس نے مل میں نوکری نہ کرنے کا تہیہ کر لیا ۔ کافی احتیاط سے خرچ کرنے کے باوجود اب اس کے پاس بہت کم روپے رہ گئے تھے ۔ وہ اس کھولی میں رہ کر بھی خوش نہ تھا ۔ وہ چاہتا تھا کہ اگر کوئی نوکری اسے فلم کمپنی میں مل جائے تو سب سے پہلے یہ کھولی چھوڑ کر کوئی بڑا سا کمرہ لیلے اور وہاں جا کر رہے ۔

جگدیش کے پاس ابھی تک ایک دو نئے سوٹ تھے ۔ اس نے ایک ٹائی خرید لی تھی ۔ اب روزانہ وہ سوٹ پہن کر اور جوتوں پر پالش کرا کر دیوانہ کے ساتھ باہر نکل جاتا ۔ وہ پہلے دیوانہ کو ایک ایرانی کی دوکان میں لے جاتا ۔ دونوں ایرانی کی دوکان میں چائے پیتے ۔ اور پھر سٹوڈیو کا طواف کرتے رہتے ۔

آخر اس آوارہ گردی کا ایک فائدہ نکلا ۔ جگدیش کو ایک فلم میں چھوٹا سا رول مل گیا ۔ کنٹراکٹ کوئی بڑا نہ تھا ۔ محض ۵۰۰ روپے کا ۔ سو روپے اسے ایڈوانس ملے ۔ اس میں سے اس نے پچاس روپے گھر منی آرڈر کرا دیئے ۔ اور پچاس روپے اپنے پاس رکھے ۔ کنٹریکٹ کیا ملا ۔ ایک خود اعتمادی کا جذبہ اس کے اندر ابھرنے لگا ۔ حالانکہ کنٹریکٹ بہت معمولی تھا، لیکن جگدیش بہت سے لوگوں سے زیادہ خوش قسمت تھا کہ اس نے اتنے تھوڑے سے عرصے میں اتنی کامیابی حاصل کر لی تھی ۔ اس عرصہ میں ایک اور واقعہ ہوا جس نے جگدیش کی ذہنی کیفیت میں ایک نمایاں تبدیلی کر دی ۔ اور وہ واقعہ تھا اس کی رانی سے ملاقات ۔ سٹوڈیو میں وہ اکثر بن ٹھن کر جاتا تھا ۔ صحت کے لحاظ سے بھی وہ خاصہ تھا ۔ اس لئے آتے جاتے لوگوں کی نظریں اس کی طرف متوجہ ہو جاتی تھیں ۔ رانی سے بھی انہیں حالات میں اس کی ملاقات ہوئی ۔ وہ سٹوڈیو میں

تھا۔ اس نے رانی کو پہلی بار دیکھا۔ اور کچھ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ رانی نے بھی اس کی طرف دیکھا اور ایک لمحہ کے لئے اس کی آنکھیں مسکرائیں۔ وہ اکیلی نہ تھی۔ اس کے ساتھ ایک عورت تھی۔ ذرا موٹی سی، فربہ اندام۔ رنگ کھلتا ہوا۔ دانت موٹے موٹے آنکھوں میں چمک۔ دونوں اس کے قریب آ گئیں۔

"آپ بھی اس فلم میں کام کرتے ہیں؟" موٹی عورت نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی ہاں"۔ جگدیش نے دونوں کو دیکھ کر کہا۔

"میرا نام لاجونتی ہے۔ اور آپ کا؟"

"جگدیش..... اور آپ کا؟"

"رانی"

"آپ چائے پیئیں گی؟"

"ضرور"

تینوں چائے پینے کینٹین میں چلے گئے۔ تین چائے اور کچھ بسکٹ منگائے گئے۔ وہاں باتیں کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لڑکیاں فلم میں نئی نئی کام کرنے آئی ہیں۔

"آپ نے کسی اور فلم میں کام کیا ہے؟"

"جی نہیں پہلی بار ایک فلم میں کام کرنے کا موقعہ ملا ہے"۔

"آپ بڑے خوش نصیب ہیں"

"کیوں؟"

"اتنی جلدی آپ کو کام مل گیا ہے۔ ہم چھ مہینوں سے گھوم رہے ہیں۔ کوئی اچھا رول نہیں ملتا" رانی نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔

"آپ کہاں رہتی ہیں؟"

"کمار میں۔"
"کس جگہ پر؟"
"کسی دن چلئے ہمارے ساتھ۔" لاجونتی بولی۔ "ہم آپ کو گھر دکھا دیں گے۔ اور آپ کہاں رہتے ہیں؟"
"میں نے ابھی تک کوئی گھر نہیں بنایا۔"
"یعنی شادی نہیں کی؟"
"جی نہیں۔"
دونوں ہنس پڑیں۔
"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"
"یہی کہ ایکٹر لوگ شادی نہیں کرتے۔"
"جی، میں ایکٹر بننا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ یونہی چکر میں پھنس گیا۔"
"آپ کی شکل کچھ کچھ کشور ساہو سے ملتی ہے۔"
"ارے نہیں۔ کشور ساہو سے نہیں۔ بلکہ فیڈرک مارچ سے۔" رانی بولی۔
"وہ تو اب بوڑھا ہو گیا ہے۔ آپ تو بالکل جوان ہیں۔ خاصی صحت ہے۔"
"اگر ایک دو رول اور مل گئے تو آپ ہم سے بات نہیں کریں گے۔"
"میں اس قسم کا انسان نہیں ہوں۔"
"جب جیب میں روپے آ جاتے ہیں تو انسان کی قسم آسانی سے بدل جاتی ہے۔" رانی نے چہک کر کہا۔
جگدیش نے پھر کر رانی کی طرف دیکھا جو گھور گھور کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہ لڑکی اس کی طرف کیوں دیکھ رہی تھی؟ یہ دونوں لڑکیاں اس

کی طرف کیوں اس طرح دیکھ رہی تھیں ؟ اتنی جلدی اس سے کیوں بے تکلّف ہوگئی تھیں ؟ ان دونوں میں اسے رانی پسند آئی کیونکہ رانی کا قد لمبا تھا۔ جسم لاجونتی کے مقابلے میں چھریرا تھا۔ نقش دلکش تھے اور اس نے سفید جارجیٹ کی ساڑھی پہنی ہوئی تھی، جس کے ساتھ سیاہ رنگ کا بلاؤز خوب پھب رہا تھا۔ حالانکہ رانی کا رنگ گندمی تھا۔ آنکھیں چھوٹی اور اس کی ناک چھوٹی تھی لیکن ہونٹ بھرے بھرے تھے۔ بال کچھ بھورے بھورے تھے جو کندھوں پر لٹک رہے تھے۔ باتوں میں ذہانت کی خاص جھلک نہ تھی۔ لیکن جسم میں ایک رعنائی تھی ایک جاذبیت تھی۔ ایک تناسب تھا۔ تناسب کا یہ عالم تھا کہ جگدیش نے محسوس کیا کہ اگر چہرے کو جسم سے الگ کر دیا جائے تو باقی جسم کسی مرمریں مجسمہ کا حصہ معلوم ہوگا؛ جسے کسی سنگ تراش نے بڑے چاؤ کے ساتھ تراشا ہو۔ لمبی سی گردن ابھری ہوئی چھاتیاں، پتلی سی کمر، گداز بھرے بھرے کولھے اور سڈول رانیں اور ٹانگیں ــــــ ساڑی کے باوجود جسم کا ایک ایک خط نگاہوں میں کھبا جاتا تھا ایسا متناسب جسم کم لڑکیوں کے پاس ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں لاجونتی۔ پہلے تو اس کا چہرہ ہی اتنا موٹا اور بھدا تھا کہ کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہ عورت ضرورت سے زیادہ کھانا کھاتی ہے۔ اس کے علاوہ کمر اور کولھے ان دونوں چیزوں سے اس کی ڈھلتی عمر کا پتہ چلتا تھا۔ کیونکہ کمر اور کولھے دیکھکر صاف بتایا جا سکتا ہے کہ کوئی عورت دوشیزگی سے عورت پن کی طرف کتنی بڑھ گئی ہے۔

جگدیش کے دل میں ایک گدگدی سی ہوئی۔ یونہی خیال آیا کہ اگر رانی سے میل جول بڑھایا جائے تو کیا حرج ہے۔ اور اب تو رانی اور لاجونتی دونوں نے اسے خود بلایا ہے۔ جانے اور ملنے میں کیا برائی ہے۔ اور اس نے ارادہ کر لیا کہ انکے یہاں ضرور جائیگا۔

۱۴

کبھی کبھی یوں ہوتا ہے کہ آدمی برسوں ایک صورت کو دیکھتا رہتا ہے.
لیکن وہ حافظہ پر کوئی نقش نہیں چھوڑتی ۔ لیکن اس کے برخلاف ایسا بھی ہوتا
ہے کہ کسی صورت کو ایک نظر دیکھا اور وہ صورت دل میں اتر گئی ۔ رانی کے سلسلے
میں کچھ ایسا ہی ہوا ۔ لاکھ کوشش کے باوجود جگدیش اس کی صورت کو اپنی نظروں
کے سامنے سے نہ ہٹا سکا ۔ رانی کو بھلانا اس کے لئے ناممکن ہوگیا ۔ اس کے
کئی سبب تھے ۔ کملا بہت دور تھی ۔ حالانکہ جگدیش کے دل میں کملا کی محبت
تازہ تھی، لیکن وہ اتنی دور تھی کہ اس کے جذبات کو تسکین نہ بخش سکتی تھی.
اس لئے جگدیش کے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ کچھ عرصے کے لئے رانی سے عشق
کر لے تو کچھ حرج نہیں ۔ آخر رانی بھی ہر لحاظ سے اچھی تھی ۔

لیکن رانی سے کہاں ملا جائے ؟ کیا رانی سے ملنے پر سب کچھ
ٹھیک ہو جائے گا ؟ —— نہیں —— وہ رانی سے اپنے دل کی حالت
بیان نہ کر سکے گا ۔ اگر رانی بالکل تنہا بھی مل جائے تو بھی شاید وہ کچھ نہ کہے.
لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ رانی خود ہی اپنے منھ سے کچھ کہے ۔ ہاں — اگر وہ
پسند کرتی ہے تو ہو سکتا ہے کہ —— لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ رانی بالکل
پسند نہ کرتی ہو ۔ اور اس دن کی ملاقات محض رسمی ملاقات ہو ۔ اور پھر
یہ بھی درست نہیں کہ پہلی ملاقات کے بعد ہی محبت شروع کر دی جائے.

جگدیش کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے ۔ ہاں یہ بات اس کی
سمجھ میں آگئی کہ رانی کی جسمانی خوبصورتی نے اس کے دماغ پر اپنا گہرا اثر

خوبصورت اثر چھوڑا ہے۔ اور وہ اس اثر کو یوں ضائع نہ ہونے دینا چاہتا تھا، کیونکہ اس اثر میں ایک مسرت کا احساس مضمر تھا۔ اس تاثر سے اس کی جمالیاتی حس کو غذا پہونچتی تھی۔

جگدیش نے یہ بات نہ تو پروانہ سے کہی، نہ نرائن سے، اور نہ ہی کسی اور ساتھی سے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ اس کا مذاق اڑائیں یا ان لڑکیوں کے متعلق کوئی ایسی بات کہہ دیں جس سے اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔ اس کی عادت تھی کہ وہ کسی بھی خوبصورت چیز کو بدصورت چیز کے ساتھ وابستہ نہ کرنا چاہتا تھا۔ کوئی چیز خوبصورت ہو تو سر سے پاؤں تک خوبصورت ہو۔ اس کی آواز خوبصورت ہو۔ گفتار خوبصورت ہو، چال ڈھال خوبصورت ہو — نہ جانے اس قسم کے خیالات کیوں اس کے دماغ میں بس گئے تھے۔ عورت جسمانی طور پر خوبصورت ہوتے ہوئے ذہنی طور پہ بے وقوف ہوسکتی ہے۔ حال میں سٹوڈیو میں اس نے خود اپنی پکچر کی ہیروئن کو دیکھا تھا۔ دیکھنے میں تو کافی جاذبِ نظر تھی لیکن جب باتیں کرتی تھی تو جی چاہتا تھا کہ انسان کمرے سے باہر نکل جائے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی اس خواہش کو روک نہیں سکتا تھا۔

"ہاں تو" جگدیش نے سوچا "وہ کس طرح رانی سے ملے۔ پتہ تو انھوں نے بتا دیا تھا۔ لیکن وہ کس طرح وہاں جائے؟ ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں شادی شدہ ہوں۔ اس نے تو کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔ اس لئے وہ وہ خاموش رہا" اور یہی سوچتا رہا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ اگر رانی سے ملاقات ہوجائے۔ اور ملاقات کے وقت وہ بالکل اکیلی ہو لاجونتی اس کے ساتھ نہ ہو —"

اسی امید و بیم میں کچھ عرصہ گذر گیا۔ دن بھر وہ سٹوڈیو میں گھومتا رہتا

اور رات کو وہ نرائن کی کھولی میں جا پڑتا۔ اب اسے اس کھولی کی بے سروسامانی کا احساس بہت شدید ہو گیا تھا وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد اس جہنم سے نکل جائے۔ اگر اسے دوسرا کنٹریکٹ مل جائے تو وہ فوراً اس جگہ کو چھوڑ دے گا۔ اس رات جب وہ صوفی سے ملا۔ تو اس نے دیکھا کہ صوفی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس نے دو دن سے کھانا نہیں کھایا۔ جگدیش کے پاس روپے تھے اس میں سے اس نے پانچ روپے صوفی کو دیئے تا کہ وہ چند دن اور زندگی کی کشمکش جاری رکھ سکے۔ ادھر بنرجی کی حالت صوفی سے زیادہ خراب تھی۔ آج کل اس پر ڈائرکٹروں کو گالیاں دینے کے دورے پڑتے تھے۔

"سالے نئے آدمیوں کو کام نہیں دیتے۔ بس نئی چھوکریوں کو کام دیتے ہیں۔ جہاں کوئی خوبصورت لڑکی دیکھی جھٹ سے رول دیا۔ اور ہم ہیں کہ برسوں سے جھک مار رہے ہیں۔ ہمیں کوئی نہیں پوچھتا۔"

"تم کوئی اور کام کیوں نہیں کرتے؟" حکیم ناشاد نے غصے میں کہا۔

"اس لئے کہ میں اور کوئی کام نہیں کر سکتا۔ میں ہیرو بننے آیا تھا لیکن ہیرو نہ بن سکا۔ اس انڈسٹری میں عرصہ دس سال سے جھک مار رہا ہوں میرے سامنے کئی لڑکے آئے اور آگے بڑھ گئے۔ لیکن میں وہیں کا وہیں رہا۔"

"اس کی وجہ؟"

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

"کبھی سوچا تو کرو۔"

"سوچنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ قسمت کا کھیل ہے۔ ایک بار چانس مل جائے تو میں دلیپ سے بہتر کام کر کے دکھا دوں۔"

"اگر چانس نہ ملے تو؟"

"تو میں انتظار کروں گا۔"
"یوں زندگی ضائع کرنے سے فائدہ؟"
"تم ہی بتاؤ۔ میں اور کیا کام کروں؟"
"کہاں تک پڑھے ہوئے ہو؟"
"میٹرک تک۔"
"ٹائپ کرنا آتا ہے؟"
"نہیں"
"شارٹ ہینڈ؟"
"نہیں"
"سیکھ لو۔"
"جی نہیں چاہتا۔"
"کسی فرم میں نوکری کر لو۔"
"نوکری نہیں ملتی۔ اگر نوکری ملتی تو آج کل بی اے پاس لڑکے پچاس پچاس روپوں کے لئے مارے مارے نہ پھرتے۔"
"کوئی تجارت کرو۔"
"اس کے لئے روپیہ چاہیئے۔ روپے کہاں سے لاؤں؟"
"گھر سے منگواؤ۔"
"گھر والے تو الٹا اس بات کی امید کرتے ہیں کہ میں انہیں کما کر کچھ بھیجوں۔"
"لیکن آخر شروع ہی میں تم نے ایکٹر بننے کا ارادہ کیوں کیا؟"
"شوق کی وجہ سے۔"

"اس سے پہلے کہیں ایکٹنگ کیا تھا؟"
"اسکول میں کیا کرتا تھا۔"
"لوگ پسند کرتے تھے؟"
"جی ہاں، تالیاں بجاتے تھے۔ لیکن اب کوئی نہیں پوچھتا۔ خیر۔ کوئی بات نہیں۔ میں یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا۔ خالی ہاتھ واپس نہیں جاؤنگا میں مروں گا تو یہیں مروں گا۔ میں واقعی ایک بہت بڑا ایکٹر بننا چاہتا ہوں۔ لیکن مجھے چانس کوئی نہیں دیتا۔ کچھ دیر اور انتظار کروں گا اور اگر اس کے بعد بھی کام نہ ملا تو ایک دن میری لاش کسی اسٹوڈیو کے دروازے پر پڑی ہوگی۔"
یہ کہہ کر بنرجی خاموش ہوگیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کمرہ میں ایک سناٹا چھا گیا۔ تاشاد ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گیا۔ نرائن اپنی ٹانگیں سکیڑ کر پڑ گیا۔ صوفی بیٹھا بیٹھا نہ جانے کن خیالوں میں گم ہوگیا۔ اور—
جگدیش یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، سُن رہا تھا اور غور کر رہا تھا۔ یہ بھی کیا زندگی ہے جس میں انسان زندہ رہنے کے لئے ترستا ہے۔ پیٹ بھر روٹی حاصل کرنے کے لئے تڑپتا ہے۔ لیکن کام نہیں ملتا —— یہ کیسا نظام ہے؟"
جگدیش بہت دیر تک سوچتا رہا۔ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔
رات زیادہ اندھیری ہوگئی تھی۔ اور رات کی اداس اندھیری نے اسے اور زیادہ اُداس بنا دیا تھا۔

۱۵

جگدیش خود حیران تھا کہ اسے کیا ہو گیا تھا۔ کملا کی جگہ رانی کیوں لے رہی تھی۔ کیا وہ رانی سے محبت کرنے لگا تھا؟ اور اگر واقعی اسے رانی سے محبّت ہو گئی ہے تو کملا سے کس قسم کا عشق تھا؟ کیا وہ رانی کے قریب اس لئے آ رہا تھا کہ کملا دُور تھی؟ یا رانی کملا سے زیادہ جاذبِ منظر تھی، اگر رانی اور کملا کا مقابلہ کیا جائے تو رانی ایک تجربہ کار لڑکی تھی اور کملا گاؤں کی الھڑ دوشیزہ جس نے زندگی میں پہلی بار عشق کیا تھا، اور شاید آخری بار۔ لیکن رانی کا یہ پہلا عشق نہ تھا اور اس کا احساس اسے اس دن ہوا جب رانی اس کو دوسری بار ملی۔ وہ شوٹنگ ختم کر کے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ رانی اس کا انتظار کر رہی تھی گو کہ رانی نے بڑی چالاکی سے یہ بتایا کہ وہ یونہی ادھر آ نکلی! لیکن اس کی آنکھوں نے اس راز کو افشا کر دیا کہ وہ عمداً اس سے ملنے آئی تھی۔ پھر بھی جگدیش رانی کو دیکھ کر مسرت سے کھِل اٹھا اور اسے سیدھا ایرانی کی دوکان پر لے گیا۔ دونوں ایک فیملی روم میں بیٹھ گئے۔ جگدیش نے چائے منگوائی اور کچھ بسکٹ وغیرہ۔ دونوں نے چائے پی اور اچانک جگدیش کا ہاتھ رانی کے ہاتھ سے چھو گیا۔ لیکن رانی نے کچھ نہ کہا اور اسے ایسے دیکھتی رہی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ آج جگدیش رانی کے متعلق سب کچھ جاننا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے وہ کیا کرتی تھی؟ اب کیا کرنے کا ارادہ ہے اور آگے کیا کرے گی؟۔ "رانی تم اس شہر میں کب آئیں؟ کیسے آئیں؟" اس نے رانی سے پوچھا۔ لیکن رانی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بس اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"یوں نہ دیکھئے گا۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ میں آپ کی نگاہوں کی تاب نہ لاسکوں گا۔"

وہ مسکرائی۔

اور اس کے چھوٹے چھوٹے دانت جو نہایت صاف اور چمکدار تھے، اس کے بھرے بھرے ہونٹوں کے درمیان چمک اٹھے۔ جگدیش نے اتنے خوبصورت دانت آج تک نہ دیکھے تھے۔

پھر اس کی نگاہیں اس کے بھورے بھورے بالوں پہ جاکر اٹک گئیں۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟"

"تمھارے بھورے بال۔"

"تمھیں اچھے لگتے ہیں؟"

"اچھے نہ لگتے تو کیوں دیکھتا۔"

"پہلے بہت لمبے تھے۔ یہاں آکر کٹوا دئیے میں نے۔"

"اچھا کیا تم نے۔ مجھے بھی لمبے بال اچھے نہیں لگتے۔ جو بال شانوں پہ لہراتے رہ جائیں، وہ مجھے زیادہ خوبصورت دکھائی دیتے ہیں۔"

"یہی کچھ اس سے پہلے بھی ایک آدمی نے کہا تھا۔"

"کون تھا وہ؟"

"میرا پہلا خاوند۔"

"تم.... تمھاری شادی ہو چکی ہے؟"

"ہو چکی تھی۔"

"خاوند نے تمھیں چھوڑ دیا، یا تم نے خاوند کو چھوڑ دیا؟"

"خاوند نے مجھے دھوکا دیا۔"

"کیوں؟"

"مرد بے وفا ہوتے ہیں۔"

"بہت پرانا فقرہ ہے۔"

"یہ تو میری آزمائی ہوئی بات ہے۔"

"ہر مرد بے وفا نہیں ہوتا!"

"میں تو اپنے تجربے کی بنا پر کہتی ہوں۔ میں لاہور میں تھی، جب میری اس شخص سے ملاقات ہوئی۔ وہ شخص، مجھ سے عمر میں کافی بڑا تھا۔ اگر میں سولہ برس کی تھی تو وہ تقریباً پینتیس برس کا ہوگا۔ وہ شادی شدہ تھا۔ نہ جانے مجھے کیوں اس سے محبت ہوگئی۔ یہ میری بھول تھی۔ لیکن اس وقت میں اس جذبے کو روک نہ سکی۔ اور میں اس کے پیچھے پھرنے لگی۔ وہ بھی مجھ پر فریفتہ تھا۔ وہ ہر روز ہمارے گھر آتا۔ میرے والد سے بات چیت کرتا۔ میرے والد کو اس عشق کا علم نہ تھا۔ محبت کی آگ آہستہ آہستہ بھڑکتی رہی ــ اور ایک دن آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑی۔ میں ان دنوں بہت چھوٹی سی تھی ــ بے سمجھ تھی۔ دنیا کا کچھ علم نہ تھا۔ میرا یہ پہلا عشق تھا۔ اور واقعی سچا عشق تھا۔ میں نے اسے دل وجان سے چاہا۔ وہ مجھے گھر سے نکال کر ایک دوسرے شہر میں لے آیا۔ اور اس شہر میں اُس نے میرے ساتھ شادی کی۔ میں خوش تھی۔ وہ خوش تھا۔ اسی طرح چھ مہینے گذر گئے۔ وہ کما کر لاتا تھا۔ میں کھانا پکاتی تھی اور دونوں پیار سے رہتے تھے۔ لیکن ایک دن اس کی بیوی اپنے بچوں کو لے کر ہمارے مکان پر آگئی۔ اس عورت کو یہ مکان کس نے بتا دیا تھا، یہ مجھے آج تک معلوم نہ ہو سکا۔ بیوی نے میاں کو خوب گالیاں دیں۔

پھر رونے لگی ۔ اسے روتا دیکھ کر مجھے بھی رونا آگیا ۔ اس کے بچے دبلے اور کمزور ہوگئے تھے ۔ اس کی بیوی سوکھ کر کانٹا ہوگئی تھی ۔ جو کچھ وہ کماتا تھا مجھے دیتا تھا ۔ اس کی بیوی کی کون دیکھ بھال کرتا ؟ اگر اس کی صرف بیوی ہی ہوتی تو کوئی بات نہ تھی ۔ لیکن اس کے دو بچے بھی تھے ۔ ایک لڑکا اور ایک ننھی منی سی لڑکی ۔ جو بالکل ماں پر گئی تھی ۔ اس لڑکی نے میری طرف دیکھا تو وہ مسکرا پڑی اور اپنے دونوں بازو میری طرف کر دئے ۔ میں نے اسے بانہوں میں لے لیا اور اپنے دھڑکتے ہوئے سینے سے لگا لیا ۔

اس کی بیوی کہنے لگی ۔ "ہم دونوں اکٹھے رہیں گے" ۔ میں مان گئی کیونکہ مجھے اس کے دو بچوں کو دیکھ کر ترس آگیا تھا ۔ اس کی بیوی اور میں اکٹھے رہنے لگے ۔ آہستہ آہستہ میرے اور اس شخص کے درمیان ایک دیوار ابھرنے لگی ۔ وہ اپنے بچوں سے بیحد پیار کرنے لگا تھا ۔ اس سے پہلے اس کا پیار کہاں سو گیا تھا ؟ اس چھ مہینوں میں اسے اپنے بچے کیوں یاد نہ آئے ؟ وہ کونسی طاقت تھی جس نے اسے اپنی بیوی اور بچوں کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا ۔ اور اب وہ کونسی طاقت تھی جو دوبارہ اسے اپنے بچوں کے قریب لا رہی تھی ۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا ۔

اب اس کا بہت سا وقت بچوں کے ساتھ گذرتا ۔

"آج بچوں کو یہ چاہیئے ! انھیں اسکول جانا ہے ! ان کے لئے کپڑے چاہئیں ، لڑکا بیمار ہوگیا ہے ! لڑکی کو خسرہ نکل آیا ہے ! آج انھیں تماشے میں جانا ہے ۔" یہ تمام باتیں آہستہ آہستہ میرے اور اس کے درمیان ایک دیوار بن کر کھڑی ہوگئیں اور میں اس سے دور ہوتی گئی ۔ اب مجھے محسوس ہونے لگا کہ اسے اپنے بچوں سے زیادہ محبت ہے ۔ وہ اپنے بچوں کو کبھی نہیں

چھوڑ سکتا۔ اور جب اس کی پہلی بیوی نے اپنے خاوند کی اس کمزوری کو اچھی طرح بھانپ لیا تو اُس نے میرے ساتھ بدسلوکی شروع کردی۔ ہر روز لڑائی جھگڑا کرتی۔ اور وہ اکثر اپنے خاوند سے شکایت کرتی ——— "تم ایس سے بات کیوں کرتے ہو؟ اس کے ساتھ زیادہ وقت کیوں گذارتے ہو؟ یہ گھر کا کام کاج بالکل نہیں کرتی۔ دن رات پلنگ پر پڑی رہتی ہے۔ اگر اسے شہزادی بنا کر رکھنا ہے تو مجھے میکے بھیج دو۔"

یہ سُن کر وہ ضرور کڑھتا۔ لیکن اب اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ اپنی پہلی بیوی کو کچھ کہہ سکے۔ اکثر میرے ساتھ اس کی لڑائی ہوتی۔ اور جب میں نے یہ دیکھ لیا کہ اس کی محبت میں ایک نمایاں فرق آرہا ہے، وہ گرمی، وہ ہنسی، وہ اُنس اب نہیں رہا۔ اب محض خاوند اور بیوی کا ایک رشتہ ہے جسے وہ نبھا رہا ہے تو میں نے بھی کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اب میں اُس سے کم بولتی۔ اس سے کسی چیز کی طالب گار نہ ہوتی۔ میرا خیال تھا کہ ان باتوں کا اس کے ذہن پر اثر ہوگا اور وہ ایس بے رُخی کو برداشت نہ کرکے میری طرف پھر جھکے گا۔ لیکن ایسا نہ ہوا کیونکہ اس کی محبت میرے لئے مرچکی تھی۔ میں نے مناسب یہی سمجھا کہ اس گھر سے نکل بھاگوں۔ واپس والد کے پاس جانا نہ چاہتی تھی۔ کیا منہ لیکر باپ کے پاس جاتی ——— اور بالآخر میں بمبئی چلی آئی اور یہاں میری ملاقات لاجونتی سے ہوگئی"۔

"یہ لاجونتی کون ہیں۔ کیا آپ کی کوئی رشتہ دار ہیں؟"

"جی نہیں۔"

"تو آپ کی ان سے کہاں اور کیسے ملاقات ہوگئی؟"

"یہ قصہ پھر سناؤں گی۔ اب میں اور لاجونتی ایک کمرے میں رہتی ہیں۔"

"کہاں ہے وہ کمرہ ؟"
"کھار میں ۔ چلیے گا ؟"
"چلیئے" جگدیش نے بل ادا کیا ۔ دونوں بس میں بیٹھے اور کھار اتر کے رانی کے مکان کی طرف ہولئے ۔ دراصل یہ مکان نہ تھا محض ایک کمرہ تھا ۔ آبادی سے بہت دور ۔ اس کے چاروں طرف کچے جھونپڑے تھے اور ان کے درمیان یہ کمرہ پکی اینٹوں کا بنا تھا ۔ اس کے آگے کھلا میدان تھا ۔ پاس ہی ایک تالاب تھا جہاں برسات کا پانی جمع ہوتا تھا ۔ اس سے پرے ایک اور کھلا میدان، اس سے آگے ناریل کے درختوں کے جھنڈ اور ان سے آگے سمندر ساحل کو چوم رہا تھا ۔

جب دونوں مکان میں پہنچے تو شام ہو چکی تھی ۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی اور سورج ناریل کے درختوں کے پرے چھپ گیا تھا ۔

رانی کا کمرہ کافی چھوٹا تھا ۔ سامنے برآمدہ تھا ۔ اس برآمدے میں دو بکریاں بندھی تھیں ۔ ایک کا نام تھا نرگس اور دوسری کا مدھو بالا ۔

جگدیش نے پوچھا ۔ "راجکپور اور دلیپ یہاں نہیں ہیں ؟"

اور جواب میں رانی اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی ۔

"لاجونتی کہاں ہے ؟"

"ابھی آئے گی ۔"

"کہاں گئی ہوئی ہے ؟"

"کام پر"

کمرے میں ایک چارپائی تھی ۔ ایک اسٹو تھا ۔ ایک گھڑا تھا ۔ کچھ برتن تھے ۔ سامنے دیوار پر کچھ کپڑے لٹک رہے تھے ۔ ایک طرف چھوٹی سی میز تھی ۔

جس پر برُش، کریم اور دیگر چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔

رانی نے اپنے تین چار فوٹو دکھائے۔ فوٹو اتنے خوبصورت نہ تھے۔

"آپ نے یہ فوٹو کہاں کھنچوائے؟"

"ایک کیمرہ مین نے کھینچ کر دئے ہیں"

"فوٹو اچھے نہیں ہیں۔ آپ یوں کافی خوبصورت دکھائی دیتی ہیں۔ آپ کے فوٹو بہتر آسکتے ہیں اگر کسی اچھے کیمرہ مین سے کھنچوائیں"

"اچھا — یہ بتائیے آپ کیا پئیں گے؟"

"کچھ نہیں"

"پیاس نہیں لگی؟"

وہ اس کے لبوں کو دیکھنے لگا۔

وہ مسکرائی۔

کاش وہ ہنس پڑتی اور اُس کے خوبصورت دانت اور نمایاں ہوجاتے۔

اُس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کوئی آجائے گا"

"آجانے دو۔"

"لاجونتی دیکھ لے گی"

"تو کیا کہے گی؟"

"وہ مجھ پہ خفا ہوگی۔"

"کیوں؟"

"وہ کہتی ہے اس قسم کا عشق اچھا نہیں ہوتا"

"کس قسم کا عشق؟"

"یہی جو میں آپ سے کر رہی ہوں۔"
"آپ مجھ سے عشق کر رہی ہیں۔؟"
وہ جھینپ گئی۔
"لاجونتی کس قسم کا عشق کرتی ہیں؟"
"مجھے کچھ معلوم نہیں۔"
"شرمائیے نہیں، بتائیے تو سہی۔"
"مجھے چھوڑیئے ــــ مجھے تو ابھی کھانا پکانا ہے ــــ لاجونتی آتی ہوگی۔"
"ضرور کھانا پکائیے ــــ کون منع کرتا ہے۔"
"مجھے کسی فلم میں کام دلائیے۔"
"میں ابھی تک خود نیا نیا ہوں۔"
"آپ کے پاس تو ایک کنٹریکٹ ہے۔"
"ایک کنٹریکٹ سے کیا ہوتا ہے۔"
"یہاں تو ایک کنٹریکٹ بھی نہیں؟"
"گذارہ کیسے ہوتا ہے؟"
"بس ہو جاتا ہے۔"
"روپے کون لاتا ہے؟"
"لاجونتی"
"کہاں سے؟"
"فلم میں کام کرتی ہے نا وہ۔"
خاموشی
"کیا آپ کل میرے ساتھ سینما چلیں گی؟"

"کون سی فلم دیکھیں گے ؟"

"جو آپ کہیں ۔"

وہ میری طرف گھور کر دیکھنے لگی ۔ باہر ایک بکری ممیائی ۔

میں کمرے سے باہر چلا آیا ۔ اندر گرمی تھی ۔ باہر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی ۔ اور ہلکا ہلکا اندھیرا سارے میدان میں پھیل چکا تھا ۔ سورج سمندر میں غرق ہو گیا تھا اور شفق نے ایک کالی چادر اوڑھ لی تھی ۔ وہ کپڑے بدل کر باہر آ گئی تھی ۔ اب اس نے شلوار اور قمیص پہن رکھی تھی اور سر پر ایک دوپٹہ اوڑھ لیا تھا ۔

"آپ اس ڈریس میں اچھی دکھائی دیتی ہیں ۔"

"آپ تو مذاق کرتے ہیں ۔"

"آپ کل کتنے بجے چلیں گی ؟"

"جب آپ کہیں ۔"

"تین بجے کا شو دیکھیں گے ۔"

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا ۔

"میں یہاں لینے آؤں یا آپ سٹی لائٹ خود ـــــ تشریف لائیں گی ؟"

"میں خود وہاں آجاؤں گی ۔"

"میں وقت پر پہنچ جاؤں گا ۔ مجھے زیادہ عرصہ انتظار نہ کرائیے گا ۔"

"جی نہیں ۔"

"تو مجھے اجازت ہے ؟"

"لاجونتی کو آنے دیجئے ۔"

"ان سے مل کر کیا کریں گا ؟"

"یوں ہی ۔"

"یونہی ملنا فضول ہوتا ہے۔ وہاں تک تو میرے ساتھ آئیے۔"

"لوگ دیکھ لیں گے تو کیا کہیں گے؟"

"یہ اپنے دل سے پوچھیے۔"

وہ خاموش ہو گئی۔

"تو میں جاؤں؟ آپ میرے ساتھ اُس میدان تک نہیں چلیں گی؟"

"چلوں گی۔ اگر آپ اصرار کریں گے۔"

"اندھیرا بڑھ رہا ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے گا۔"

"اندھیرا واقعی بڑھ رہا ہے۔"

"آپ بالکل اکیلی اور اجاڑ جگہ پر رہتی ہیں۔ چور ڈاکو کا یہاں کوئی خطرہ نہیں؟"

"ہمارے پاس ہے کیا؟"

"بہت کچھ ہے۔"

"مثلاً؟"

"آپ کے سفید سفید موتی سے دانت۔"

"ان کو ڈاکو لے کر کیا کرے گا؟"

"اور آپ کے بھورے بھورے بال، جو اس وقت کالے سیاہ دکھائی دے رہے ہیں۔"

"بازار میں بال بہت سستے بکتے ہیں۔ مجھے مار کر وہ کیا لیں گے؟"

"اور آپ کا قد۔"

"بمبئی میں مجھ سے اچھے قد کی عورتیں آپ کو مل سکتی ہیں۔"

"اور یہ بھرے بھرے ہونٹ۔"

"مراہٹی عورتوں کے ہونٹ اکثر بھرے بھرے ہوتے ہیں۔ آپ کافی

بیہودہ باتیں کرتے ہیں۔ میں نے سوچا تھا۔ آپ کافی شرمیلے اور شریف ہوں گے لیکن آپ تو کافی عیار نکلے۔"

"میں نے آپ سے کیا عیاری کی ہے؟"

"لیکن آپ کر سکتے ہیں۔"

"جب کوئی ایسی ویسی حرکت کروں تب گلہ کیجیے گا۔"

"گلہ کرنے کے میں قابل نہیں رہی۔"

"میں آپ کے احسان کے بوجھ تلے جھکا جا رہا ہوں۔"

"میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ میرے دل کی آواز تھی۔"

"آپ اچھے خاصے ڈائیلاگ بول لیتی ہیں۔"

"کوئی چانس نہیں دیتا۔"

"انتظار کیجیے۔"

"کہیں انتظار انتظار میں بوڑھی نہ ہو جاؤں۔"

اندھیرا اور بڑھ گیا تھا۔

"اب اجازت ہے؟ کل سٹی لائٹ پر ضرور ملئے گا۔"

"بھروسہ رکھئے مجھ پر"

اس نے ہاتھ جوڑ کر نمستے کی۔ جگدیش نے بھی نمستے کی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا میدان پار کرنے لگا۔

رات اور گہری ہو گئی۔ لیکن ساتھ ہی دل کے ویرانے میں ایک نئی شمع جھلملانے لگی تھی۔

۱۶

جب سے جگدیش کملا سے جُدا ہوا تھا اس نے کملا کو کوئی ایک خط بھی نہ لکھا تھا۔ اور وہ خط لکھتا بھی کیسے۔ لیکن کملا کے دل میں جگدیش کے لئے پہلے جتنی ہی محبت تھی۔ اس میں رتی بھر بھی فرق نہ آیا تھا۔ کملا ان لڑکیوں میں سے تھی جو زندگی میں صرف ایک بار محبت کرتی ہیں اور ایک بار جس کو زندگی میں اپنا ساتھی بنا لیتی ہیں اس کے سہارے زندگی گذار دیتی ہیں۔ ویسے بھی کملا کو اپنی پسند پر شرمندہ ہونے یا افسوس کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ جگدیش سے بہتر لڑکا اسے نہ مل سکتا تھا۔ وہ کسی اور کی طرف نہ دیکھتی تھی۔ جگدیش کی ہر بات اسے پسند تھی۔ اس کا چہرہ۔ اس کا قد۔ اس کی آواز۔ اس کا گھر۔ اس کی خاموش طبیعت، اس کی رنگت۔ اس کا اُٹھنا، بیٹھنا۔ اس کے بال، غرضیکہ اسے جگدیش کی ہر چیز پسند تھی اور شاید ضرورت سے زیادہ پسند تھی۔ اس لئے اس کا دماغ کوئی اور بات نہ سوچ سکتا تھا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ جب جگدیش برسرِ روزگار ہو جائے گا تو وہ اسے خط لکھے گا۔ یہاں آکر اس سے شادی کرلے گا۔ اس کے ذہن میں یہ بات ہی نہ آسکتی تھی کہ جگدیش شہر جاکر کسی اور لڑکی سے عشق کر سکتا ہے۔ کملا کی نگاہ میں جگدیش ایک شریف قسم کا لڑکا تھا۔ اور شہر میں سب اس کی شرافت کا اعتراف بھی کرتے تھے۔ جب تک وہ گھر رہا ایسی کوئی بات نہ ہوئی جس سے اس کے کیریکٹر پہ کوئی دھبہ لگ سکتا۔

کملا اکثر جگدیش کے یہاں جاتی تھی اور گھنٹوں وہاں بیٹھی رہتی تھی۔ کملا میں اور جگدیش کی ماں اور اس کی بہن کے درمیان ایک قسم کا پیار، ایک اپنا پن

پیدا ہوگیا تھا۔ جگدیش کی ماں شادی نہ ہونے کے باوجود کملا کو اپنی بہو سمجھنے لگی تھی اور کملا جگدیش کی ماں کو اپنی ساس۔ باتوں کا اور برتاؤ کا انداز کچھ ایسا تھا جس میں پیار اور خلوص زیادہ تھا، رسمی تکلّف کم تھا۔ جگدیش کی بہن بھی کملا کو گھر کا ساری باتیں سناتی۔ جس دن جگدیش کا پچاس روپیہ کا منی آرڈر آیا، وہ دوڑی دوڑی گئی اور کملا کو جا سنایا کہ بھائی جی کی کہیں نوکری لگ گئی ہے۔ انھوں نے پچاس روپیہ کا منی آرڈر بھیجا ہے۔

اسی طرح جب بھی جگدیش کا خط آتا، جگدیش کی بہن چھپ کر ضرور کملا کو خط سُناتی۔ کملا خط سن کر بے حد خوش ہوتی۔ گو اُس خط میں کملا کا ذکر نہ ہوتا تھا۔ لیکن یہ سن کر کہ جگدیش راضی خوشی ہے، اس کی صحت اچھی ہے، وہ کام پر جاتا ہے، اُسے خوشی ہوتی۔ جگدیش کے خطوں میں اکثر ماں کے لئے لکھا ہوتا۔ "ماں تم فکر نہ کرنا۔ میں جلد امیر ہو جاؤں گا۔ پھر ایک فلیٹ لے لوں گا۔ تمہیں یہاں بلا لوں گا۔ تمھیں کام نہیں کرنے دوں گا۔ تمھیں نوکر رکھ کر دوں گا۔" اور پھر بہن کے متعلق فقرے ہوتے۔ "مُنّی کیسی ہے؟ کیا وہ اسکول جاتی ہے؟ وہ تو خوب بڑی ہوگئی ہوگی؟ کیا وہ تمھارا کہنا مانتی ہے؟ کیا وہ مجھے یاد کرتی ہے؟" کملا اور جگدیش کی بہن دونوں خط پڑھتیں۔ اکثر دونوں کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ منی کہتی۔ "انھیں کیا پتہ۔ میں کتنا انھیں یاد کرتی ہوں۔ میں سچ کہتی ہوں۔ وہ مجھے بہت چاہتے ہیں۔ بہت اچھے بھائی ہیں۔ ایسے بھائی دنیا میں ملا نہیں کرتے۔"

کملا دل ہی دل میں خوش ہوتی۔ لیکن ساتھ ہی اُسے رنج بھی ہوتا اور کبھی کبھار غصہ بھی آتا کہ کم سے کم ایک بار تو خط لکھا ہوتا یا انہیں خطوں میں ذکر کیا ہوتا۔ آخر اتنا ڈر کس بات کا؟ اِس خط میں نمستے لکھ دیتے۔ میں انھیں

کتنا یاد کرتی ہوں ۔ رات بھر نیند نہیں آتی ۔ کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا یہاں تک کہ گھر والوں سے بولنے کو من نہیں کرتا ۔ جب سے وہ یہاں سے گئے ہیں ، یہ شہر مجھے کچھ روکھا پھیکا لگتا ہے ۔ سہیلیوں سے جی نہیں بہلتا ۔ یہ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھے چاہتے ہیں ۔ کسی اور کو نہیں ، لیکن آخر کب تک ؟ لیکن مجھے تو کچھ لکھتے ؟ لیکن وہ کیسے لکھتے ؟ ابھی تک تو سگائی نہیں ہوئی ۔ صرف زبانی جمع خرچ ہے ۔"

اکثر کملا بیٹھے بیٹھے جگدیش کی بابت سوچنے لگتی ـــــ وہ کہاں ہوں گے ۔ کیا کر رہے ہوں گے ؟ شاید کام کر کے دفتر سے نکل پڑے ہوں گے ۔ راستے میں ہوں گے ۔ بازار میں کسی دوکان پر چائے پی رہے ہوں گے ۔ اس وقت بمبئی میں کیا وقت ہوگا ؟ کیا وہاں بھی شام ہوگی ؟ لوگ کہتے ہیں جب یہاں دن ہوتا ہے تو لندن میں رات ہوتی ہے ۔ لیکن بمبئی میں کیا وقت ہوگا ؟ بمبئی کیسا شہر ہوگا ؟ کیا اس شہر سے بڑا شہر ہوگا ؟ وہ کس جگہ رہتے ہوں گے ؟ اب تو الگ کمرہ لے لیا ہوگا ۔ کمرہ اچھا خاصہ بڑا ہوگا ۔ اس کمرے میں وہ اکیلے ہوں گے ۔ شاید وہ مجھے یاد کر رہے ہوں ..... لیکن وہ مجھے کیوں یاد کریں گے ؟ بھلا یاد کیوں نہ کریں گے ؟ اور کس کو یاد کریں گے ؟ انھوں نے کہا تھا ۔ "کملا میں تم سے محبت کرتا ہوں" وہ واقعی مجھ سے محبت کرتے ہیں وہ جلدی مجھے بلائیں گے ۔ اگر وہ نہیں بلائیں گے تو میں خود چلی جاؤں گی ..... لیکن کیسے جاؤں گی ؟ لیکن مجھے جانے کی کیا ضرورت ہے ؟ وہ خود یہاں آئیں گے ـــ ہاں مجھ سے اچھی لڑکی انھیں کہاں ملے گی ؟ کہیں نہیں ! وہ کوشش کر کے دیکھ لیں ۔ مجھ سے بہتر لڑکی انہیں نہیں ملے گی ، یہ سوچتے سوچتے کملا خود ہی شرم و حیا سے سکڑ جاتی ۔ اپنے سر پہ پلو ٹھیک کرتی اور

آنچل کو اپنی چھاتیوں پر سرکا لیتی۔ 'کوئی دیکھ تو نہیں رہا' دل نے کہا۔ 'نہیں کوئی نہیں۔ وہ تو بہت دور ہیں۔ یہاں سے میلوں دور۔ لیکن مجھ سے بہت نزدیک ہیں۔ میں ان کی صورت دیکھ سکتی ہوں۔ ان کی آنکھوں کی پتلیوں میں اپنا عکس دیکھ سکتی ہوں۔ ان کی چوڑی پیشانی کو دیکھ سکتی ہوں ان کی خاموشی کو سُن سکتی ہوں۔ ان کے قدموں کی آہٹ کو پہچان سکتی ہوں۔ ان کے گرم سانس کو اپنی جبیں پر محسوس کر سکتی ہوں'۔ اور کملا کے جذبات ایک طوفان کی طرح اس کا تعاقب کرتے چلے جاتے تو اب کہاں جائے گی کہیں نہیں جا سکتی۔ تو اب ان کی ہو کر رہ گئی ہے۔ صرف ان کے جذبات کی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس مرکز سے ہٹ جانا تیرے لئے مشکل ہو گیا ہے'۔

۱۷

جگدیش دوسرے دن تین بجے سٹی لائٹ سنیما پہنچ گیا تھا۔ رانی ابھی تک نہ آئی تھی۔ تین بج چکے تھے۔ جگدیش نے سوچا۔ شاید رانی نہ آئے۔ لیکن رانی کو اگر نہ آنا ہوتا تو وہ وعدہ کیوں کرتی؟ اتنے کھل کر اپنی زندگی کے حالات ظاہر نہ کرتی۔ جگدیش اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ رانی آ کر اس کے قریب کھڑی ہو گئی۔ ایک سیکنڈ کے لئے جگدیش کا کلیجہ اس کے منھ کو آ گیا اور دل دھک دھک کرنے لگا۔ رانی ایک سفید ساڑی میں ملبوس تھی اور آنکھوں پر گوگل لگائے ہوئے تھی۔ ساڑی جسم کے ساتھ چپکی ہوئی تھی اور جسم کا ہر خط واضح اور پرکشش تھا۔ وہ اس کو دیکھ کر مسکرائی۔ ابھی تک بہت کم لوگ آئے تھے۔ شاید فلم اچھی نہ تھی اسی لئے بھیڑ زیادہ

نہ تھی۔ ٹکٹ گھر کُھل گیا تھا۔ جگدیش نے بالکونی کے دو ٹکٹ لئے اور پھر وہ دونوں سیڑھیاں چڑھ گئے۔ اوپر جگہ خالی تھی۔ ایک صوفہ سیٹ پڑا ہوا تھا۔ دونوں اس پر بیٹھ گئے۔ رانی بہت کم باتیں کرتی تھی۔ بڑی متانت اور سنجیدگی سے اُس کی طرف دیکھتی تھی۔ اس کی شخصیت میں ایک وقار تھا۔ ویسے بھی دل کش نقش اکثر مردوں کو مرعوب کرتے ہیں۔ اور اس لئے جگدیش مرعوب ہو رہا تھا اور اُس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ لیکن اس کے دل میں رہ رہ کر یہ خیال آ رہا تھا کہ وہ کیوں اس لڑکی کی طرف کھنچا جا رہا ہے؟ آخر اس لڑکی میں کونسی قوت ہے، کونسی طاقت ہے جس نے جگدیش کو مجبور کر دیا کہ وہ عین وقت پر سینما پہنچ گیا۔ آخر کملا اس لڑکی سے کس طرح اور کس بات میں کم ہے؟

کملا کا نام ذہن میں آتے ہی جگدیش کے دل میں ایک جھرجھری سی آ گئی جیسے وہ کوئی چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا ہو۔ اگر کملا اُسے اس طرح رانی کے ساتھ سینما جاتے ہوئے دیکھ لے تو اُسے کتنا دکھ ہوگا۔ اس وقت کملا کیا کر رہی ہوگی؟ وہ کملا سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ جیوں ہی وہ برسرِ روزگار ہوگا اس سے شادی کرے گا۔ اور کملا نے اس کی ہر بات کو پان لیا تھا کملا کتنی بھولی اور انجان تھی۔ اس کی ہر بات کو پتھر کی لکیر سمجھ بیٹھی تھی۔

یکایک رانی نے اُس کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ "آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں" جگدیش گھبرا کر بولا۔

"آپ بالکل خاموش ہیں۔"

"یہ تو آپ کی شخصیت کا اثر ہے۔ آپ ذرا گوگل اتار دیجیے۔"

"کیوں ؟"

آپ کی آنکھیں خوبصورت ہیں اور مجھے اچھی لگتی ہیں "۔

" آنکھیں میری بہت چھوٹی ہیں۔ اسی لئے میں چھپا کر رکھتی ہوں "۔

" یہ کسی نے آپ سے غلط کہا۔ دراصل آپ کے سارے چہرہ میں صرف آپ کی آنکھیں ہیں جو بولتی ہیں۔ آپ کے لب خاموش رہتے ہیں۔ زبان حرکت نہیں کرتی۔ لیکن آنکھوں کو دیکھ کر میں آپ کے دل کی ہر حرکت کو پڑھ سکتا ہوں "۔

" آپ پھر جوتش ودیا سے لگاؤ رکھتے معلوم ہوتے ہیں ؟ "

" جی نہیں ، مگر بہت سی باتیں چہرہ دیکھ کر بتا سکتا ہوں "۔

" اچھا آپ میرا ہاتھ دیکھئے "۔

" اسے دیکھ کر کیا کروں گا۔ میں آپ کے متعلق بہت کچھ جانتا ہوں۔ اور آپ نے اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا ہے۔ کوئی بات مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے "۔

" ماضی کے متعلق نہیں۔ حال اور مستقبل کے متعلق جاننا چاہتی ہوں "۔

اس نے رانی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ہاتھ میں ایک قسم کی سختی تھی۔ وہ ہاتھ نرم نہ تھا۔

" کیا مجھے فلم لائن میں کام ملے گا ؟ "

" آپ کو کوشش جاری رکھنا چاہیئے "۔

" ہاتھ کیا کہتا ہے ؟ "

" ہاتھ کہتا ہے کام ملے گا "۔

" کس کی معرفت ملے گا ؟ "

" اس کا نام نہیں بتا سکتا۔ آپ کو فلم میں کام کرنے کا بہت شوق ہے "۔

"شوق اس لئے ہے کہ اس لائن میں پیسے بہت ہیں۔"
"لیکن ٹھوکریں بہت زیادہ ہیں۔"
"ٹھوکریں کھانے کی عادت ہو چکی ہے۔"
"یہ عادت بہت بُری ہے۔"
"قسمت ہی میں لکھا ہے۔"

اتنے میں سینما کی تیسری گھنٹی ہوگئی۔ اور جگدیش اور رانی دونوں اندر چلے گئے۔ جگدیش نے جان بوجھ کر سب سے پیچھے سیٹ لی تھی اور خوش قسمتی سے اس دن ہال میں بہت کم لوگ تھے۔ اُن دنوں ویسے بھی ہال خالی رہتے تھے کیونکہ لوگوں کے پاس اتنا فالتو روپیہ نہ تھا کہ وہ ہر فلم دیکھیں۔ روٹی اور پیٹ کا مسئلہ زیادہ کٹھن ہوگیا تھا۔ چیزوں کی قیمتیں چڑھ گئی تھیں۔ بیکاری اور غربت دن بدن بڑھ رہی تھی۔ اس لئے لوگ سب سے پہلے راشن خریدتے تھے۔ پھر فلم دیکھتے تھے اور وہ فلم دیکھتے تھے جو اچھی ہو۔

جگدیش کا موڈ فلم دیکھنے کا نہ تھا۔ وہ تو محض رانی سے باتیں کرنے سینما میں آیا تھا۔ اکیلے بیٹھ کر اس کے حُسن سے محظوظ ہونا چاہتا تھا، کیونکہ ہال میں اندھیرا ہوتا ہے اور اندھیرا ایسی باتوں کے لئے سب سے زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ دونوں دو کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ فلم شروع ہوئی۔ جگدیش نے رانی کے کندھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔ رانی نے کچھ نہ کہا۔ جب کچھ منٹ گذرے تو رانی نے اس کی طرف دیکھا اور دونوں کے ہونٹ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ جگدیش ان لبوں کو چومنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا اس کے بعد وہ کیا کرے گا؟ کیا اسے رانی سے شادی کرنا پڑے گی؟ کملا سے اسے شادی کرنی ہے۔ وہ یہ وعدہ اُسے دے چکا ہے۔ اس لئے وہ رانی کے

ساتھ کیسا برتاؤ کرے۔ کیا وہ اسے کسی فلم میں کام دلوا سکتا ہے؟ دل نے کہا پہلے خود تو کام تلاش کر لو۔ بڑی مشکل سے ایک رول ملا ہے۔ خود تو بھوکے مر رہے ہو دوسروں کو کیا کام دلواؤ گے۔ اگر جگدیش رانی کے گھر نہ ہو آیا ہوتا تو شاید وہ رانی کی مالی حالت سے آگاہ نہ ہوتا۔ پھر شاید اس قسم کے خیالات اس کے دل میں نہ اُبھرتے۔ لیکن رانی اور لاجونتی کا کمرہ دیکھ کر اسے اُن کی غربت کا احساس ہو گیا تھا۔ گو دونوں کی ظاہری چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی لیکن ایک بار کمرہ دیکھ کر اِس بات کا احساس ہو جاتا تھا کہ یہ چمک محض چند روز کی ہے۔ اور اس کے پیچھے دکھوں تکلیفوں اور ناکامیوں کا ایک لمبا جلوس ہے۔ خوبصورت ساڑھیاں بھی ہیں۔ ہونٹوں پر لپ سٹک بھی ہے۔ بالوں میں تیل بھی ہے۔ جسم پر خوبصورت بلاؤز بھی ہے۔ پاؤں میں چپل بھی ہے۔ لیکن زندگی میں کتنی بے اطمینانی ہے۔ کل کا کچھ پتہ نہیں۔ کل کیا ہو جائے۔ جو کل گذر گیا اس کی یاد دل میں ہے، جو آئے گا اس کا دھڑکا روح میں ہے اُس کل کا کیا ہوگا؟ کیا یہ ساڑی جسم پر رہے گی؟ کیا یہ بلاؤز ہوگا؟ پاؤں میں چپل ہوگی؟ یہ کمرہ اپنے پاس رہے گا؟ راشن کے لئے روپے ہوں گے؟ سنیما دیکھنے کا موقع ملے گا؟ کوئی مسکرا کر دیکھے گا؟ غرضیکہ کچھ معلوم نہ تھا کہ دوسری کل کیسی ہوگی —— زندگی سرپٹ بھاگی جا رہی تھی اور اس پر سے بھروسہ یکسر اُٹھ گیا تھا اور اپنے آپ پر سے یقین اٹھ گیا تھا۔ لوگوں پر سے یقین اُٹھ گیا تھا۔ ایک تلخی ایک ناقابلِ بیان شکست کا احساس دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ زندگی بے رنگ و بو ہوتی جا رہی تھی۔ اور اس کے ساتھ ایک عجیب طرح کی بیقراری، بے اطمینانی اور گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ جو ملتا ہے لے لو۔ زندگی سے جو کچھ جھپٹ سکتے ہو آج ہی جھپٹ لو، کل کی کون جانے۔

جگدیش فلم نہ دیکھ سکا۔ اور فلم میں کچھ دیکھنے کو تھا بھی نہیں۔ فلم سے زیادہ کشش رانی میں تھی۔ رانی ایک تجربہ کار لڑکی ہونے کے علاوہ اپنے آپ میں ایک مقناطیسی کشش رکھتی تھی اور اس کشش سے جگدیش مرعوب ہو چکا تھا۔ لیکن ایک بات جگدیش کے ذہن میں کھٹک رہی تھی اور وہ یہ تھی کہ جگدیش اور رانی دونوں میں سے کسی کے بھی دل میں محبت کا جذبہ کارفرما نہ تھا۔ محبت تو انسان کے دل میں ایک آگ سی لگا دیتی ہے۔ جذبات کو شعلہ سامان کر دیتی ہے۔ جگدیش کے دل میں رانی نے ایسا کوئی احساس پیدا نہ کیا تھا رانی کے متعلق وہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن کوئی رہ رہ کر اس کے کانوں میں کہہ رہا تھا۔ رانی کو تم سے محبت نہیں۔ وہ تم سے کام لینا چاہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ تم اُسے فلم میں کام لیکر دو۔ نہ جانے کیسے اُسے وہم ہو گیا ہے کہ تم اسے کام لیکر دے سکتے ہو۔ اس کے علاوہ ہو سکتا ہے کہ رانی نے سچ مچ اُسے پسند کر لیا ہو۔ آج کل وہ اکیلی ہے۔ پہلے خاوند نے اُسے چھوڑ دیا ہے۔ دوسرا خاوند بیکار ہو کر اُس سے الگ ہو گیا ہے۔ اور عورت کو ایک ایسا مرد چاہیئے جو اس کی حفاظت کر سکے۔ اسے سنیما دکھلا سکے۔ اسے روپے دے سکے۔ اس کے لئے ساڑھی اور بلاؤز خرید سکے۔ اُس کے ساتھ رہ سکے۔ اور اگر ہو سکے تو اُس سے شادی کر سکے۔ اور رانی بھی شاید یہی چاہتی ہے۔ ایک فلیٹ، ایک آدمی، ایک معقول آمدنی اور آسودہ زندگی۔ اس میں محبت کا کوئی دخل نہ تھا۔ محض اچھی طرح زندہ رہنے کی تمنا تھی اور جینے کی ہوس تھی۔

اس نے رانی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے بازوؤں پر اپنا نرم ہاتھ رکھا۔ وہ بالکل اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔ ایک دوبار اس نے اپنے ہونٹوں سے اس کی طرف دیکھا۔ نہ جانے جگدیش کیوں خاموش رہا۔ یہ ہونٹ چومنے کے

قابل تھے۔ یہ لمحہ بھی چومنے کے لئے موزوں تھا۔ یہ لمحہ زندگی میں کبھی کبھی آتا ہے بار بار نہیں آتا۔ اور جب آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے تو پھر ایسے لمحوں کی یادیں ہی باقی رہ جاتی ہیں۔ اس لیئے اس لمحے کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ اس پر اپنے ہونٹوں کی مہر ثبت کر دو تاکہ جب بڑھاپا آئے تو ــــــــــ

ــــــــــ لیکن پہلے اسے کام تو دلاؤ۔ جب اسے کام دلاؤ گے تبھی تم اس بوسے کے حقدار ہوگے۔ اگر کام دلائے بغیر تم نے ان لبوں کو چوما تو یہ کیا کہے گی؟ کیا سمجھے گی؟ یہی کہ تم بھی چار سو بیس ہو۔ تمہارا بھی کوئی ضمیر نہیں ــــ کیا تم اس سے شادی کرنے پر تیار ہو؟ ــــ نہیں ــــ شادی ہرگز نہیں کر سکتا۔ شادی کملا سے کروں گا' رانی سے نہیں'۔ دل نے بڑے یقین اور استقلال سے کہا۔ اور بیتاب بوسہ جگدیش کے ہونٹوں میں سمٹ کر رہ گیا۔ اور وہ لمحہ شہابِ ثاقب کی طرح ٹوٹ کر وقت کی فضاؤں میں گم ہو گیا۔

فلم ختم ہو گئی۔

دونوں باہر نکلے۔ جگدیش ابھی تک سوچ رہا تھا کہ اب بھی وقت ہے کیا ان ہونٹوں کو چوم لے؟ ان رخساروں پر اپنے آتشیں لب رکھ دے؟ اس جسم کی گرمی سے اپنے آپ کو محظوظ کر لے؟ ان بالوں سے کھیل لے؟ ہر خم اور قوس کو پرکھ کر دیکھ لے؟ یہ خم اور یہ گداز بار بار تو نہیں آتے۔ یہ گردن ایک مخصوص ادا کے ساتھ بار بار نہیں جھکتی۔ یہ سفید سفید دانت ہمیشہ نہیں چمکتے۔ یہ رس بھرے ہونٹ بہت کم بار چومنے کو ملتے ہیں۔ یہ زلف پیشانی پر بہت کم بار لہراتی ہے۔ یہ نگاہیں بہت کم بار یوں دعوت دیتی ہیں؟ یہ لمحے زندگی میں بہت کم بار آتے ہیں۔

نہ جانے جگدیش کے ذہن میں کون سی بات اٹک گئی تھی کہ وہ رانی کو نہ چوم سکا۔ اتنا ضبط آج تک اُس نے اپنے آپ پر کبھی نہ کیا تھا۔ نہ جانے کس انجانی قوّت نے اُسے اسیر کر لیا تھا کہ اُس نے اپنے آپ کو اس لمحہ کے لئے تمام لذّتوں کی کشش سے الگ کر لیا۔ شاید وہ رانی کو بتا دینا چاہتا تھا کہ وہ اُسے کام نہ دلا سکے گا۔ اس کے بعد بھی اگر رانی نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا تو وہ ضرور اس کے ہونٹوں کو چومے گا۔ دونوں ایک ریستوران میں گئے۔ چائے پی۔ دونوں باہر نکلے۔ رانی نے اجازت مانگی۔ جگدیش نے اجازت دی۔ ساتھ رانی سے دوبارہ ملنے کو کہا۔

رانی نے کہا۔ "میں آؤنگی۔"

"لیکن کب؟"

"جب فرصت ہوگی۔"

"فرصت کب ہوگی؟"

"آج کل تو فرصت ہی فرصت ہے۔"

"تو پھر ضرور آیئے گا؟"

"ہاں ضرور آؤنگی۔" اور وہ چلی گئی۔ اور جب رانی چلی گئی تو اسے بہت افسوس ہوا کہ واقعی اس نے بہت بُرا کیا۔ کم سے کم اُس سے پیار تو کر لیا ہوتا۔ اس کا ایک بوسہ تو لیا ہوتا ــــ لیکن اگر وہ شادی کے لئے کہتی تو؟ شادی کے لئے؟ ــــ ہاں ــــ شادی تو میں اس سے کر نہیں سکتا۔ اس چھوٹے سے کمرے میں رہتے ہوئے رانی تو کیا کملا سے بھی شادی کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ جب تک اس شہر میں ایک فلیٹ نہ لے لوں۔ جس میں کم سے کم دو کمرے ہوں اور کچن اور باتھ روم،

تب تک میں کچھ نہیں کر سکتا ـــــ اس وقت میری بساط ہی کیا ہے صرف ایک کنٹریکٹ۔ وہ بھی پانچسو روپیہ کا۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ کیا پانچ سو روپوں میں ساری زندگی بیت سکتی ہے؟ اگر دوبارہ رول نہ ملا تو ـــــ تو میری حالت بھی صوفی اور برجی کی طرح ہوگی۔ یہ تو محض خوش قسمتی ہے کہ آتے ہی کام مل گیا۔ دیوانہ تو کہتا تھا کہ یہاں کے لوگ کام نہ ملنے کی وجہ سے واقعی دیوانے ہو جاتے ہیں۔ سیدھے راہئی ملکِ عدم ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی کوئی نہیں پوچھتا میاں کدھر سے آئے تھے، کدھر جا رہے ہو۔ یہ سوچتا سوچتا وہ اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ اُسے پیدل چلنے کا بہت شوق تھا۔ بس میں بیٹھ کر وہ اکتا جاتا تھا۔ شام ہو چکی تھی اور بازاروں میں قمقمے روشن تھے۔ ہوا میں ایک نمی سی تھی۔ لوگ جوق در جوق آ رہے تھے اور جا رہے تھے۔

لیکن آج بازار کی اس رونق نے اُسے اپنی طرف نہ کھینچا۔ وہ آج سیدھا گھر جانا چاہتا تھا تاکہ وہاں پہنچ کر آرام کر سکے۔ نہ جانے آج کیوں وہ تھک گیا تھا۔ اس کی ٹانگیں بھاری بھاری سی ہو رہی تھیں۔ اب وہ دادر پہنچ گیا تھا۔ یہ علاقہ کچھ صاف ستھرا تھا۔ لیکن اُسے دادر سے پریل کی طرف جانا تھا۔ پریل کی طرف آتے ہوئے نہ جانے اُسے کیوں غربت کا احساس ہونے لگتا تھا۔ سڑکوں کے علاوہ اس علاقے کی دوکانیں، مکان اور گلیاں بھی غربت کے اس احساس کی حامل تھیں۔ یہاں لوگ بہت غریب نظر آتے تھے، کیونکہ اس علاقے میں زیادہ تر مزدور لوگ رہتے تھے۔ جب مل کا شفٹ ختم ہوتا تو چاروں طرف مزدور ہی مزدور دکھائی دیتے اور ایسا معلوم پڑتا جیسے وہ کسی بڑے جیل خانے سے باہر نکل آئے ہیں لیکن

باہر نکل کر بھی اطمینان کا سانس نصیب نہیں ہو رہا ہے۔ کیونکہ انھیں گھر جانا ہے جو دور اجاڑ اور گندی بستیوں میں واقع ہیں۔ جہاں ایک ایک کمرے میں دس دس بارہ بارہ مزدور رہتے ہیں۔

اس علاقے سے گذر کر جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اسے ایک عجیب سناٹے سے دوچار ہونا پڑا۔ برجی گھر میں تھا۔ نرائن گھر میں تھا۔ حکیم ناشاد گھر میں تھا۔ لیکن صوفی گھر میں نہ تھا۔ وہ ہمیشہ دیر سے آیا کرتا تھا۔ یہ تو روزمرّہ کی بات تھی۔

جب وہ داخل ہوا تو سناٹا پہلے سے زیادہ گہرا ہو گیا۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ تینوں خالی خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ باہر سے گندی بدبو آ رہی تھی اور اندھیرا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے نرائن؟" جگدیش نے بوکھلا کر پوچھا۔

نرائن نے چپکے سے ایک خط جگدیش کے ہاتھ میں دیدیا۔

"کس کا خط ہے؟"

"پڑھ کر دیکھ لو۔"

"کیا لکھا ہے؟"

"پڑھ کر دیکھ لو۔"

"تم نے پڑھا ہے یا نہیں؟"

"یہ خط تمھیں لکھا گیا ہے۔"

"لیکن کس کا خط ہے؟"

"صوفی کا۔"

جگدیش نے خط پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا۔

"پریل

پیارے جگدیش۔

تمھیں اس لئے خط لکھ رہا ہوں کہ تم اِس شہر میں سب سے آخر میں آئے ہو۔ میں نہ تمھیں نصیحت کرنا چاہتا ہوں اور نہ وصیت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ آج میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ یہ بات تم سے چھپی ہوئی نہیں ہے کہ میں کافی عرصے سے بیکار تھا۔ اور میں تم لوگوں کے رحم و کرم پر زندہ تھا۔ شاید تمھیں معلوم نہیں کہ نرائن نے میری بہت مدد کی۔ اپنے ہوٹل میں کھانا کھلایا اور ہوٹل کے مالک سے کہہ دیا کہ جب صوفی آئے اُسے میرے حساب میں سے کھانا کھلا دینا۔ اور میں جب کبھی بھوکا ہوتا اس ہوٹل میں چلا جاتا۔ اور میں اکثر بھوکا رہتا اور اکثر اس ہوٹل میں کھانا کھاتا لیکن کبھی یہ کھانا میرے حلق سے نیچے نہ اُترتا اور میں سوچتا کہ نرائن دن بھر کام کرتا ہے، بیچارا اپنا خون پسینہ ایک کرتا ہے اور تب جاکر ساٹھ روپے کماتا ہے ان ساٹھ روپوں میں سے بغیر محنت کئے دس پندرہ روپے کھا جانے کا مجھے کیا حق ہے، اس میں شک نہیں کہ میں نے کام ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی۔ کافی لمبا تڑنگا آدمی ہوں۔ مجھے کام ملنا چاہیئے۔ لیکن کام نہیں ملتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان آزاد ہے۔ ہوگا۔ لوگ کہتے ہیں کہ آج کل ہمارا جھنڈا ہے، ہمارا اپنا نیشنل انتھم ہے۔ ضرور ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے اپنا جھنڈا بھی دیکھا ہے۔ نیشنل انتھم بھی سُنا ہے۔ لیکن ان دونوں کو دیکھ کر اور سُن کر میری پیٹ کی بھوک کبھی کم نہیں ہوئی۔ میں نے دیانتداری سے کام ڈھونڈا ہے۔ لیکن مجھے کام نہیں ملا۔ میں تم لوگوں سے ایک ایک آنے کا طلبگار رہا ہوں اور ایک ایک آنہ تم سے لیتا رہا ہوں اور تم دیتے رہے ہو۔ اس کا

شکرگذار ہوں ۔ اگر تم لوگ نہ ہوتے، نرائن اپنے گھر میں رہنے کی جگہ نہ دیتا، اگر وہ اتنا فراخ دل نہ ہوتا تو میں کب کا مر گیا ہوتا ۔ لیکن مرنے کو جی نہیں چاہتا آج بھی مرنے کو جی نہیں چاہتا ۔ میں بہت سی تمناؤں کو لیکر تم سے الگ ہو رہا ہوں ۔ میری بتیس ۳۲ برس کی عمر ہے ۔ لیکن میں نے آج تک کسی عورت کے جسم کو ہاتھ لگا کر نہیں دیکھا —— یہ عجیب سی بات ہے ۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے جنسی بھوک سے زیادہ مجھے پیٹ کی بھوک نے ستایا اور پیٹ کی بھوک سے زیادہ ذلّت کے احساس نے ۔ اس نے مجھے کہیں کا نہ رہنے دیا جو بار بار مجھ سے کہتی تھی، تم نکمے آدمی ہو ۔ تم کسی کام کے آدمی نہیں ہو،

جگدیش میں کام کرنا چاہتا تھا ۔ اب بھی چاہتا ہوں لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس قسم کی آزادی تلے میں ہمیشہ بیکار رہوں گا ۔ مجھے کام نہیں ملیگا اس لئے کیوں اور زیادہ عرصے تک اس ذلّت کو برداشت کئے جاؤں ۔

میری عمر کے ۳۲ سال گذر گئے، اسی انتظار میں کہ اب بہار آتی ہے اب بہار آتی ہے ۔ لیکن بہار کی جگہ ہمیشہ خزاں نے میرا استقبال کیا ۔ میں اپنی ماں اور باپ سے کہہ آیا تھا کہ میں اس بڑے شہر میں جاکر دولت کماؤں گا اور انھیں روپے بھیجوں گا ۔ لیکن یہاں آ کر میں خود ایک بھکاری بن گیا ۔ اب کونسی صورت لیکر واپس جاؤں ؟ کیا میری ماں میرا انتظار کر رہی ہوگی ؟ کیا باپ میری راہ دیکھ رہا ہوگا ؟ وہ دونوں کافی بوڑھے ہو گئے ہیں ۔ انھیں میری ضرورت ہے ۔ میرے روپوں کی ضرورت ہے ۔ میری خدمت کی ضرورت ہے ۔ لیکن جب بیٹا خود اپاہج ہو کر رہ جائے تو وہ کیا کرے ؟

میں نے بہت عرصے سے اپنے ماں باپ کو خط نہیں لکھا ہے ۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میرے والدین زندہ ہیں یا مر گئے ہیں ۔ اگر وہ مر گئے ہیں تو بہت

اچھی بات ہے۔ اگر نہیں مرے تو وہ سسک سسک کر مریں گے۔ میں جانتا ہوں انھیں کوئی روپے نہ دیگا۔ جب ان کا اپنا بیٹا ان کے لئے کچھ نہ کر سکا تو دوسرے کیا مدد کریں گے۔ اور آج کل جب ہر طرف آپا دھاپی مچی ہے تو وہ میرے والدین کی کیا خبر گیری کریں گے؟

اس لئے میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ میں واقعی زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ اب ذلت کی یہ زندگی میرے لئے سچ مچ ناقابلِ برداشت ہوگئی ہے۔ میں نے بہت کوشش کر کے دیکھ لی لیکن کوئی نوکری نہیں دیتا۔ لوگ بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں لیکن نتیجہ کچھ نہیں۔ ابھی کل کی بات ہے میں EROS سنیما کے قریب سے گذر رہا تھا میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جو میرے سامنے غش کھا کر گر پڑا۔ اُس کے قریب سے موٹریں گذرتی رہیں۔ لوگ آتے رہے اور جاتے رہے۔ خوبصورت جوڑے اس کے قریب سے گذر کر آگے بڑھ گئے۔ لیکن کسی نے آگے بڑھ کر نہ پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تمھیں کیوں غش آیا؟ ہاں ایک معمولی سا آدمی آیا۔ اُس نے اس کی نبض دیکھی۔ پھر دوڑ کر کچھ کیلے لایا۔ اوپر مکان میں جاکر پانی کا گلاس لایا۔ منھ پر پانی چھڑکا اُسے کچھ ہوش آیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ لب پھڑپھڑائے۔ کہنے لگا "میں چار دنوں سے بھوکا ہوں۔" ساتھ والے آدمی نے کہا۔ "لو یہ کیلا کھالو۔" وہ کیلا کھانے لگا۔ اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ کیلا گلے سے نیچے نہ اترتا تھا۔ ایک لُقمہ کیلے کا اور ایک گھونٹ پانی کا۔ کچھ آدمی اور اکٹھے ہوگئے۔ ایک نے رحم کھا کر ایک روپیہ نکال کر اُسے دیا۔ وہ شخص رونے لگا۔ اس نے روپیہ لینے سے انکار کر دیا۔ پھر کسی نے وہ روپیہ زبردستی اس کی جیب میں ڈال دیا۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے روپے کو نکالنے کی کوشش کی لیکن ہاتھوں میں اتنی سکت نہ تھی۔ آنکھوں میں سے آنسو ڈھلک رہے تھے۔ موت قریب منڈلا رہی تھی۔

لیکن نگاہوں میں ابھی تک عزت کا پاس تھا۔ لوگ کہتے ہیں آزادی مل گئی ہے۔ مل گئی ہوگی۔ لیکن یہ کس قسم کی آزادی ہے۔ جو دو وقت کھانا نہیں دے سکتی؟ مجھے تو کچھ معلوم نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ لیکن میں چار دن فاقے نہیں کاٹ سکتا۔ اگر ایسی نوبت آئی تو ہو سکتا ہے کہ میں کسی کو جان سے مار ڈالوں کسی راہگیر کا گلا گھونٹ دوں۔ لیکن یہ میں کرنا نہیں چاہتا۔ اسی لئے میں نے اپنے آپ کو خودکشی پر آمادہ کیا ہے۔ اب میں تم لوگوں سے دوبارہ نہ مل سکوں گا۔ تم نرائن سے کہنا کہ وہ بہت اچھا انسان ہے۔ حکیم سے کہنا کہ وہ گھر لوٹ جائے۔ اور اس منحوس شہر میں نہ رہے۔ بنرجی سے کہو وہ واپس بنگال چلا جائے۔ اور تم؟ تم تو نئے آئے ہو۔ اچھا میرا آخری سلام۔ مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر سمندر میں لاش مل جائے، جو شاید مشکل سے ملے گی، تو اُسے دفنا دینا۔

تمہارا

صُوفی

یہ خط پڑھ کر جگدیش کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے سب کی طرف دیکھا۔ سب خاموش تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جہاں پانچ آدمی رہتے تھے۔ آج اُن میں سے ایک چلا گیا تھا۔ ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے چلا گیا تھا۔ سب اس طرح خاموش تھے جیسے صوفی کو دفنا کر آئے ہوں اور اس کی موت کے وہی ذمہ دار ہوں۔ جگدیش نے باقی ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ موت نے ان سب کو ایک دوسرے کے قریب لا کھڑا کیا تھا۔ سب کے دل بیٹھے جا رہے تھے۔ صوفی مر گیا تھا۔ وہ لمبا تڑنگا آدمی جس کے بازو جھولتے رہتے تھے جس کے ہونٹ پھڑپھڑاتے رہتے تھے، جس کی ٹانگیں کانپتی رہتی تھیں۔ وہ آج ان سے ہمیشہ کے لئے الگ ہو گیا۔ ہمیشہ کے لئے۔ اب وہ کبھی واپس نہ آئے گا کیونکہ زندہ رہنا اتنا آسان

نہیں۔ سب جیسے ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے —— دیبز جی کیا تم بھی یہی کروگے؟ جب کھانا نہیں ملے گا، جب بھوک سے نڈھال ہوجاؤگے تو کیا بھیک مانگوگے؟ اور اگر بھیک نہ مانگ سکے تو پھر کیا کروگے؟ اور تم، حکیم شاد کب تک شعر کہتے رہوگے، کب تک دوسروں کا علاج کرتے رہوگے، دن بدن کمزور ہوتے جارہے ہو۔ تمھارے بدن کی ہڈیاں صاف دکھائی دے رہی ہیں۔ تم چار مینار کا سگرٹ پیتے ہو۔ ایک وقت کھانا کھاتے ہو۔ آخر کب تک زندہ رہوگے؟ اور تم نرائن ساٹھ روپوں پر کب تک جیوگے؟ نہ شادی نہ بیاہ —— نہ عورت کے لمس سے آگاہ...... اس کھولی میں کب تک زندہ رہوگے۔ یہ چار گز لمبی کھولی، یہ چار گز کی قبر جہاں ایک آدمی نہیں چار آدمی سوتے ہیں۔ اور تم، تم جگدیش؟ تم اتنا لمبا سفر کرکے اس شہر میں آئے ہو۔ تمھاری ماں بھی پردیس میں ہے۔ تمھاری چھوٹی بہن بھی تمھارا انتظار کرتی ہے۔ اور کملا جس سے تم وعدہ کرکے آئے ہو کہ نوکر ہوتے ہی اسے بلالوگے، اس سے شادی کرلوگے۔ لیکن یہاں کچھ نہیں ہے۔ محض بھوک ہے۔ بیکاری ہے۔ ایک گندہ کمرہ ہے جس میں اندھیرا ہے حبس ہے' —— اور ایک ساتھ جگدیش کو محسوس ہوا جیسے اس کمرے میں موت ہے۔ موت...... یہاں سے نکلو...... آگے بڑھو...... کسی طریقے سے آگے بڑھو...... یہاں مرجاؤگے...... کوئی پوچھے گا بھی نہیں...... تمھاری ماں مرجائے گی، بہن مرجائے گی۔ کوئی روپے نہیں بھیجے گا...... تم فٹ پاتھ پر بے ہوش ہوجاؤگے۔ تمھیں کوئی روپیہ نہ دے گا۔ اس جگہ سے نکلو... اس اندھیرے سے باہر نکلو'۔

لیکن روشنی کدھر ہے؟ روشنی کہاں ہے؟ اس نے کمرے پر نگاہ ڈالی۔ ایک میلا گندہ سا بلب کمرہ میں جل رہا تھا۔ اس کی مردہ روشنی میں تین انسان

خاموش اکڑوں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان تینوں کے کانوں میں ایک ہی آواز گونج رہی تھی ——— 'اس کمرے میں موت ہے ..... موت ——— اس سے باہر نکلو ..... کسی طریقے سے آگے بڑھو— آگے بڑھو—— ورنہ یہاں مر جاؤ گے۔ کوئی نہیں پوچھے گا۔ کوئی نہیں پوچھے گا'—

۱۸

'روشنی کہاں ہے؟ کدھر ہے؟'

جگدیش نے اسٹوڈیو جاتے ہوئے سوچا۔ لیکن اس سوال کا جواب وہ خود نہ دے سکا۔ اسٹوڈیو میں کام کرنے والوں میں سے بھی کوئی اس سوال کا جواب نہ دے سکتا تھا۔ اُسے تو در اصل ان لوگوں سے باتیں کرنا بھی گوارا نہ تھا۔ اس قدر کھوکھلے اور سطحی آدمی تھے یہ لوگ۔ ان کی باتیں اس قدر بے سر و پا ہوتیں کہ ایک منٹ اُن کے پاس بیٹھنا مشکل ہو جاتا۔ یہ باتوں ہی باتوں میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے —— ہاتھ میں سگرٹ کا ڈبہ، کش پہ کش لگائے چلے جا رہے ہیں۔ ہر شخص سے گندہ مذاق کریں گے۔ فحش انداز میں آنکھ دبا کر ہنس دیں گے۔ عجیب بیکار زندگی تھی۔ لیکن ہر شخص اس بیکار زندگی کا ایک جزو بن چکا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ زندگی کے دن یوں کاٹنا واقعی ایک احمقانہ فعل ہے، ہر شخص اس دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ ہر شخص دوسرے کامیاب شخص کی نقل کرنے کو کامیابی کی کنجی سمجھتا تھا۔ لوگ دل میں سوچتے کہ فلاں شخص نے اس لئے کامیابی حاصل کی ہے کہ وہ بہت باتونی ہے، لطیفے سناتا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ ہر شخص بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے لگتا اور لطیفے سنانے لگتا۔ کسی نے کہا فلاں

ایکٹر کی کامیابی کا راز اس کے بھڑکیلے کپڑے ہیں۔ بس پھر کیا تھا ہر شخص ایک خوبصورت ہیٹ، ایک سلک کی قمیض، قیمتی سوٹ اور چمکتے ہوئے جوتے پہنے ہوئے اسٹوڈیو میں داخل ہوتا۔

کسی نے کہہ دیا کہ میاں کار کے بغیر عزت نہیں، وقار نہیں۔ بس ہر وہ شخص جو فلم میں کام کرتا ہے کار خریدنے کی تمنا میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ کسی نے قرضہ لے کر کار خرید لی۔ کسی نے قسطوں پر ایک کار حاصل کر لی۔ کسی نے اس کے لئے زندگی کی بہت سی قدروں کا خون کر دیا۔ ساری انڈسٹری میں ایک عجیب طوفانِ بدتمیزی برپا تھا۔

اور جگدیش ان چیزوں کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا۔ وہ جانتا تھا کامیابی حاصل کرنے کے لئے انسان کو باتونی ہونا چاہیئے اس لئے اس نے اسٹوڈیو میں جا کر بڑی بڑی باتیں کرنا شروع کر دیں، خوب گپیں ہانکتا اور شعر پڑھتا اور ظریفانہ حرکتیں کرتا۔ اور لوگ اس کی ان حرکتوں کو دیکھ کر تعریف کرتے کہ بھئی بے کمال کا ایکٹر۔ ساتھ ہی کپڑے بھی بے داغ پہنتا۔ قمیضیں گنی چنی تھیں مگر ڈبل ریٹ پر لانڈری میں ارجنٹ دھلوا کر وہ ہمیشہ نئی مکلف کالر والی قمیض پہنے نظر آتا۔ شاید اسی ظاہری سج دھج پر ہیرا اس پر لٹو ہو گئی۔ ہیرا ایک باکمال ایکٹرس تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے ترقی کی ساری سیڑھیاں طے کر لی تھیں۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جو حالات کا جائزہ بڑی پھرتی سے کر لیتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی زندگی میں ایک ایسا وقت آیا ہو جب وہ جذبات کی رَو میں بہہ گئی ہو، لیکن جب جگدیش اور ہیرا کی ملاقات ہوئی تب ہیرا اس دور میں سے نکل چکی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ روپیہ میں کتنی قوت ہے اور انسان اس دور میں کتنا ذلیل اور کمینہ ہو سکتا ہے۔ زندگی نے

اسے اس کسوٹی پر کسا تھا اور اب وہ دوسروں کو اس کسوٹی پر کس رہی تھی۔
ہیرا نے جگدیش کو دیکھا اور وہ اُسے پسند آیا۔ یہ لڑکا اسے کیوں پسند آیا۔ یہ پوچھنے کی بات نہیں۔ مرد لڑکیاں پسند کرتے ہیں تو وہ نہیں بتاتے کہ انھوں نے کیوں پسند کی۔ اس لئے جب عورتیں اقتصادی طور پہ آزاد ہو کر لڑکے پسند کرنے نکل آئیں تو عورتوں کو بھی اپنی پسند کا سبب بتانے کی ضرورت نہیں اس لئے یہ کہنا کافی ہے کہ ہیرا نے جگدیش کو پسند کر لیا۔

جگدیش اور ہیرا کی ملاقات اسٹوڈیو میں ہوئی دونوں ایک ہی فلم میں کام کر رہے تھے۔ اس سے پہلے دونوں ایک دوسرے سے بالکل ناواقف تھے۔ جگدیش یہ کبھی خیال بھی نہ کر سکتا تھا کہ ہیرا اس میں دلچسپی لے گی کیونکہ دونوں میں بڑا فرق تھا۔ ہیرا کے پاس کار تھی۔ بینک بیلنس تھا۔ بنگلہ تھا۔ شہرت تھی اور جگدیش اس شہر میں نیا آیا تھا اور وہ اپنے دوست نرائن کے ساتھ ایک کھولی میں رہتا تھا۔ وہ خود بھی نہ چاہتا تھا کہ اس کی ملاقات ہیرا سے ہو۔ وہ جس کام کے لئے آیا تھا وہ اسے نہ ملا۔ وہ مل میں نوکری تلاش کرنے آیا تھا۔ لیکن بن گیا وہ ایک ایکٹر۔ اس لئے جگدیش کو بڑا تعجب ہوا جب ہیرا نے جگدیش کو اپنے میک اپ روم میں بلایا۔ وہاں اس کی اور سہیلیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ پہلی ملاقات میں وہ کچھ جھینپ سا گیا۔ ہیرا نے چائے منگوائی، اس نے پی لی۔ ہیرا نے کہا:-

"میں نے آپ کے کام کے Rushes دیکھے ہیں۔ آپ نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ آپ کی آواز بھاری ہے۔ اور آپ کی صورت شکل اچھی خاصی ہے۔ آپ ترقی کر سکتے ہیں۔"

یہ باتیں ہیرا نے ایک قد آدم آئینے کے سامنے بیٹھ کر کہیں۔ وہ میک اپ

بھی کر رہی تھی۔ اور باتیں بھی۔ اور باقی سب لوگ اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے وہ ایک عورت نہیں ہے بلکہ کوئی اور چیز ہے۔ بیٹھنے والوں کی نگاہوں میں استعجاب تھا کیونکہ ہیرا ایک کنٹریکٹ کے کئی ہزار روپے لیتی تھی۔ جگدیش نے غور سے ہیرا کو دیکھا۔ ہیرا کا رنگ نہ گندمی تھا نہ سفید، بلکہ ان دونوں کے درمیان کا۔ جسم بھرا ہوا تھا اور چہرہ گول مٹول۔ آنکھوں میں ذہانت تھی اور بالوں میں اس وقت کلپ لگے ہوئے تھے۔ چونکہ وہ اس وقت میک اپ کئے ہوئے تھی اس لیئے وہ اسے زیادہ خوبصورت دکھائی نہ دی۔ کچھ ایکٹرسیں میک آپ کے بعد اپنی جلد کی خوبصورتی کھو دیتی ہیں۔ کیونکہ چہرہ پر کافی لیپ کرنا پڑتا ہے۔ لپ اسٹک لگانی پڑتی ہے۔ آنکھوں میں کاجل، پھر رونز، اور چمکیلے اور بھڑکیلے کپڑے جو کیمرہ مین کو اچھے لگیں۔ جب ہیرا میک اپ کر چکی اور بالوں کے بالوں کو برش کر چکی تو وہ ایک دم ٹانگیں دوسری طرف کر کے جگدیش کے سامنے ہو گئی۔ پہلے وہ ہیرا کی پیٹھ دیکھ رہا تھا۔ اس کی گردن دیکھ رہا تھا۔ گردن اور بلاؤز کے درمیان کا برہنہ حصّہ جو بے حد خوبصورت لگ رہا تھا اور جس کی سفیدی اور نرمی اور گداز یئت چومنے کو جی مچلتا تھا۔ وہ اس حصّے کو بھی دیکھ رہا تھا جہاں بلاؤز ختم ہوتا تھا اور لہنگا شروع ہوتا تھا۔ وہ عریاں خم دار حصّہ بھی حسین اور جاذب منظر تھا۔ اب جب ہیرا نے مُڑکر اپنا رخ پھیرا تو ہیرا کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔ وہ اس کے سینے کو پوری طرح دیکھ بھی نہ پایا تھا کہ وہ چائے کا پیالہ فرش پر رکھنے کے لئے جھکی اور ایک ساتھ جگدیش اس کے سینے کی دو گولائیوں کے درمیان کی گہرائیوں کو ایک لمحہ کے لئے دیکھ سکا۔ اور جگدیش کے سارے جسم میں ایک جھرجھری سی آ گئی۔ یہ عورت واقعی خوبصورت تھی۔ اس کے جسم میں ایک گداز تھا۔ آنکھوں میں شرارت تھی۔ باتوں میں

بجلی تھی۔ جسم میں ایک آگ تھی۔
جگدیش نے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں۔
ہیرا نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی سہیلی سے کہا۔ "ذرا وہ دوپٹہ دینا۔"
سہیلی نے دوپٹہ دیا۔ اور ہیرا نے اپنے سینے کو اس دوپٹہ سے ڈھانپ لیا۔ اور اس انداز سے ڈھانپا جیسے وہ کمرے میں بیٹھے ہوئے ہر آدمی کو بتا رہی تھی کہ دیکھو میں سینے کو ڈھانپ رہی ہوں۔
نہ جانے کیوں ایک ایک کر کے لوگ اس کے کمرے میں سے جانے لگے۔
جب سب چلے گئے تو باقی ہیرا اور جگدیش رہ گئے۔
جگدیش بالکل خاموش تھا۔
"کیا آپ کے پاس کار ہے؟"
"جی نہیں۔"
"آپ کہاں رہتے ہیں؟"
"پریل میں۔"
"کہاں؟"
"ایک کمرے میں۔"
"اکیلے؟"
"جی نہیں، میرے ساتھ چار انسان اور بھی ہیں۔"
"آپ اپنا کمرہ دکھا سکتے ہیں؟"
"آپ میرا کمرہ کیا کریں گی دیکھ کر؟"
"آپ چائے پئیں گے؟"
"جی نہیں۔"

"آپ کو جی نہیں کے سوا کچھ اور بھی آتا ہے ؟"

"جی ۔"

وہ ہنس پڑی اور جگدیش کچھ گھبرا سا گیا

اتنے میں میک اپ مین آگیا اور کہنے لگا ۔ "ڈائریکٹر صاحب آپ کو سیٹ پر بلا رہے ہیں ۔"

"میں ابھی آتی ہوں ۔"

میک اپ مین چلا گیا ۔

"آج آپ کا میک اپ ہے ؟"

جگدیش نے سر ہلا دیا ۔

"آپ نے بات کرنا ہی چھوڑ دی منھ سے ۔ کچھ ہاں، یا نہ تو کہیے ؟"

"آج میک اپ نہیں ہے ۔" جگدیش نے سوچ کر کہا ۔

"تو آج آپ کیوں آئے ؟"

"ایک کام تھا ۔"

"کیا کام تھا ؟"

"جی ۔ وہ پروڈیوسر سے کچھ کہنا تھا ۔"

"کیا کہنا تھا ؟"

"انھوں نے آج بلایا تھا ۔"

"لیکن کیوں ؟"

جگدیش پھر خاموش ہوگیا ۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ ہیرا کو بتائے یا نہ بتائے کہ روپے مانگنے آیا تھا ۔ پروڈیوسر نے پیشگی کے سو روپوں کے علاوہ ابھی تک کچھ اور نہیں دیا تھا ۔

"آپ پھر خاموش ہو گئے؟"
"میں، رُوپوں کے سلسلے میں آیا تھا۔"
اتنے میں میک اَپ مین نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔
میک اپ مین اندر آیا۔
"جی ڈائریکٹر صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ باقی سب لوگ سیٹ پر موجود ہیں۔"
"پروڈیوسر کہاں ہے؟"
"جی وہ ابھی تک نہیں آئے۔"
"اچھا۔ تم جاؤ۔ میں ابھی آتی ہوں۔"
"آپ شام تک پروڈیوسر کا انتظار کر لیجیے گا۔ اور جب آپ جائیں تو مجھ سے مل کر جائیے گا۔"
وہ جانے لگا۔
"آپ اس کمرے میں بیٹھ سکتے ہیں۔"
"جی میں سیٹ پر جاؤں گا ـــــ"
ہیرا کمرے سے باہر نکل گئی۔ جگدیش سیٹ پر نہ گیا بلکہ اسٹوڈیو میں گھومتا رہا۔ کچھ عرصہ وہ کینٹین میں بیٹھا رہا۔ پہلے سنگل چائے کا آرڈر دیا اس کے قریب میز پر کچھ ایکسٹرا بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ایکسٹرا بھی فلمی دُنیا کی ایک عجیب مخلوق ہیں۔ دیکھنے میں یہ لوگ بالکل انسانوں کی طرح تھے۔ چائے بھجیا اور چار مینار کے سگرٹ پی رہے تھے۔ بلند آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے کئیوں نے دلیپ کمار کی طرح بال پیشانی پر بکھرائے ہوئے تھے اور باتیں راج کپور کے انداز میں کر رہے تھے۔ باتوں کے ساتھ ساتھ یہ ڈائریکٹروں اور پروڈیوسروں کو گالیاں دیتے جاتے تھے

اگر فلمی دنیا کے متعلق کچھ معلوم کرنا ہو تو ایکسٹرا سے زیادہ موزوں اور کوئی نہ ہوگا کیونکہ یہ لوگ ہر روز، ہر رات اسٹوڈیوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ ان کی زندگی عجیب وغریب ہے۔ ان میں سے ہر شخص یہی سوچتا ہے کہ وہ ایک دن دلیپ کمار بن کر رہے گا۔ وہ بھی ایک لاکھ کا کنٹریکٹ حاصل کرے گا اور کسی خوبصورت ہیروئن سے شادی کرے گا۔ ان کی باتوں سے اُن کی تمنائیں اور حسرتیں اور محرومیاں صاف آشکارہ تھیں۔ ایک کہہ رہا تھا۔ "سالہ ہمیں کوئی چانس نہیں دیتا۔ خدا قسم اگر راجکپور کے چھکے نہ چھڑا دوں تو میرا نام بدل دینا۔"

"ارے یار گوپ کیا ہے؟ نرا مٹکا، گول مٹول۔ ایکٹنگ کرنا تو آتا ہی نہیں۔ مجھے کوئی ڈائرکٹر چانس دے تو لوگوں کا ہنساتے ہنساتے بُرا حال کر دوں۔"

اتنے میں دو تین ایکسٹرا لڑکیاں ان کے قریب آکر کھڑی ہوگئیں۔

"بیٹھو۔ مدھو بالا!"

"کہو کامنی۔ کس کا انتظار کر رہی ہو۔ سنگل چائے پیوگی؟"

"آؤ میری گیتا بالی۔"

جگدیش نے دیکھا کہ تینوں لڑکیوں نے نہ تو ان باتوں کا بُرا مانا اور نہ ان سے اُن کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔ بس ایک تھکے سے انداز میں انھوں نے بھجیا اٹھا کر کھانا شروع کر دیا۔

ایک لڑکی نے ایک لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگی۔

"بیٹا۔ ذرا نے سنگل چائے کا آرڈر۔"

"میری بچی۔ میری جیب میں ایک آنہ بھی نہیں۔ خود ہی آرڈر دیکر منگوالو۔"

"میری جیب بھی خالی ہے۔" لڑکی نے زبان منھ سے نکالتے ہوئے کہا۔
"کیا لنچ کے روپے نہیں ملے ہیں؟"
"ابھی لنچ ہوا کہاں ہے؟"
"آرڈر دے کر پی لو۔ میری جان۔"

اس پر ایک نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ دوسری نے شرارت سے اپنے چہرے کو پلّو سے ڈھانپ لیا۔ اور تیسری نے ایک بہت موٹی سی گالی دی۔ ایک دو شریف زادے جو قریب بیٹھے ہوئے تھے اتنی موٹی گالی سن کر چونک پڑے۔ لیکن یہ گالیاں، یہ ہنسی مذاق، یہ چہلیں تو یہاں روزمرّہ کی باتیں تھیں۔ یہ چیزیں اُن کی شکست خوردہ ذہنیت کا حصّہ بن گئی تھیں۔ ظاہری طور پر ہر لڑکی ایک نئی ساڑی پہن کر آئی تھی، بالوں کو سنوار کر آئی تھی، بلاؤز بدن میں پھنسا کر آئی تھی، لبوں پہ لپ اسٹک لگا کر اور بالوں کو آراستہ کر کے آئی تھی اور کوئی کامنی کوشل بننے کی کوشش کرتی تھی اور کوئی مدھوبالا کا روپ دھارن کرتی تھی اور کوئی ثریا کی نقل کرتی تھی، لیکن اندرونی طور پر سب کچھ اس کے الٹ تھا۔ یہ سارا پیٹ بھرنے کا سوانگ تھا۔ اندر بھوک تھی گندگی تھی۔ غریبی تھی اور محرومی تھی۔ ایکسٹرا کے طور پر کام حاصل کرنے کے لئے انھیں اپنے اوپر یہ خول طاری کرنا پڑتا تھا۔ گندے مذاق اور اشارے برداشت کرنا پڑتے تھے۔ رات رات بھر جاگنا پڑتا تھا۔ ہر طرح کی ذلت اٹھانی پڑتی تھی کیونکہ اس سارے ماحول میں صرف پیسہ کی قدر تھی۔ جو زیادہ کماتا تھا اس کی زیادہ عزّت ہوتی تھی۔ جو کم کماتا تھا اس کی کم عزت ہوتی تھی۔

جگدیش یہی کچھ دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اسسٹنٹ ڈائرکٹر اندر داخل ہوا۔ اور بولا۔

"چلو بھائیو سیٹ پر۔ ڈائرکٹر صاحب بلا رہے ہیں"۔
"ارے یار آتے ہیں۔ تم چلو ذرا چائے تو پی لیں۔"
"شاٹ تیار ہے۔" اسسٹنٹ ڈائرکٹر نے چمک کر کہا۔
"ڈائرکٹر صاحب سے کہو کہ ہم بھجیا کھا کر آئیں گے۔"
"دیکھو ایسی نوابی نہ چلے گی۔"
"کیوں نہ چلے گی؟"
"کوئی بڑا ایکٹر ہو تو آپ سارا سارا دن انتظار کرتے رہیں گے اُس کی چاپلوسی کریں گے اس کے لئے موٹر بھیجیں گے۔ اس کے لئے اسپیشل کھانا منگوائیں گے۔ اور ہم بھجیا بھی نہیں کھا سکتے؟"
"ٹھیک ہے۔ بڑا ایکٹر بن کے دکھاؤ۔ تمہارے بھی نخرے برداشت کریں گے۔"
"کوئی چانس تو دلواؤ۔"
"بیس سال سے کام کر رہے ہو اور کہتے ہو کہ کوئی چانس دلواؤ۔"
"بیس سال سے کام کر رہا ہوں؟ جانتے ہو صرف میک اپ کر رہا ہوں۔ صرف میک اپ۔ کسی نے کہا بوڑھے کا میک اپ کر لو تو ہم بوڑھے بن گئے۔ کسی نے کہا ڈاکو بن جاؤ تو ہم ڈاکو بن گئے۔ کسی نے کہا سپاہی بن جاؤ تو ہم نے سپاہی کی وردی پہن لی۔ کسی نے کہا دیوتا بن جاؤ تو ہم نے دیوتا کا روپ بھر لیا۔ پھر کسی نے کہا شیطان بن جاؤ تو ہم شیطان بن گئے۔ ان بیس سالوں میں صرف وردیاں پہنتا آرہا ہوں۔ آج تک کسی نے مجھے ایک ڈائیلاگ بھی بولنے کو نہیں دیا۔ مجھے گونگا کر کے رکھ دیا ہے تم لوگوں نے ــ اور اس پر کہتے ہو کہ بڑا ایکٹر بن کے دکھاؤ۔"

"اچھا اچھا اب چلو سیٹ پر ورنہ آج کے لنچ کے روپے نہیں ملیں گے۔"
"لنچ کے روپے نہیں ملیں گے" اور جیسے سب کو لقوہ سا مار گیا۔ ان کی زبانیں بند ہو گئیں۔ ان کا سارا جوش اور ابال سرد پڑ گیا۔ وہ میز سے اٹھ کر چپ چاپ سیٹ پر چلے گئے۔

جگدیش بھی وہاں سے اُٹھا اور باہر ایک گھاس کے قطعہ پر بیٹھ گیا۔ اب اس کا دماغ پھر سے سوچنے لگا اور ہیرا کے رویّہ کے متعلق قیاس آرائیاں کرنے لگا ——— "آج ہیرا نے کیوں بلایا؟ اسے کیوں چائے پلائی؟ اس نے یہ کیوں پوچھا کہ اس کی شادی ہوئی ہے یا نہیں؟ ہیرا کیوں اس میں دلچسپی لے رہی تھی؟ کیا وہ پروڈیوسر سے کہہ کر اسے روپے دلوائے گی؟ اگر وہ واقعی اسے روپے دلوا دے تو اگلا مہینہ ذرا چین سے گذر جائے گا۔ گھر روپے بھیج سکے گا۔ اپنے حصّے کا کرایہ دے سکے گا۔ ہوٹل کا بل ادا کر سکے گا۔ لانڈری والے کا قرض چکا سکے گا۔ اگر ہیرا نے پروڈیوسر سے کہہ دیا تو وہ واقعی اسے روپے دیدیگا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ پروڈیوسر ناراض ہو کر اس کا پارٹ ہی کاٹ دے ——— کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہو جائے ——— لیکن آخر ہیرا اس پر مہربان کیوں ہے؟ ——— مہربان؟ ——— ہوں ——— کچھ نہیں۔ یہ سب اس کا وہم ہے۔ اس نے یونہی سرسری طور پر اس کے متعلق باتیں پوچھی تھیں۔ کامیاب آدمی کبھی کبھی دوسروں کے بارے میں یونہی باتیں جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر اس نے پروڈیوسر سے کہہ دیا تو یہ محض انسانیت کا ایک تقاضہ ہوگا۔ لیکن ہیرا کیوں کہنے لگی؟ آخر اسے کیا غرض تھی ——— اور اگر شام کو ہیرا نے پریل جانے کو کہا تو وہ کیا کہے گا؟ وہ اسے پریل نہیں لے جائے گا۔ کمرہ تو در کنار ہیرا کے لئے اس راستہ سے گذرنا مشکل ہو جائے گا ——— کتنی بدبو

اُٹھتی ہے اس علاقے میں ۔ اور پھر اس کا کمرہ دیکھ کر تو ہیرا کبھی اس سے بات بھی نہ کرے گی ۔ وہ واقعی کوئی بہانہ بنا دے گا یا اس سے ملے بغیر یہاں سے چلا جائے گا ۔ وہ اسے اپنا کمرہ نہیں دکھا سکتا ۔ اور اس کا اپنا کمرہ تھا بھی کہاں ۔ یہ تو نرائن کی مہربانی تھی کہ وہ وہاں ٹکا ہوا تھا ۔ نہیں تو اُسے بھی فٹ پاتھ پر سونا پڑتا ۔ نہ جانے ہیرا اسے کیا سمجھتی ہے ۔ شاید اس کے خوبصورت کپڑے دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گئی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جی نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ غلط سوچ رہے ہیں ۔ اس نے بہت سے خوبصورت لڑکے دیکھے ہیں ۔ اور روزمرّہ کتنے ہی لڑکے تو آٹو گراف لینے آتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ وہ آپ پر کیوں مرنے لگی ؟ صورت تو دیکھئے شیشے میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اتنی غلط فہمی میں نہ پڑیئے ۔" اور اسی سوچ وچار میں وقت گذر گیا ۔ ایک دو بار وہ سیٹ پر گیا اور پروڈیوسر کے متعلق پوچھا ۔ لیکن معلوم ہوا کہ وہ صاحب تشریف نہیں لائے اور شاید شام تک تشریف نہ لائیں ۔ سیٹ پر ہیرا ہنس ہنس کر ڈائرکٹر سے باتیں کر رہی تھی ۔ کیمرہ مین لائٹ ٹھیک کرانے میں محو تھا ۔ وہ سیٹ سے باہر چلا آیا ۔ اور پھر شام ہو گئی ۔ ہیرا اپنے کمرے میں گئی ۔ اس نے اپنے کپڑے بدلے ، میک اپ اتارا اور پھر اپنی کار کے قریب آکر کھڑی ہو گئی ۔

جگدیش وہیں پہنچ گیا ۔

"پروڈیوسر ملا ؟"

"جی ، وہ نہیں آئے ۔"

"وہ اب نہیں آئیں گے ۔" ہیرا نے ذرا غصّے میں کہا ۔ "آپ کار میں تشریف رکھئے ۔"

اس نے کار کا دروازہ کھولا ۔ ہیرا نے کار اسٹارٹ کی

اور کار صاف شفاف سڑک پر دوڑنے لگی۔ شام کے چھ بج چکے تھے۔ چونکہ سردیوں کے دن تھے اس لئے چھ بجتے ہی کافی اندھیرا ہو جاتا تھا۔ ہیرا کار چلا رہی تھی۔ اور جگدیش کار میں بیٹھ کر عجیب باتیں سوچ رہا تھا کہ وہ ہیرا سے کیا بات کرے۔

لیکن ہیرا خاموش تھی۔

"شاید آپ تھک گئی ہیں۔ سیٹ پر بہت کام کیا آپ نے؟"

"جی نہیں۔ کام ہی تو بہت کم کیا۔"

"آپ کدھر جا رہی ہیں؟"

"آپ کے گھر کی طرف۔"

"جی مجھے ذرا ایک اور جگہ جانا تھا۔"

"پہلے میں آپ کا گھر تو دیکھ لوں۔ جائیے تو بلائیے گا نا؟"

"جی ضرور۔ لیکن آج مجھے ایک جگہ جانا تھا۔"

"میں سُن چکی ہوں۔ دوبارہ نہ کہیئے۔"

کار اور تیز ہو گئی۔

اندھیرا بڑھ گیا تھا۔ اور ہوا فراٹے بھرتی ہوئی کار کے شیشوں سے ٹکراتی ہوئی آگے نکل رہی تھی۔

ہیرا کار چلا رہی تھی۔

جگدیش خاموش تھا۔ گھر قریب آ رہا تھا اور جگدیش بوکھلاتا جا رہا تھا۔ "عجیب عورت ہے۔ اگر سب لوگ گھر میں ہوئے تو ہیرا کیا کہے گی۔ میں نے تو کہا تھا گھر میرا ہے۔ لیکن وہاں تو بہت آدمی رہتے تھے —— لیکن یہ تو میں کہہ چکا ہوں کہ میرے علاوہ چار آدمی اور رہتے ہیں؟

ایک جگہ کار آکر رک گئی۔
"آگے کدھر جاؤں، پریل تو آپہنچے؟"
جگدیش نے کہا۔ "جی اُدھر۔"
کار ادھر چلنے لگی۔
"بس ٹھہر جائیے۔ آگے کار نہ جا سکے گی۔"
"کیوں؟"
"گلی تنگ ہے۔ یہاں اترنا پڑے گا۔"
"یہاں تو مزدور رہتے ہیں۔"
"جی۔۔ میں ایک دوست کے ساتھ رہتا ہوں۔"
"آپ تو کہہ رہے تھے کہ آپ کا الگ کمرہ ہے۔"
"میرا الگ کمرہ نہیں۔ میرے دوست کا کمرہ ہے۔"
"میں سمجھ گئی۔"
"چلیے گا؟"
"نہیں؟"
"آپ مجھ سے ناراض ہو گئیں۔"

"بالکل نہیں۔ مجھے وہ وقت یاد آگیا ہے، جب میں پہلی بار بمبئی میں آئی تھی۔ اور اسی طرح ایک سہیلی کے ہاں ٹھہری تھی۔ وہ بیچاری بےحد غریب تھی۔"

"میرا دوست بھی بے حد غریب ہے۔"

"میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ یہ وڈیوسر آپ کو روپے نہیں دے گا۔ اس لئے آپ مجھ سے کچھ روپے قرض لے لیجیے، جب آپ کو روپے ملیں گے تو واپس کر دیجیے گا۔"

"جی نہیں۔ مجھے کوئی اتنی ضرورت نہیں۔ پروڈیوسر صاحب نے بلایا تھا اس لئے میں آیا تھا۔"

"وہ ٹھیک ہے ـــــ آپ یہ لیجئے۔"

"مگر میں عرض کر رہا ہوں کہ روپوں کی مجھے قطعی ضرورت نہیں۔ میرے پاس روپے ہیں۔"

"میں کب کہتی ہوں کہ آپ کے پاس روپے نہیں ہیں۔ یہ روپے بھی تو آپ کے ہیں۔ یہ بطور قرض دے رہی ہوں۔ جب آپ کے پاس روپے آجائیں، واپس کر دیجئے گا۔"

ہیرا نے سو سو کے پانچ نوٹ جگدیش کے ہاتھ میں دے دیئے۔

"سو سو کے پانچ نوٹ! اتنے میں لیکر کیا کروں گا؟ مجھے اتنے روپے نہیں چاہئیں۔"

"آپ ان روپوں سے ایک الگ کمرہ لے لیجئے۔ اگر زیادہ روپوں کی ضرورت ہو تو اور مانگ لیجئے گا۔ جگدیش صاحب اگر انڈسٹری میں زندہ رہنا چاہتے ہیں تو یہ جذباتیت چھوڑ دیئے۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ روپے کہاں سے آرہے ہیں اور کون دے رہا ہے۔ بس روپے لے لیجئے اور ان سے فوراً ایک اچھا سا کمرہ، نفیس سا فرنیچر، اچھے سے کپڑے لے ڈالئے اور ایک نوکر رکھ لیجئے اور جیسے جیسے کنٹریکٹ ملنے لگیں کمرہ کے بجائے فلیٹ اور عمدہ سی کار لے لیجئے۔ ہاتھ میں سگرٹ کا ڈبہ رکھیئے۔ وارڈ روب میں شارک اسکن کے سوٹ اور دو چار درجن بش شرٹ اور پتلون ٹانگئے ـــــ بمبئی میں ان چیزوں کے بغیر آگے بڑھنا بہت مشکل ہے۔ جب میں شروع شروع انڈسٹری میں آئی تھی تو آپ کی طرح میں بھی بہت جذباتی قسم کی لڑکی تھی۔ کسی نے کچھ کہا اور رونے لگ پڑی کسی نے

مذاق کیا اور اس کو گالی سنا دی۔ کسی نے ہنس کر بات کی اور اس کے پیچھے پڑ گئی کہ تم ہنستے کیوں ہو؟ لیکن بعد میں معلوم ہوا یہ سب کچھ غلط تھا۔ ایک پروڈیوسر نے خدا اُن کا بھلا کرے، چند دنوں میں سب باتیں مجھے سمجھا دیں۔ کہنے لگے "ہیرا اگر کچھ بننا چاہتی ہو تو شرم و حیا چھوڑ دو۔ یہ اخلاق اور عاقبت کی باتیں کسی اور دنیا کی باتیں ہیں۔ یہاں نہیں چلیں گی۔ یہاں جسم بکتے ہیں۔ مسکراہٹوں کی بولی لگتی ہے۔ سینے میں ابھار ہے تو ڈائرکٹر سیدھے منہ بات کرتا ہے۔ آنکھوں میں کشش ہے تو پروڈیوسر ناک رگڑتا ہے۔ جسم میں رعنائی ہے تو دولت قدم چومتی ہے۔ اور جب یہ سب کچھ بک چکے گا اور تمہارا نام چمک جائے گا تو کچھ عرصہ کے لئے تمہارا نام بکے گا۔ اس کے بعد شاید کام کی عزت ہونے لگے لیکن شروع میں ہیرا بڑے کڑوے گھونٹ پینے پڑیں گے۔ اور اگر کڑوے گھونٹ پینے کی طاقت نہیں ہے تو اس لائن میں قدم نہ رکھو، واپس اپنے شہر چلی جاؤ۔"

"آج وہ پروڈیوسر اس دنیا میں نہیں ہے لیکن اس کی باتیں آج بھی اُتنی ہی سچّی ہیں اور اگر تم اس سچائی کی تاب نہیں لا سکتے تو اس دنیا میں تمہارے لئے کامیابی ناممکن ہے —— لیکن مجھے امید ہے میری طرح تم بھی حالات کا جرات سے سامنا کرو گے۔ اور ایک دن کامیاب ہو جاؤ گے۔"

اور یہ کہہ کر ہیرا نے کار اسٹارٹ کی اور سڑک کے موڑ پر غائب ہو گئی۔

۱۹

جگدیش سب کچھ سمجھ گیا تھا لیکن سمجھنے کے بعد بات کو ہضم کرنے کے لئے جتنا عرصہ چاہیئے، اس عرصے میں انسان کیا کرے؟ جگدیش کی جیب میں سو سو روپے کے پانچ نوٹ تھے۔ کتنی آسانی سے یہ نوٹ ہیرا نے جگدیش کو دیدئے تھے۔

جیسے یہ نوٹ سو سو روپے کے نہ تھے ایک ایک روپے کے تھے۔ اور جگدیش نے یہ نوٹ لے لئے تھے۔

'یہ روپیہ بطور قرض تمہیں ملا ہے۔ تم اِن سے ایک الگ کمرہ لے سکتے ہو۔ ایک صوفہ سیٹ خرید سکتے ہو۔ اچھے کپڑے بنوا سکتے ہو۔ نوکر رکھ سکتے ہو۔ اور ان کو اُس وقت لوٹا سکتے ہو جب تم ایک مشہور فلم اسٹار ہوجاؤ'۔ ہیرا کے اِن الفاظ میں کتنا خلوص تھا۔ کتنی سچائی تھی۔ یہی نہیں بلکہ ہیرا نے اپنی زندگی کا سارا نچوڑ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ کار کیسے ملتی ہے۔ بنک بیلنس اس دور میں کیسے بنتے ہیں۔ مرد ہو یا عورت، زندگی میں بہت کچھ بیچنا پڑتا ہے۔ ہیرا نے اس سے پوچھا تھا کہ آپ کی شادی ہوئی ہے یا نہیں۔ اور اس نے کہا تھا 'نہیں'۔ یہ اس نے جھوٹ بولا تھا۔ اس کی سگائی کملا سے ہوچکی تھی ــــ نہیں نہیں۔ سگائی کہاں ہوئی ہے۔ محض بات چیت ہوئی...، لیکن شہر کو چھوڑنے سے پہلے اُس نے کملا سے کیا کہا تھا؟ــــ کیا وہ فقرے تمہیں یاد نہیں؟ اگر کملا کو یہ معلوم ہوجائے تو ...... لیکن میں کیا کر رہا ہوں؟ ...... کچھ نہیں ...... یہ روپے محض قرض لئے ہیں، واپس کردونگا۔

زندگی میں ترقی کرنا ہے تو دوسروں کی امداد لینا پڑے گی۔ لیکن ہیرا کی مدد! کیا حرج ہے۔ آخر وہ بھی تو ایک انسان ہے۔ اس دنیا میں کون کسی کی مدد کرتا ہے..... اگر ہیرا نے اس سے کچھ مانگنا چاہا؟ بھلا وہ کیا مانگے گی، اس کے پاس ہے کیا؟..... کہیں وہ اُس سے شادی تو نہیں کرنا چاہتی؟..... بھلا وہ کیوں اس سے شادی کرے گی؟ وہ ایک مفلس آدمی ہے جس کا نہ ماضی ہے نہ مستقبل۔ جس کے پاس نہ روپے ہیں نہ شان و شوکت۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی باتیں سوچتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ نرائن آیا ہوا تھا۔ باقی دوست ابھی نہ آئے تھے۔ وہ اکثر دیر سے آتے تھے اور کمرے کا دروازہ کھلا رہتا تھا تاکہ آنے والا چپکے سے آکر زمین پر لیٹ جائے نرائن نے سونے سے پہلے بتایا کہ اُس کے مل میں چھٹنی ہو رہی ہے۔ ابھی تک تو اس کو نوٹس نہیں ملا۔ لیکن اسے نوٹس مل گیا تو وہ کیا کرے گا؟ کہاں جائے گا؟ کمرے کا کرایہ کیسے دے گا؟ دو وقت کھانا کہاں سے کھائے گا؟ بہت سی ملیں بند ہو گئی ہیں۔ کیونکہ کپڑا باہر نہیں جاتا۔ اس لئے اگر اُس کی یہاں سے نوکری چھوٹ گئی تو دوسری نوکری ملنا بے حد مشکل ہوگا۔ جگدیش چپکے چپکے یہ باتیں سنتا رہا۔ اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی جیب میں پانچسو کے نوٹ تھے۔ آہستہ آہستہ اس کی انگلیوں کی گرفت ان نوٹوں پر کڑی اور مضبوط ہوتی گئی۔ کہیں یہ نوٹ گم نہ ہو جائیں۔ وہ اس قمیض کو اپنے بدن سے کبھی الگ نہ کرے گا۔ انہیں پر اس کی زندگی کا دار و مدار ہے۔ ہیرا نے درست کہا تھا..... لیکن وہ ضرور ان روپوں کو واپس کر دیگا۔ یہ واقعی قرض ہے جو ایک دن اُسے چکانا پڑے گا؟

۲۰

اسی طرح کچھ دن گذر گئے۔ لیکن ان دنوں میں اس نے ایک الگ کمرہ لے لیا۔ کمرے کی پگڑی اُسے دینا پڑی۔ یہ کمرہ ایک اونچی بلڈنگ کے فورتھ فلور پر واقع تھا۔ کمرہ کافی کشادہ تھا اور چونکہ فورتھ فلور پر تھا، اس لئے ہوا کافی آتی تھی۔ یہ درست ہے کہ جب وہ نرائن سے الگ ہو کر چلا تو ایک لمحہ کے لئے اس کے دل میں کسی نے کہا "تم نہایت کمینے ہو۔ تم اصلی جگہ چھوڑ کر جا رہے ہو" ۔ لیکن یہ آواز اُن روپوں کی کھنک میں گم ہو گئی جو اُسے ہیرا نے دئے تھے۔

ہیرا اِن دنوں اس پر کچھ اس طرح مہربان ہو گئی تھی کہ سٹوڈیو میں عجیب عجیب باتیں پھیلنے لگی تھیں۔ لیکن جگدیش ابھی تک ہیرا کے اصلی مقصد سے آگاہ نہ ہوا تھا۔ وہ اکثر ہیرا کے میک اپ روم میں جاتا۔ وہ اسے پیار سے بلاتی۔ چائے پلاتی اور اپنا جسم دکھا کر اُسے محظوظ کرتی۔ ایک دن ہیرا اسے اپنے گھر لے گئی۔ ہیرا کا گھر دیکھ کر جگدیش بھونچکا رہ گیا۔ اتنا خوبصورت گھر اُس نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ ڈرائنگ روم میں نہایت ہی عمدہ اور نئے قسم کا صوفہ سیٹ تھا ایک شاندار ریڈیو گرام تھا اور فرش پر ایک قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ شام کا وقت تھا اور ڈرائنگ روم کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں اور کھڑکی سے افق تک پھیلا ہوا سمندر دکھائی دے رہا تھا...... چاند نہ جانے کہاں تھا۔ اور سمندر آہستہ آہستہ سانس لے رہا تھا۔ لہریں آتی تھیں اور ساحل سے ٹکرا کر واپس چلی جاتی تھیں۔ کمرہ ایک ہی نہ تھا بلکہ چار بڑے بڑے کمرے تھے —— ایک ڈرائنگ روم۔ دوسرا سونے کا کمرہ، تیسرا ہیرا کی ماں کا۔ چوتھا ہیرا کا کمرہ۔

اور پھر برآمدہ اور اس کے نیچے ایک خوبصورت باغ اور باغ کے کنارے ایک جنگلہ۔

ہیرا نے جگدیش کو ایک ایک کمرہ دکھایا۔ ڈرائنگ روم سے ہوتے ہوئے وہ سونے کے کمرہ میں آئی۔ پھر اس نے اپنی ماتاجی سے ملایا جو کافی بوڑھی ہو چکی تھیں۔ ہیرا کی ماں نے جگدیش سے بہت کم باتیں کیں۔ آج ہیرا نے عجیب غریب قسم کا لباس پہنا ہوا تھا۔ ایک ہلکا سا بلاوز جس میں سے اس کا جسم دکھائی پڑتا تھا اور ایک ہلکے نیلے رنگ کی ساڑی، جو اس کے جسم سے چپکی ہوئی تھی۔ بال اس کے شانوں پر لہرا رہے تھے۔ وہ شاید ابھی نہاکر آئی تھی اور بالوں میں کنگھی کرکے وہ سیدھی ادھر آگئی تھی۔ اس کے جسم سے عطر کی ہلکی ہلکی خوشبو آ رہی تھی اور اس کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی لپ اسٹک لگی ہوئی تھی جس کا رنگ گہرا سرخ تھا۔ جب ہیرا نے اپنا کمرہ دکھایا تو وہ واقعی ہکا بکا رہ گیا۔ دیواروں پر خوبصورت عورتوں کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ کسی عورت کی چھاتیاں نمایاں تھیں تو کسی کے کوٹھے۔ کسی کے لب نیم وا تھے تو کسی کے بال شانوں پر لہرا رہے تھے۔ اسی کمرے میں ایک دو مجسمے بھی رکھے ہوئے تھے۔ ایک مجسمہ ایک مرد کا تھا جس کے سامنے ایک عورت مادر زاد ننگی لیٹی ہوئی تھی۔ لیکن ان دونوں کو دیکھ کر عریانیت کا احساس نہ ہوتا تھا۔ انھیں دیکھ کر ایک خوبصورت تناسب کا احساس پیدا ہوتا تھا۔ جمالیاتی حس میں ایک اضافہ ہوتا تھا۔ کمروں کی دیواروں پر نیلے رنگ کا پینٹ کیا ہوا تھا۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر ہلکے نیلے رنگ کے پردے۔ میز پر ایک گلدان اور گلدان میں مسکراتے ہوئے پھول۔ ہیرا نے ایک پھول اٹھا کر اپنے بالوں میں لگا لیا۔ اور مسکرا کر جگدیش کی طرف دیکھنے لگی۔

جب جگدیش مکان دیکھ چکا تو اُسے اپنے آپ پر رحم آیا۔ اُسے اپنا کمرہ یاد آیا اور اس کے ساتھ اُسے اپنے آپ پر غصّہ آیا کیوں اُس قسم کے گندے ماحول میں رہتا تھا؟...... اس مکان کو دیکھ کر اسے اپنے نئے کمرے سے کچھ نفرت سی ہوگئی۔ شروع میں وہ کچھ خوش ہوا تھا۔ لیکن ہیرا کا یہ مکان دیکھ کر اس کا دماغ بھنّا گیا۔ کچھ لوگوں کے پاس اتنی دولت کیوں آتی ہے اور کچھ لوگ کیوں کھولیوں میں رہ کر مر جاتے ہیں؟

لیکن وہ اس کے آگے نہ سوچ سکا کیونکہ ہیرا اس کے قریب آگئی تھی۔ وہ اتنی قریب آگئی تھی کہ اُس کے جسم کی آنچ اُسے محسوس ہونے لگی تھی۔ کمرے میں کوئی نہ تھا۔ اس کی ماں دوسرے کمرے میں تھی۔ نوکر باہر تھے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن پردے لٹک رہے تھے۔ دور آسمان پر تارے موتیوں کی طرح ہنس رہے تھے اور سمندر ایک مدھم گیت گا رہا تھا اور اس کی لہریں ریت کے ذرّوں کو دیوانہ وار چوم رہی تھیں۔

ہیرا تمھارے پاس ہے۔ بالکل قریب ہے.... یہ ہیرا کا مکان ہے ہیرا خوبصورت ہے۔ ہیرا نے تمھیں پانچ سو روپے دئیے ہیں — اس نے تمھیں اس کمرے میں بلایا ہے — یہ عجیب عورت ہے — تم عجیب مرد ہو باہر ابھی تک چاند آسمان پر نہیں نکلا۔ شاید آج چاند نہ نکلے۔ باہر اندھیرا ہے — یہ کس کی خوشبو ہے؟ یہ کس کے بال ہیں، اتنے نرم اور ملائم؟ یہ کس کا جسم ہے اتنا نرم اور گرم؟ یہ کس کی نگاہیں ہیں، مہربان اور ملتجی؟ — تم اس بڑے شہر میں کیوں چلے آئے؟ کیا کملا کو بھول گئے؟ کملا کہاں ہے؟ تم کہاں ہو؟ کملا اب یہاں نہیں آسکتی۔ وہ وہیں رہے گی۔ کملا تو گاؤں کی لڑکی ہے۔ وہ شہر میں آکر کیا کرے گی؟ وہ کھانا پکانے کے علاوہ کیا کر سکتی ہے

ہیرا تو بہت کچھ کر سکتی ہے۔ ہیرا نے کیا کچھ نہیں کیا؛
اور ہیرا بستر پر لیٹ گئی تھی، اپنے پلنگ پر، اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ دھیمے دھیمے سانس لے رہی تھی۔ اس کی سیاہ پلکیں اس کے رخساروں پر لرزاں تھیں۔
جگدیش اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ اُس نے ہیرا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ہیرا نے اس کا ہاتھ چوم لیا اور ایک لمحہ کے لیئے جگدیش نے اپنے آپ کو اس لمحہ کے حوالے کر دیا اور اس کے لب ہیرا کے آتشیں لبوں سے ٹکرا گئے۔ ہیرا خاموش لیٹی رہی اور جگدیش گھبرا کر کمرے سے باہر نکل آیا۔
ہیرا اس کے پیچھے پیچھے آئی۔
"مجھے معاف کر دیجیئے گا۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں اپنے آپ میں نہ تھا۔"
ہیرا ہنس پڑی۔
"آپ نے معاف کر دیا؟"
"اس میں معافی کی کیا بات تھی جگدیش صاحب!"
"در اصل میں — میں آپ کو دیکھ کر گھبرا سا گیا — یعنی میں اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا۔"
"اچھا — بس اتنی سی بات تھی؟ چلئے معاف کیا — اب کھانا منگاؤں؟"
اور ہیرا نے جواب کا انتظار کئے بغیر منگلو کو آواز دی۔ نوکر دوڑتا ہوا داخل ہوا۔
"ڈائننگ ہال میں کھانا لگاؤ۔"
"ابھی لگاتا ہوں بی بی جی۔"
منگلو کھانا لگانے کے لئے چلا گیا۔

"آج کی شام بہت ہی خوبصورت ہے۔"

"دراصل اب شام رات میں بدل چکی ہے۔" جگدیش نے ہیرا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں نے پروڈیوسر سے بات کر لی ہے۔"

"کون سی بات؟"

"ایک نئی فلم کی بات۔"

"کیا مجھے کام ملے گا اس فلم میں؟"

"صرف کام ہی نہیں ملے گا بلکہ آپ اس فلم کے ہیرو ہوں گے۔"

"کیا میں فلم کا ہیرو بن سکتا ہوں؟"

"کیوں؟ آخر اور لوگوں میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جو آپ نہیں بن سکتے۔"

"ذرہ نوازی کا شکریہ۔"

"آپ شرمندہ کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ دیکھئے ایک بات اور بتا دوں جب تک آپ کا کنٹریکٹ نہ ہو جائے بات مکمل نہ سمجھئے گا۔ فلمی دنیا میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آج پروڈیوسر مہربان ہے تو کل آپ کا جانی دشمن۔ بہرحال بات پکی دکھائی دیتی ہے۔"

"کھانا لگا دیا بی بی جی۔" منگو نے آ کر کہا۔

ڈائننگ ہال میں سوائے ان دونوں کے اور کوئی نہ تھا۔ دونوں اکیلے تھے اس لئے سماں بھی عجیب تھا۔ جگدیش کم گو انسان تھا۔ ہیرا بھی زیادہ باتیں نہ کر سکتی تھی لیکن وہ چاہتی ضرور تھی کہ کوئی اُس کے متعلق باتیں کرے اس کی تعریف کرے۔ لیکن آج جگدیش کھانے میں زیادہ مصروف تھا۔ طرح طرح

کے کھانے تھے ـــــ گوشت، بریانی، پلاؤ، مٹر، سلاد ۔ کافی عرصہ کے بعد اس نے لذیذ کھانا کھایا تھا ۔ اور خاص کر ایسے ماحول میں ـــ ایک صاف ستھرے کمرے میں، صاف ستھری پلیٹوں میں، ایک خوبصورت عورت کے سامنے۔

آج جگدیش یوں محسوس کر رہا تھا جیسے وہ عرشِ بریں پر پہنچ گیا ہو۔ زندگی میں اور کیا چاہیئے؟ ـــ یہ شاندار کوٹھی، یہ حسین عورت، یہ لذیذ کھانے ـــ کمرے میں دھیمی دھیمی روشنی تھی اور کمرے کے باہر ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ لیکن یہ اندھیرا بھی آج کتنا خوبصورت اور پُراسرار دکھائی دیتا ہے۔ یہ وہ اندھیرا نہ تھا جو نرائن کے کمرے میں تھا۔ ان گندی چالوں اور مکروہ برآمدوں میں تھا یہ اندھیرا نرم اور حسین تھا۔ نہ بدبو، نہ اکتاہٹ، نہ تلخی، نہ افسردگی ـــ یہ اندھیرا پُرسکون تھا، میٹھا میٹھا اندھیرا۔ جو کبھی کبھی روشنی سے زیادہ دلکش اور پیارا ہوتا ہے۔ جو دل میں مسرت کے نغمے بھر دیتا ہے۔

جگدیش کھاتا گیا اور ہیرا اس کی طرف دیکھتی رہی اور خوش ہوتی رہی وہ اتنا کھا گیا تھا کہ اسے اپنے آپ غصہ آگیا تھا ـــــ ہیرا کیا سمجھے گی۔ سوچے گی جیسے میں نے عمر بھر اچھا کھانا نہیں کھایا ہ لیکن ہیرا خوش تھی کہ جگدیش نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ جگدیش کو یاد آیا، جب کبھی نرائن کے کمرے میں مہمان آتے تھے اور چائے یا چار مینار کی فرمائش کرتے تھے تو بڑا غصہ آتا تھا ـــــ خاص کر اس وقت جب جیب میں ایک کوڑی بھی نہ ہوتی۔ لیکن ہیرا تو خوش ہو رہی تھی۔

"اور کھائیے نا۔" کسی کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

"بہت کھا لیا میں نے۔" جگدیش نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"آپ نے بہت کم کھایا ہے۔"

"آپ مذاق کر رہی ہیں۔"

"تو آپ ہاتھ دھو ڈالئے۔"

جگدیش نے ہاتھ دھوئے اور پھر دونوں ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔ بیڈ روم سے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔

"منگلو۔"

"جی بی بی جی۔"

"جس کا فون آئے اس سے کہہ دو کہ میں گھر میں نہیں ہوں۔ سنیما دیکھنے گئی ہوں۔ سمجھے!"

"جی"

"آپ یہاں اکیلی رہتی ہیں؟"

"جی نہیں۔ میری ماتا جی میرے ساتھ رہتی ہیں۔"

"آپ کو یہاں ڈر نہیں لگتا؟"

"ڈر کس بات کا؟"

"شہر سے بہت دُور رہتی ہیں نا آپ۔"

"میں نے خود شہر سے دور یہ جگہ لی ہے۔"

"لیکن یہ جگہ ہے خوبصورت"

"جی اس میں کوئی شک نہیں۔" ہیرا نے اپنا پاؤں سامنے کی تپائی پر رکھا۔ ساڑی ذرا پنڈلی سے سرک گئی تھی ــــ ایک خوبصورت پاؤں نے جگدیش کی طرف جھانک کر دیکھا اور اس کے اوپر سے ایک متناسب پنڈلی نے۔ پاؤں خوبصورت تھا، انگلیاں خوبصورت تھیں، ناخنوں پر پالش کی ہوئی تھی اور جلد نہایت ہی ملائم اور حسین اور سپید سپید تھی۔

اس کی نگاہ ذرا اور اوپر سرکی۔ پاؤں سے ذرا اوپر ــــ ایک پنڈلی، گوری گوری ــــ اس پنڈلی کے اوپر ایک ہلکے نیلے رنگ کی باریک ساڑی۔ گول گول پنڈلی جگدیش کی طرف دیکھ رہی تھی اور ہیرا یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اور جگدیش کی ان حرکتوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی۔

جگدیش اتنا کھا گیا تھا کہ آنکھوں میں غنودگی سی آ رہی تھی۔ ایک نشہ سا اس پر چھاتا چلا جا رہا تھا لیکن اس غنودگی کے ساتھ ساتھ اس کے اندر ایک آتشیں جذبہ بھی اُبھر آیا تھا۔ کیا وہ ہیرا سے کہہ دے کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے؟ نہایت فضول بات ہے۔ مجھے ہیرا سے کوئی محبت نہیں۔ مجھے کملا سے محبت تھی اور ہے۔ ہیرا سے کوئی محبت نہیں۔ لیکن وہ ہیرا کو پسند کرتا ہے۔ کیوں کرتا ہے؟ ہیرا نے اسے روپے دئیے ہیں۔ اچھا کھانا کھلایا ہے۔ وہ اسے ایک فلم میں ہیرو کا رول دلا رہی ہے۔ . . . . لیکن ہیرا کیوں یہ سب کچھ کر رہی ہے؟ یوں ہی کر رہی ہے . . . . . یوں ہی کوئی کسی کے لئے کچھ نہیں کرتا . . . . . ہیرا اُسے پسند کرتی ہے . . . کیوں پسند کرتی ہے؟ وہ خوبصورت ہے . . . . . یہ محض جھوٹ ہے . . . . . وہ اتنا خوبصورت نہیں کہ ایک فلم ایکٹریس اس پر مرنے لگے۔ وہ شریف ہے وہ بھولا ہے وہ صحت مند ہے، وہ دیانتدار ہے . . . . . محض بکواس ہے۔ اب وہ شریف کہاں ہے؟ دیانتدار کہاں ہے؟ وہ کملا کو بھول رہا ہے۔ اس نے آج تک کملا کو کوئی خط نہیں لکھا۔ اچھا کیا اس نے۔ اگر وہ خط لکھتا تو وہ ضرور آ جاتی۔ اور اگر ہیرا کو معلوم ہو گیا کہ وہ اُس سے پہلے کملا کو چاہتا تھا اور اب تک چاہتا ہے تو وہ کیا کرے گی؟ ہیرا نے اس سے پہلے عشق کئے ہوں گے، ضرور

کئے ہوں گے۔ ابھی تک کر رہی ہو گی۔ وہ خود کہہ چکی ہے کہ یہ لائن ہی ایسی ہے۔ اخلاق کا پاس نہیں۔ اخلاق کیا ہوتا ہے؟ ..... روپے دیکر کسی کو خرید لو۔ مرد روپے دیکر عورت کو خریدتا ہے اور عورت روپے دے کر مرد کو خریدتی ہے ..... یہ جھوٹ ہے۔ ہیرا نے اسے خریدا نہیں۔ ہیرا اس سے ویسے ہی محبت کرتی ہے، جیسے وہ کملا سے محبت کرتا ہے۔

اس نے ہیرا کی طرف دیکھا۔ ہیرا سوگئی تھی۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو کر بند ہوگئی تھیں اور چہرے پر ایک دلکشی سی آگئی تھی۔ کیا وہ سوگئی تھی؟ اگر وہ سوگئی تھی تو کیا وہ اسے چوم لے؟ اگر وہ جاگ گئی تو بھی وہ کچھ نہ کہے گی۔ اس سے پہلے بھی اس نے کچھ نہ کہا تھا۔ وہ کیوں سوگئی تھی؟ ابھی تو وہ جاگ رہی تھی؛

اور وہ سوچتا گیا۔ اس کا ذہن آتشیں ہوتا گیا ۔؟ نہیں۔ نہیں۔ اسے یہاں سے چلا جانا چاہیئے۔ واپس اپنے کمرے میں۔ ہاں اپنے کمرے میں۔ فورتھ فلور پر۔ اپنے گندے کمرے میں، جہاں کی دیواریں میلی تھیں۔ جہاں کا پلستر اکھڑ چکا تھا، جہاں سے سنڈاس کی بو آتی تھی، جہاں کی سیڑھیاں گندی تھیں، جہاں کا فرش میلا تھا۔ جہاں کے رہنے والے غریب اور اندھے تھے جہاں کی عورتیں دبلی پتلی تھیں۔ جو تمباکو کھاتی تھیں۔ جن کے سر میں جوئیں اور آنکھوں میں میل تھا اور جو سال میں ایک بچہ جنتی تھیں۔ ہاں وہ واپس چلا جائے، نرائن کے پاس، اپنے دوستوں کے پاس، وہ وہاں خوش تھا۔ ..... نہیں نہیں وہ وہاں خوش نہیں تھا۔ بالکل خوش نہ تھا صوفی مر چکا تھا۔ نرائن مل سے نکال دیا گیا ہوگا۔ بنرجی بھوکا مر رہا تھا۔ یہ تھی ان کی زندگی۔ وہ تو اس زندگی سے بھاگ کر آیا تھا اپنی زندگی بنانے کے لئے،

آگے بڑھنے کے لئے، اُس نے اس کھولی کو چھوڑ دیا تھا۔ اَب اُسے آگے اور آگے جانا تھا۔

یکایک ہیرا جاگ اٹھی۔

"ارے میں تو سوگئی تھی۔ معاف کیجئے گا جگدیش صاحب۔ آپ بھی کہیں گے عجیب عورت ہے کہ مہمان تو جاگ رہا ہے اور خود سوگئی۔ کیا میں واقعی سوگئی تھی؟"

"ہاں آپ واقعی سوگئی تھیں اور نیند نے واقعی آپ کو بہت خوبصورت بنا دیا تھا۔"

"تو کیا میں پھر سوجاؤں؟"

"اب مجھے اجازت دیجئے گا، میں جانا چاہتا ہوں۔"

"یہیں سوجائیے —— دوسرے کمرے میں۔ گھر پر آپ کا انتظار کرنے والا تو کوئی نہیں؟"

"جی نہیں .... لیکن میں اپنے کمرے میں جاؤں گا۔ امید ہے آپ مجھے اجازت دیں گی؟"

"اگر آپ واقعی جانا چاہتے ہیں تو ضرور جائیے۔ مجھے کوئی انکار نہیں ہے۔"

جگدیش نے اجازت لی اور سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا۔

۲۱

وہ رات بے حد حسین تھی۔ اس رات کو جگدیش کبھی نہیں بھول سکتا۔

یوں تو اس کی زندگی میں اور بہت سی راتیں آئیں اور بیت گئیں لیکن کسی نے اس کے ذہن پر ایسا نقش نہ چھوڑا جو اُسے یاد رہتا۔ اس کی زندگی میں عجیب عجیب راتیں آئی تھیں۔ راتیں، جو ٹھنڈی اور یخ بستہ تھیں۔ راتیں جو کالی اور سیاہ تھیں۔ راتیں جو ننگی اور بھوکی تھیں، راتیں جن میں گیدڑ چلاتے تھے اور کتے روتے تھے، راتیں جن میں بھوت شمشان گھاٹ پر ناچتے تھے اور آسیب فضاؤں میں بھٹکتے تھے۔ راتیں جن میں انسان سو نہیں سکتا۔ راتیں جو جاگ کر آنکھوں میں کاٹی جاتی ہیں۔

لیکن یہ رات ان سب راتوں سے الگ تھی —— حسین، شہد بار، لذت بخش۔

اس رات ہیرا نے اُسے اپنی کار میں بٹھایا تھا، یوں اس سے پہلے بھی وہ کئی بار کار میں بٹھا کر اُسے بازار لے گئی تھی اور سنیما دکھایا تھا۔ لیکن وہ رات نشہ بار تھی۔ طبیعت میں ہلکا ہلکا سرور تھا۔ جسم میں ہلکی ہلکی گرمی تھی۔ اور وہ دونوں نئے سال کا ناچ دیکھنے گئے تھے۔ ساحل کے کنارے، نہانے کے تالاب میں یہ ڈانس ہو رہا تھا۔ سامنے ساحل تھا اور ساحل سے پرے سمندر، اور سمندر ساحل سے دور ہٹ کر بہت دور چلا گیا تھا۔ ہوا میں بینڈ کا نغمہ آہستہ آہستہ گونج رہا تھا اور سمندر دھیرے دھیرے سانس لے رہا تھا اور آسمان پر چاند ہولے ہولے مسکرا رہا تھا اور ستارے دھیمے دھیمے چمک رہے تھے۔ اُس رات آسمان کی مانگ بھری ہوئی تھی اور پیشانی پر چاند کا بوسہ دمک رہا تھا۔ تیرنے کے تالاب کے ارد گرد بڑے بڑے قمقمے روشن تھے۔ اور ناریل کے درخت اُچک اُچک کر جھانک رہے تھے اور سیمنٹ کے صاف شفاف فرش پر خوبصورت جوڑے ناچ رہے

تھے۔ ہر پانچ منٹ کے بعد آرکیسٹرا کی ٹیون بدل جاتی۔ ٹیون کبھی تیز و تند ہو جاتی اور جوڑے تیزی سے ناچنے لگتے۔ ان کی ٹانگوں میں بجلیاں بھر جاتیں جسم جسم سے ٹکرانے لگتے۔ زلفیں شانوں پر لہرانے لگتیں۔ ٹانگیں برقی سرعت سے ہم آہنگ حرکتیں کرنے لگتیں اور کمر بانہوں کے حلقے میں رقص کرنے لگتی۔ آنکھوں میں ہلکا ہلکا سا خمار بھر جاتا اور ایسی نگاہیں ڈولنے لگتیں جو کبھی جسم کو سرد کر دیتیں، کبھی جسم میں آگ لگا دیتیں۔

جگدیش اور ہیرا دونوں اس ناچ کو دیکھ رہے تھے۔ دور آسمان میں چاند پورے جوبن پر تھا۔ اب کے ٹیون پھر بدلی۔ اور ناچنے والوں نے اپنے پاؤں اور تیز کر دیے۔ ہیرا نے ناچنا چاہا۔ لیکن جگدیش کو ناچ نہ آتا تھا۔ اور ہیرا سوائے جگدیش کے کسی اور کے ساتھ ناچنا نہ چاہتی تھی۔ ہیرا نے آج تھوڑی سی شراب بھی پی تھی۔ اس نے جگدیش کو بھی تھوڑی سی شراب پلائی تھی۔ اور یہ شراب زندگی میں پہلی بار جگدیش نے پی تھی۔ اسے اپنے جسم میں ایک نئی طرح کی سنسنی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سرور بھرا جا رہا تھا۔ اس کی زبان تیز چل رہی ہے۔ اور باتیں کرتے ہوئے اکثر ایسے لڑکھڑا جاتی تھی۔ جیسے چلتے ہوئے اس کی ٹانگیں لڑکھڑائی تھیں۔

اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ہیرا کی طرف دیکھتا رہے۔ خوبصورت اور جوان ہیرا کی طرف جس کی مہربان نگاہوں نے جگدیش کو ایک نئے جذبے سے آگاہ کیا تھا، ایک نئی دنیا سے متعارف کرایا تھا۔ یہ ہیرا کون تھی؟ یہ کیسے اس کی زندگی میں آ گئی؟ یہ کیوں آ گئی؟ اس سے پہلے کیوں نہ آئی؟ اگر آئی تو اب کیوں آئی؟ . . . . آرکیسٹرا پھر بجنے لگا۔ جوڑے پھر ناچنے

لگے۔ ہیرا پھر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ آج اس نے سیاہ رنگ کا چست بلاؤز پہنا ہوا تھا اور سفید رنگ کی مہین ساڑی۔ اور اس سیاہ بلاؤز اور سفید ساڑی کے درمیان اس کا جسم کندن کی طرح دمک رہا تھا۔ کانوں میں لانبے لانبے آویزے لرز رہے تھے وہ اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھی، ایک کرسی پر — عورتیں اتنی مہربان کیوں ہوتی ہیں؟ اتنی خوبصورت کیوں ہوتی ہیں؟ اور وقت گذرتا گیا۔ چاندنا ریل کے درختوں کی اوٹ میں چلا گیا سمندر کا پانی اور گہرا اور سیاہ ہو گیا۔ ناچنے والے جوڑے الگ الگ ہو کے بیٹھ گئے۔ آرکیسٹرا والوں نے اپنے ساز سمیٹ لئے۔ ایک گہری نشیلی تھکن کا احساس ہر طرف رچ گیا۔ ہیرا اپنی کرسی سے اٹھی۔ وہ بھی اٹھا۔ ہیرا کار میں بیٹھی۔ وہ بھی بیٹھا۔ وہ ہیرا کے ساتھ بیٹھا اور ہیرا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ہیرا نے کچھ نہ کہا۔ کار چلنے لگی . . . . آہستہ آہستہ . . . . باہر رات کالی اور کجراری تھی۔ چاند تھا، لیکن ڈھل کر بہت نیچے چلا گیا تھا۔ کار ان دونوں کو لے جا رہی — کہاں؟ کس طرف؟ کس سمت؟ . . . . اور ہیرا کا گھر آ گیا۔ وہ دونوں اترے۔ جگدیش نے اپنی بانہہ ہیرا کی کمر میں ڈال دی۔ ہیرا نے کچھ نہ کہا — "کچھ تو کہو کہ رات اندھیری ہے کچھ تو بولو کہ رات سنسان ہے اور جذبہ جوان ہے۔" لیکن ہیرا کچھ نہ بولی۔ وہ کمرے میں چلی گئی اور جگدیش بھی کمرے میں چلا گیا اور کمرہ بڑا خوبصورت تھا۔ ہیرا بھی بڑی خوبصورت تھی۔ اور ہیرا ایک مندر تھی جس میں پجاری آتے ہیں اور پوجا کر کے چلے جاتے ہیں۔ "ہیرا کون کہتا ہے تم بری ہو؟" — تمہارا یہ جوان سانچے میں ڈھلا جسم، یہ سڈول بازو۔ یہ گداز سینہ کا زیر و بم اور یہ جسم کی ہلکی ہلکی سی آنچ — تم بری نہیں ہو . . . . ہرگز نہیں ہو . . . . اور اگر تم بری ہو تو اچھی عورت کیسی

ہوتی ہے؟ .... میرے لئے تم بُری عورت نہیں ہو ... تم جہاں چاہو مجھے لیجا سکتی ہو ...... میں تمہارے ساتھ اس لمبے سفر پر جانا چاہتا ہوں ... یہ بڑا خوبصورت سفر ہے، بڑا خوابناک سفر ہے .... بڑا راحت بخش سفر ہے۔ اس میں انسان انسان میں تحلیل ہوجاتا ہے .... ایک نئی منزل میں داخل ہوجاتا ہے —— تم نے مجھے اس نئی منزل سے آگاہ کیا ہے —— میں پیار سے اور محبت سے اپنے کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔"

اور دوسرے دن جگدیش بستر سے اُٹھا۔ ہیرا اس وقت دوسرے پلنگ پر سوئی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر صرف ایک جالی دار اوڑھنی تھی اور اس اوڑھنی میں سے اس کا سڈول جسم جھانک رہا تھا۔ اس کی ابھری ہوئی چھاتیوں میں زیر و بم تھا۔ باقی سارا جسم ایک عظیم راحت اور سکون سے ہمکنار تھا۔ ایسا معلوم پڑتا تھا جیسے سارا سمندر سو گیا ہو اور لہروں نے اپنا سر نگوں کر لیا ہو۔ کتنا حسین اور سڈول جسم تھا اور چھاتیوں اور پیٹ کا درمیانی خم کتنا دلآویز تھا۔ "عجیب بات ہے" اس نے سوچا "یہ عورت میرے ساتھ تھی اور اس کا یہ جسم بھی میرے پاس تھا۔ نرم و نازک جسم، یہ رخسار، یہ ہونٹ، یہ ٹھوڑی، یہ سپید گردن، یہ ننھے ننھے سے کان، یہ موٹی موٹی آنکھیں، یہ بھورے بھورے بال۔ یہ سب کچھ میرا تھا۔ لیکن وہ لمحہ گذر گیا جب یہ سب کچھ میرا تھا، صرف میرا، اور کسی کا نہیں، اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت اجنبی دیس کی شہزادی ہے اور میں خود اجنبی دیس کا شہزادہ ہوں اور پہلی بار اس شہزادی کو دیکھ رہا ہوں۔ نہیں۔ نہیں وہ ایک جزیرہ کی طرح تھی، جہاں میں نے خوشبوؤں کی ان گنت صدیاں گذاری تھیں لیکن صدیاں گذارنے کے بعد بھی وہ آج اسے بالکل نئی اور اجنبی معلوم پڑتی تھی۔"

ہیرا یوں سوئی ہوئی تھی جیسے ایک لمبا سفر طے کر کے تھک گئی ہو۔ اس کی آنکھوں میں، جو اس وقت بند تھیں، سکون رچا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت تھی۔ اس کے لب بھرے بھرے تھے اور اوپر کا ہونٹ ذرا اُٹھا ہوا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اس جگہ کو چوم لے۔ لیکن اس وقت وہ ہیرا کی نیند خراب کرنا نہ چاہتا تھا۔ رات کی بات اور تھی اب تو دن چڑھ آیا تھا رات ساری خواب میں گذری تھی لیکن دن کی روشنی خواب کے بجائے حقیقت کو روشن کر رہی تھی۔

'وہ کیا تھا؟ وہ کیا کرنے آیا تھا؟ وہ کیا کر رہا ہے؟ وہ کملا سے، اپنی ماں اور اپنی بہن سے کیا کچھ کہہ آیا تھا؟ یہ درست ہے کہ وہ اپنی ماں اور بہن کو روپے برابر بھیجتا رہا ہے، لیکن اس نے یہ وعدہ بھی تو کیا تھا کہ وہ اُن کو اپنے پاس شہر میں بلالے گا۔ اس نے کملا کو یہ وچن بھی تو دیا تھا کہ وہ اسے بیاہ کرلے جائے گا۔ اس وعدہ کا کیا ہوا؟ اس وچن کا کیا ہوگا؟'

وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ہیرا نے آنکھیں کھولیں اور بڑے پیار سے اُس کی طرف دیکھ کے مسکراتے ہوئے کروٹ بدل لی۔ نیند کا خمار اس کی پلکوں کو کھلنے نہ دیتا تھا۔ جگدیش اس کے بستر سے اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ دانتوں کو صاف کیا۔ نہایا۔ اور پھر واپس آیا۔ ہیرا ابھی لیٹی ہوئی تھی۔ لیکن اب وہ اخبار پڑھ رہی تھی۔ نوکر چائے لے آیا تھا۔ اور دونوں چائے پینے لگے۔ چائے پیتے پیتے ہیرا نے اس کے لبوں کو چوم لیا۔ ہیرا کے لب گرم گرم تھے۔ جگدیش کو وہ گرم گرم ہونٹ بڑے ہی نرم نرم اور پیارے پیارے لگے۔ اس نے ہیرا کی طرف دیکھا۔ اُسے ہیرا کی آنکھوں میں بھی پیار ہی نظر آیا۔ اسے رات کی بات یاد آئی اور اسے محسوس ہوا ہیرا مجسم محبت ہے۔ مجسم زندگی ہے۔ اور اس سے بچ کر نکلنا اُسکے لئے ناممکن ہے۔

۲۲

کملا

جگدیش کے لئے کملا کی اہمیت تقریباً ختم ہو چلی تھی، لیکن کملا کے لئے جگدیش زندگی اور موت کا معاملہ بن چکا تھا۔ کملا ان لڑکیوں میں سے تھی جن کے لئے محبت پہلی اور آخری چیز ہوتی ہے۔ جو محبت کی رَو میں زندہ رہتی ہیں۔ جن کے جذبات ذہن پر حاوی رہتے ہیں۔ کملا کے لئے جگدیش کا اور زیادہ انتظار کرنا ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔ محبت کی بیقراری کے ساتھ ساتھ وسوسے اور اندیشے اس کے سکون اور اطمینان کو کھائے جاتے تھے۔ شاید وہ اپنے دل کو تسلی دے لیتی۔ شاید اس کے ذہن پر یہ خطرناک قدم اٹھانے کا خیال پیدا نہ ہوتا اگر جگدیش نے اسے دلاسا دیا ہوتا جگدیش کو گئے کتنے مہینے ہو گئے تھے۔ لیکن اس نے ایک بار بھی کملا کو یاد نہ کیا تھا۔ کملا کو خط لکھنا تو در کنار، وہ اپنی ماں کے خطوں میں بھی اس کا ذکر نہ کرتا تھا۔ اس کے خط ہر مہینے آتے تھے۔ منی آرڈر بھی پابندی سے آتے تھے کملا بڑی بیقراری سے جگدیش کی بہن سے خط مانگ کر پڑھتی لیکن کملا کے لئے کوئی پیغام نہ ہوتا۔ شادی کے متعلق ایک لفظ بھی نہ ہوتا۔ ' تو کیا جگدیش مجھے بھول گیا؟ کیا وہ مجھے بیاہنے نہ آئے گا؟ کیا ..... کیا اسے وہاں کسی اور لڑکی سے ......؟ نہیں، نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتے ..... وہ میرے سوا کسی اور سے شادی نہیں کر سکتے۔ ..... ہاں ..... انھوں نے وعدہ کیا تھا ..... وہ جھوٹا وعدہ

نہیں کر سکتے۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اتنے دن ہو گئے انھیں گئے ہوئے۔ ۔ ۔ ۔ اتنے دن ہو گئے انھیں نوکری کرتے ہوئے۔ ۔ ۔ ۔ انھوں نے مجھے یاد کیوں نہیں کیا؟ خط کیوں نہیں لکھا؟ لیکن۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ہو سکتا ہے انھیں بہت کام رہتا ہو وہ تھک جاتے ہوں، گھر کا سارا کام انھیں کرنا پڑتا ہو۔ ۔ ۔ ۔ اور یہاں سے اس کے خیالات دوسرا موڑ لیتے — وہ جگدیش کی خدمت کے بارے میں، اس کی بہبودی کے بارے میں سوچنے لگتی اور اسے سوچنے سے ایک گونہ مسرت حاصل ہوتی۔ وہ جگدیش کا قرب چاہتی تھی۔ اس کے ہاتھوں سے کھیلنا چاہتی تھی۔ اس کے بالوں کو چومنا چاہتی تھی۔ اس کے ہونٹوں سے پیار کرنا چاہتی تھی۔ جگدیش کو کیا معلوم کہ ایک لڑکی، ایک روح، ایک جسم اس کی کس شدت سے تمنا کر رہا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ وہ ایک زندگی کا محور بن گیا ہے — ایک نقطہ جس کے گرد ایک لڑکی کی زندگی ہر گھڑی، ہر پل گردش کرتی رہتی ہے۔ جگدیش اس کی نس نس میں بس گیا ہے۔ وہ اس سے دور نہیں رہ سکتی — ہرگز الگ نہیں رہ سکتی۔

کملا کے گرد جگدیش کی محبت کا جال اس قدر توانا اور مضبوط ہو گیا تھا کہ اس نے تمام خطرات کو نظر انداز کر کے یہ سوچنا شروع کر دیا تھا کہ وہ جگدیش کے پاس جا کے رہے گی۔ ٹھیک ہے اس کی بدنامی ہوگی۔ ماں باپ کی عزت پر دھبہ لگے گا۔ لیکن وہ ضرور جائے گی۔ آخر وہ کسی غیر شخص کے پاس نہیں جا رہی — وہ اپنے جگدیش کے پاس جا رہی ہے جو اس سے محبت کرتا ہے، جسے اُس کے ماں باپ بھی پسند کرتے ہیں — پھر اس کے پاس جانے میں ہرج؟ — آخر ہر لڑکی اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر جاتی ہے وہ بھی جائے گی — وہ یہاں انتظار نہیں کرے گی۔ وہ یہاں انتظار نہیں

کرے گی ۔یہاں وہ کیسے انتظار کر سکتی ہے ؟ ۔اس نے سن رکھا تھا کہ بڑے بڑے شہروں میں ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں جو لڑکوں کو پھنسا لیتی ہیں ۔ ۔ ۔ دیکھیں جگدیش بھی کسی لڑکی کے ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں ، نہیں ، ایسا نہیں ہوسکتا ۔ وہ ایسا نہیں ہونے دے گی ـــــ وہ جگدیش کے پاس جائے گی ۔بڑے شہر میں ۔ چپ چاپ ۔ جگدیش کو خبر کئے بغیر تاکہ وہ اُسے روکنے کی کوشش نہ کرے ۔ اُس کے ماں باپ کو اس ارادے کی خبر نہ کر سکے ۔

اور کملانے فیصلہ کر لیا ـــــ یہ فیصلہ عمل کا ایک حصّہ تھا ۔ بلکہ سب سے بڑا عمل تو ذہنی فیصلے کا ہوتا ہے ۔ اس فیصلے کے بعد قدم آگے بڑھتے ہیں حالانکہ لوگ بڑھتے ہوئے قدموں کی طرف دیکھتے ہیں اور دماغ کو بھول جاتے ہیں ۔ تو کملانے فیصلہ کر لیا کہ وہ جگدیش کے پاس بمبئی چلی جائے گی ۔ اس نے جگدیش کی بہن سے جگدیش کے گھر کا پتہ معلوم کر لیا ۔ اور ایک کاغذ پر نوٹ کر لیا ۔ اب وہ بڑی آسانی سے بمبئی جا سکتی تھی کیونکہ اس کے پاس روپے بھی تھے اس نے آنہ آنہ کر کے جمع کئے تھے ۔

لیکن یہ فیصلہ اس نے کئی راتیں جاگ کر اور اپنے سے کئی سوالات پوچھ کر کیا تھا ۔ اس نے اپنے سے بار بار پوچھا تھا کہ کیا وہ جگدیش کے بغیر رہ سکے گی اور اسے ہر بار یہی جواب ملا تھا ـــــ "نہیں ، ہرگز نہیں" ۔ اور اس نے اپنی تمام سوجھ بوجھ اور اپنی عمر کے تمام تجربے کی بنا پر یہ فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو ، وہ ضرور جائے گی ۔ ہوسکتا ہے اس کا فیصلہ غلط ثابت ہو ۔ انسان کتنی بار سوچ سمجھ کر خودکشی بھی کرتا ہے ۔ پھر وہ تو موت کی طرف نہیں ، زندگی کی طرف جا رہی ہے ، ایک نئی زندگی کی طرف ۔ اور اس کی حالت اس ہوائی جہاز کی طرح تھی جو ہوا میں اڑ جائے اور جسے معلوم نہ ہو کہ وہ

منزل تک پہنچ جائے گا یا راستے میں طوفان کا شکار ہو جائے گا۔ یا اس کا کوئی پرزہ خراب ہو جائے گا اور اس میں آگ لگ جائے گی۔

آگ لگ بھی جاتی ہے مگر ہوائی جہاز پھر بھی اڑتے ہیں۔ کملا ضرور جائے گی خواہ اس بازی میں وہ ہار ہی کیوں نہ جائے۔ اس کے دل نے اُسے یہی سمجھایا تھا کہ انسان ایسا قدم اٹھانے کے بعد اگر کامراں نہ بھی لوٹے تو بھی اسے افسوس نہیں ہوتا۔ حسرت دل میں باقی نہیں رہتی۔

وہ جائے گی بغیر کسی کو بتائے، بنا کسی کو خبر کئے۔۔۔ وہ اپنے نئے گھر ضرور جائے گی۔

۲۳

کملا کس رات بھاگی اور کیسے بھاگی، یہ کسی کو معلوم نہ ہوا۔ سچ ہے جب انسان بھاگنا چاہتا ہے تو اُسے کوئی نہیں روک سکتا ہے۔ کملا کو بھی کوئی نہ روک سکا۔ وہ بس میں بیٹھی، ریل میں بیٹھی، اس نے لوگوں کی عجیب و غریب نگاہوں کو برداشت کیا۔ لیکن اس کے ارادے کی پختگی میں فرق نہ آیا۔ شاید اسے کسی اور بات کا احساس ہی نہ تھا۔ اس کے دل میں صرف دو خیال تھے۔ ایک یہ کہ وہ اپنا پرانا گھر چھوڑ کر آئی ہے اور دوسرے یہ کہ اُسے اپنا نیا گھر بسانا ہے۔ جس گھر کو وہ چھوڑ کر آئی تھی وہاں کوئی تکلیف نہ تھی۔ وہاں تو آرام ہی آرام تھا۔ باپ کی شفقت اور ماں کا پیار تھا۔ اسے کپڑے کی کمی نہ تھی، کھانے کی کمی نہ تھی۔ محبت یا پیار کی کمی نہ تھی۔ لیکن اسے دوسرے کے گھر جانا تھا۔ ایک دن ضرور جانا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے

اپنا عظیم الشان سفر قبل از وقت شروع کر دیا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

گاڑی چلی جا رہی تھی، چھکا چھک چھکا چھک اور منزل قریب آتی جا رہی تھی۔ وہ اکیلی محسوس کر رہی تھی۔ گھر بار چھوٹ گیا تھا۔ اس کے ماں باپ کیا سوچ رہے ہوں گے؟ اس کی ماں کیا کرتی ہوگی؟ اس کا باپ تو ندامت سے سر جھکائے ہوئے اِدھر اُدھر گھوم رہا ہوگا...... اس نے اچھا نہیں کیا۔ اسے چند روز اور انتظار کرنا چاہیئے تھا۔ گلی محلے والے کیا کہتے ہوں گے، کیا ماں رو رو کر پاگل نہ ہوئی ہوگی؟ باپ نے پولیس میں اطلاع نہ دی ہوگی؟ کیا انھوں نے یہ نہ سوچا ہوگا کہ میں نے خودکشی کر لی ہے۔ میں نے کسی کو کچھ نہ بتایا —— نہ جگدیش کی بہن کو نہ جگدیش کی ماں کو، نہ کسی سکھی سہیلی کو۔ میں کیسے بتاتی اور کیونکر بتاتی؟ میں کتنی بے وقوف ہوں۔... اگر جگدیش نے مجھے نہ اپنایا تو؟..... اگر اس نے گھر سے نکال دیا؟ اگر اس نے اس سے پہلے کسی اور سے شادی کر لی ہو تو؟ تو، کیا ہوگا؟

لیکن اب قدم اٹھ گئے تھے۔ اب گاڑی واپس نہ جا سکتی تھی — اب، منزل قریب آ رہی تھی۔ جس منزل کی طرف پاؤں اُٹھے تھے وہ تو قریب آ رہی تھی۔ اب پیچھے مڑ کر دیکھنا بے سود تھا۔ اور کملا کے دل میں رہ رہ کر ماں باپ کا خیال آ رہا تھا۔ جب وہ گھر سے نکلی تھی، تو اس کی ماں سوئی ہوئی تھی۔ اس نے اٹھ کر ماں کے چہرے کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس کی بیٹی جا رہی تھی، لیکن وہ بے خبر سو رہی تھی۔ اس نے آنے سے پہلے اپنی ماں کی چارپائی

کوچوما تھا۔ لیکن وہ ایک گہری نیند میں مستغرق تھی۔ کسی سہانے خواب میں محو تھی۔ اور پھر وہ اپنے باپ کے کمرے میں گئی تھی۔ کواڑ کھلا ہوا تھا۔ اس کے باپ نے اپنے جسم پر چادر اوڑھ رکھی تھی۔ باپ کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے اور وہ اپنے باپ کے قدموں پر جھک گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔ ان آنسوؤں نے گرتے ہوئے کہا۔ "تم کتنے اچھے ہو۔ تم نے میرے لئے کچھ نہ کیا۔ مجھے کھلایا، پلایا، جوان کیا۔ میرے پیار کو اپنا پیار سمجھا۔ اگر کسی نے مجھے گھور کر دیکھا، تو تمھاری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ مجھے بخار چڑھا۔ تو تم نے ڈاکٹروں کو بلا لیا۔ میں نے محبت کی تو تم نے اس پر نادم یا خائف ہونے کے بجائے فخر کیا۔ میرے اچھے پتا، تم نے مجھے کبھی نہ گھڑکا، کبھی نہ جھڑکا۔ ہمیشہ مجھ سے پیار کیا۔ میں جا رہی ہوں۔ اے میرے مقدس باپ، میرے رحمدل باپ، مجھے معاف کرنا۔ میں تمھارے لئے کچھ نہ کر سکی۔ میں لڑکا ہوتی تو تمھارے گھر سے کبھی نہ جاتی۔ تمھیں کما کر کھلاتی، تمھاری خدمت کرتی۔ تمھارے بڑھاپے کا سہارا بنتی۔ لیکن میں لڑکی ہوں۔ مجھے تو جانا ہے" اور آنسو گرتے رہے تھے اور اس کی سفید چادر میں جذب ہوتے رہے تھے۔

یکایک ریل کے ڈبہ میں کوئی داخل ہوا۔ "میڈم، گاڑی ایک عرصے سے اسٹیشن پر رکی ہوئی ہے۔ کیا آپ کو گھر نہیں جانا ہے؟"

کملا نے چونک کر دیکھا۔ سامنے ٹی ٹی کھڑا تھا۔

"آپ کا ٹکٹ؟"

وہ خواب سے چونک اٹھی۔ اس کا دوسرا گھر آگیا تھا۔ اس نے بٹوے سے ٹکٹ نکالا۔

"آپ کا سامان؟"

وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

اس نے ایک چادر اٹھائی اور ایک چھوٹی سی گٹھری۔ یہی اس کا سامان تھا۔ وہ ایک دوسرے گھر جا رہی تھی، یہی سامان لیکر۔

ٹی ٹی نے اس کی طرف دیکھا ——" کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں؟"

وہ کچھ نہ بولی۔ اور کمپارٹمنٹ سے باہر نکل گئی۔

باہر ٹیکسی کھڑی تھی اور ایک گھوڑا گاڑی۔ کملا گھوڑا گاڑی والے کے قریب گئی۔ اس نے سوچا گھوڑا گاڑی سستی ہوگی اور ٹیکسی مہنگی۔

"بی بی جی کہاں جانا ہے؟"

"پریل —— واڈا وارڈی، پریل۔ مکان نمبر ۲۲"

"دو روپے ہوں گے۔"

وہ چپکے سے گھوڑا گاڑی میں بیٹھ گئی۔

گھوڑا گاڑی چلنے لگی۔

وہ کچھ نہ دیکھ سکی۔ اُس بڑے شہر کو نہ دیکھ سکی۔ اسٹیشن کی بڑی بلڈنگ کو نہ دیکھ سکی۔ بڑی بڑی بسوں اور ٹراموں کو نہ دیکھ سکی۔ بازاروں میں جم غفیر کو نہ دیکھ سکی ——

—— وہ اس شہر کو دیکھنے نہ آئی تھی۔ اسے اس شہر سے کیا واسطہ؟ اسے ان لوگوں سے کیا تعلق؟ —— وہ .... وہ .... تو اپنے نئے گھر جانا چاہتی تھی۔ اس نے ایڈریس کو بڑی مضبوطی سے اپنی انگلیوں میں پکڑا ہوا تھا۔ اور ذہن میں پتہ گھوم رہا تھا۔ پتہ زبانی یاد ہو گیا تھا، دل پر نقش ہو گیا تھا۔ واڈا وارڈی روڈ پریل۔ مکان نمبر ۲۲، ہاں نمبر ۲۲، نام جگدیش، نمبر ۲۲، جگہ پریل واڈا وارڈی روڈ، مت بھول جانا۔ اس کے

ہاتھوں میں پسینہ آ گیا تھا اور کاغذ گیلا ہو گیا تھا ـــــ و اگر اور زیادہ پسینہ آیا تو کاغذ گل جائے گا۔ گل جانے دو۔ پتہ کاغذ پر ہی نہیں ذہن پر بھی نقش ہو گیا تھا۔ وہ جگدیش کے مکان کے نمبر کو کبھی نہیں بھول سکتی۔

شام ہو چکی تھی، اندھیرا بڑھ گیا تھا۔ بازاروں میں قمقمے روشن ہو گئے تھے۔ گھوڑا گاڑی ایک جگہ آ کر رک گئی۔

"بی بی۔ یہاں سے پوچھ لو۔"

"بھیا۔ تم ہی کوشش کرو۔"

گاڑی بان اترا۔ اس نے مکان کا پتہ پوچھا۔

"نیا بازولا ـــ" ایک مراٹھی نے مکان کا ٹھکانا بتایا۔

گاڑی بان اس طرف گیا۔ یہاں ایک دودھ بیچنے والے بھیا کی دوکان تھی۔

"بائی کس کو ڈھونڈ رہی ہے؟"

"جی یہاں ایک جگدیش بابو رہتے ہیں۔"

"جگدیش بابو؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ارے وہی جگدیش بابو جو ہماری دوکان سے اکثر دودھ لیتے ہیں۔" دوسرے نے کڑک کر جواب دیا۔

"ہاں، ہاں جی سیدھے اوپر والی بلڈنگ میں چلے جائیے گا۔ چوتھے محلے میں ۲۲ نمبر کا فلیٹ۔"

جگدیش کا نام سن کر کملا کا سارا جسم جھنجھنا اٹھا۔ اس کا دوسرا گھر آ گیا تھا۔ اس نے دو روپے گاڑی بان کو دئے اور اپنا اثاثہ اٹھا کر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے

مونٹ ایورسٹ کی چوٹی پر جا رہی تھی۔

چوتھا محلا۔

پہلا محلا۔ اس کا سانس پھول گیا تھا۔

لیکن جتنا وہ اوپر جا رہی تھی، جگدیش اتنا ہی قریب آ رہا تھا۔

دوسرا محلا۔ سانس اور پھول گیا تھا۔

"وہ کیا کہے گا؟ وہ دیکھ کر اس سے لپٹ جائے گا۔ وہ رو پڑے گی وہ اس کے پاؤں پڑ جائے گی۔"

تیسرا محلا۔

سانس کے ساتھ دل کی دھڑکن بہت تیز ہو گئی تھی۔ دل کی دھڑکن اتنی تیز کبھی نہ ہوئی تھی۔ کانوں میں ڈھول سے بجنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"آہستہ آہستہ اوپر چلو۔ کہیں دل نہ پھٹ جائے۔ جب خوشی حد سے زیادہ ہو جاتی ہے تو اکثر دل کی دھڑکن یکلخت بند ہو جاتی ہے۔"

قدم بھاری ہو رہے تھے۔

چوتھا محلا ــــ آخری محلا۔ مونٹ ایورسٹ کی چوٹی۔ یہاں آکر اکثر راہی دم توڑ دیتے ہیں۔

ایک قدم۔ دوسرا قدم ــ تیسرا قدم ــ چو ــ تھا ـــــــ قدم۔

چوتھا محلا آ گیا تھا۔

بائیں طرف سامنے والے کمرے کا نمبر تھا ـــــــ ۲۲

۲۲ نمبر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا ــــ "تم کون ہو؟ کیوں آئی ہو؟ تمہیں کس نے بلایا؟ کس کی اجازت سے آئی ہو؟"

یہاں اندھیرا تھا لیکن نمبر کی پلیٹ چمک رہی تھی۔ دروازہ کھٹکھٹاؤں؟

اندر کون ہوگا ــــ جگدیش؟..... اگر وہ نہ ہوا، کوئی اور ہوا تو؟ اگر یہ ایڈرس غلط ہوا۔ کہیں گاڑی بان نے غلط جگہ تو نہیں پہنچا دیا...... شاید دودھ والے بھیا نے جان بوجھ کر دھوکا دیا ہو...... وہ کانا پھوسی کر رہے تھے... لیکن تم دروازہ تو کھٹکھٹاؤ؟

اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔

اندر بجلی کی روشنی تھی۔ اندر جگمگاہٹ تھی۔ لیکن باہر اندھیرا تھا۔ اس نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔ کوئی آواز نہ آئی۔ یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ کس کا کمرہ ہے؟ اندر سے کوئی آواز نہیں آتی۔ کیوں آواز نہیں آتی؟ کیا جگدیش نے مجھے دیکھ لیا تھا گلی سے آتے ہوئے؟ وہ جان بوجھ کر خاموش ہو گیا کیا؟ کیا وہ آواز دے؟ لیکن کس کو آواز دے؟ اگر کوئی دوسرا آدمی ہوا؟ نہیں، یہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہو سکتا۔ یہاں جگدیش ہی ہوگا۔ لیکن اب وہ مجھے نہ چاہتا ہوگا۔ اس نے دوسری لڑکی سے عشق کر لیا ہوگا۔ وہ کسی اور کو چاہنے لگا ہوگا؟ تبھی تو اس نے خط نہیں لکھا..........

...لیکن میں واپس نہیں جاؤں گی۔ میں ایک گھر اجاڑ کر آئی ہوں، دوسرا بسانے آئی ہوں بلکہ بسا چکی ہوں، اس کی دہلیز پر کھڑی ہوں۔ میں واپس نہ جاؤں گی۔ میں کبھی واپس نہ جاؤں گی۔ میں یہیں مر جاؤں گی۔ اسی دروازے پر جان دیدوں گی ــــ اس چوکھٹ پر۔ اور وہ دروازہ زور سے کھٹکھٹانے لگی تھی۔

وہ چلائی ”جگدیش! جگدیش!“ اس کی آواز سارے محلے میں پھیل گئی۔ ایک آدمی دوسرے کمرے سے نکل کر آیا۔

”کیا بات ہے میڈم؟“

"یہ جگدیش .... دروازہ نہیں .... کھلتا۔ دروازہ نہیں کھولتا۔"
اس کا سانس رکنے لگا تھا۔ دل کی حرکت بند ہونے لگی تھی۔

"دیکھتی نہیں دروازہ بند ہے۔ تالا لگا ہوا ہے۔ اندر کوئی نہیں ہے۔ صرف روشنی ہے۔" اس آدمی نے جواب دیا۔

"تالا لگا ہوا ہے؟" وہ حیران ہوکر بولی۔ اس کا ہاتھ تالے پر گیا۔ اس کے دل کی دھڑکن ٹھکانے پر آگئی۔

"وہ ذرا دیر سے آتے ہیں۔ آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔ آپ میرے کمرے میں آسکتی ہیں۔"

وہ چپ رہی۔ اس کی منزل اب اس کے سامنے تھی۔ پہلے آنکھوں سے اوجھل ہوگئی تھی اب آنکھوں کے سامنے آگئی تھی۔

"میں یہیں بالکونی میں بیٹھ کر انتظار کروں گی۔"

وہ آدمی چلا گیا۔ اور کملا بالکونی میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔ ہوا کے جھونکے اس کے بالوں سے کھیلنے لگے۔

۲۴

کملا بالکونی میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔ اب اسے یقین ہوگیا تھا کہ وہ جگدیش کے گھر پہنچ گئی ہے اور اب اسے کسی بات کی فکر نہیں ہے۔ اب اسے صرف جگدیش کے آنے کا انتظار تھا۔ وہ دن بھر کے سفر سے تھکی ہوئی تھی۔ شروع میں وہ کھڑی رہی اور پھر جب ٹانگوں نے کھڑا رہنے سے انکار کردیا تو وہ بالکونی میں بیٹھ گئی۔ کپڑوں کی گٹھری کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

وقت گزرتا جا رہا تھا لیکن جگدیش ابھی تک نہ آیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں میں نیند سی آنے لگی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ جاگتی رہے ... لیکن نیند اس کی آنکھوں میں اس طرح سما رہی تھی کہ آنکھیں خود بخود بند ہوئی جاتی تھیں۔ وہ بالکونی سے اُٹھ کر جگدیش کے دروازے کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ یہ جگہ ٹھیک ہے، اس نے سوچا۔ جب جگدیش آئے گا تو دروازے کے پاس آتے ہی اسے پتہ چل جائے گا۔ اگر وہ سو بھی گئی تو وہ اسے جگا دے گا۔ بالکونی میں سونا ایک تو خطرناک ہے۔ دوسرے اگر وہ اس بالکونی میں سو گئی اور جگدیش نے اس کی طرف نہ دیکھا۔ اور سیدھا کمرہ کھول کر اندر چلا گیا تو وہ رات بھر جگدیش سے نہ مل سکے گی ... پھر شاید وہ دروازہ نہ کھولے یہی سوچتے سوچتے وہ سو گئی ——— اسی دروازے کے باہر۔ اس وقت سیڑھیوں میں گہرا عمیق اندھیرا تھا۔ لیکن باہر چاند اپنی کرنوں سے جلوہ فرما تھا۔ رات آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ اندھیرا اور خاموشی ہمکنار ہوتے ہوئے اس بڑے شہر کو چوم رہے تھے۔

رات کافی بیت چکی تھی جب جگدیش ہیرا کے گھر سے نکلا تھا۔ جب وہ اپنی بلڈنگ کے قریب پہنچا تو اسے معلوم نہ تھا کہ کمرے کے باہر کملا انتظار کر رہی ہوگی۔ وہ کملا کو اک عرصے سے بھول چکا تھا۔ ہیرا کی مہربانیوں نے اسے بہت کچھ نظر انداز کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ہر روز ہیرا سے ملنا اچھا کھانا کھانا اور ہلکے نشے والی شراب پینا ——— ان سب باتوں نے اس کی سوجھ بوجھ کو ابھرنے کا موقعہ نہ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ایسا مستقبل نظر آ رہا تھا جو ہیرا کے ملنے سے پہلے اس کے خواب و خیال میں نہ آیا تھا۔ اور اگر آیا بھی تھا تو اس تک اس کی رسائی اتنی آسان نہ تھی۔

ہیرا نے بہت سی باتوں کو بہت ہی آسان کر دیا تھا۔ جیسے اس کے ہاتھ میں الہ دین کا چراغ آ گیا تھا اور اب وہ جیسا چاہے گا کر سکے گا۔ بس الہ دین کے چراغ کو رگڑنے کی دیر تھی۔ اور وہ واقعی اپنے آپ کو ان حالات میں خوش قسمت سمجھتا تھا۔ نہ جانے کتنے عرصے سے اس کے ساتھی دھکے کھا رہے تھے۔ رہنے کے لئے نہ مکان ملتا تھا، نہ کھانے کے لئے دو وقت روٹی۔ پہننے کے لئے کپڑے نہ ملتے تھے اور محبت کرنے کے لئے عورت بھی نہ تھی۔ اسے آنِ واحد میں قارون کا خزانہ مل گیا اور جگدیش اس قارون کے خزانے کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہتا تھا۔ گو اس کے ذہن میں ایک خلش تھی اور یہ خلش خودداری کے احساس کی شکل اختیار کر کے اس کو کچوکے لگا رہی تھی، لیکن ہیرا کی مسلسل مہربانیوں نے، ہیرا کی دیکھ بھال نے، ہیرا کی نگاہوں نے ہیرا کے صحت مند جسم نے اس کے ذہن پر ایک ایسا پردہ ڈال دیا جو دن بدن مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔ وہ پردہ ایک خول کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ پہلے یہ خول ایک ریشمی غلاف تھا جس کے تار کمزور تھے اور جس میں جگہ جگہ شگاف تھے پہلے یہ تار ٹوٹ سکتے تھے لیکن اب تو یہ تار آہنی سے ہو گئے تھے۔ اس میں کوئی شگاف نظر نہ آتا تھا جہاں سے وہ اپنے دل کے اندر جھانک سکتا۔ اس کے دل کے اندر کیا تھا؟ وہ کیا چاہتا تھا؟ وہ ہیرا کو کیوں اتنا چاہنے لگا تھا۔ کیا وہ واقعی چاہنے لگا تھا؟ جو کچھ وہ کہتی تھی وہ مان لیتا تھا۔ جیسے اس عورت نے اسے ہمیشہ کے لئے خرید لیا تھا۔

یہ درست تھا کہ کچھ دن اسے ہیرا کے گھر کا ماحول بڑا اچھا لگا۔ اس کی آنکھیں خیرہ سی ہو گئیں۔ ایسا گھر اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ جیوں جیوں وہ ہیرا کے قریب آتا گیا اسے گھر کے ماحول کی عجیب و غریب

باتیں معلوم ہونے لگیں۔ عجیب و غریب قسم کے لوگ ہیرا کے گھر آتے تھے۔ ڈائرکٹر بھولا ڈیسائی جو نہایت مکروہ صورت کا مالک تھا، ہر وقت ہیرا کے ساتھ بیٹھا رہتا تھا۔ نہ جانے وہ کیسے اور کس طرح اپنا سارا وقت ہیرا کے ساتھ گذار دیتا تھا۔ ہیرا شاید اسے اس لئے برداشت کرتی تھی کہ وہ اس کی فلم ڈائرکٹ کرنے والا تھا۔ پہلے وہ بہت کم بار ہیرا سے ملنے آتا تھا لیکن اب وہ تقریباً ہر روز آتا تھا۔ رات کے بارہ بجے تک بیٹھا رہتا۔ بس چائے پیتا اور پان کھاتا اور واہی تباہی بکتا۔ شراب پینے کے بعد تو نہایت لچر اور بیہودہ باتیں کرتا تھا۔ کہا کرتا:۔

"ہیرا میں ایسی فلم بناؤں گا کہ انڈسٹری میں یادگار بن کر رہ جائے گی۔ اور تمھیں جگدیش بابو ایک فلم میں ہندوستان کا سب سے بڑا ایکٹر بنا دوں گا ذرا صبر کرو۔ ہیرا بائی، میرے منشی نے ایسے لوّ سین (Love Scene) لکھے ہیں کہ سن کر دنگ رہ جاؤ گی۔ نہ جانے یہ شالا کہاں محبت کرتا رہتا ہے۔ کہتا ہے کہ دن رات رنڈیوں کے مکان کے چکر لگاتا ہے تاکہ وہاں جاکر محبت کرنا سیکھ سکے اور پھر یہاں آکر لکھ سکے۔ نہایت فرسٹ کلاس منشی ہے ہیرا۔ ہندوستان میں کوئی اس کا ثانی نہیں۔ اور ہیرا میرا کیمرہ مین چندو، تمھارے ایسے کلوز اپ لے گا کہ ساری فلم میں تم ہی تم نظر آؤ گی۔ اور یہ ماتا کی قسم ایکبار جب یہ فلم کسی سینما ہاؤس میں لگ جائے گی تو اترنے کا نام نہ لے گی۔ اپنی فلم تو محبت پر بنے گی۔ ناچ ہوں گے، گانے ہوں گے، محبت کے سین ہوں گے۔ چھچھو ٹو اور موٹو کا مسخرہ پن ـــــ اپنا کام تو لوگوں کو ہنسانا اور رلانا اور ان کی جیبیں خالی کرنا ہے۔ اس کے لئے خوبصورت لونڈیاں دکھانا، ننگی چھاتیاں اور ٹانگیں دکھانا ہے۔ لوگ چاہتے بھی کیا ہیں؟ شالوں کو ملتا کچھ نہیں،

فلم دیکھ کر بھوک مٹاتے ہیں۔ بھلا تم یہ بتاؤ کہ ترقی پسند فلم کیا ہوتی ہے؟ یہ
ڈیڑھ بیگھا زمین بنی ہے۔ اس میں کیا تھا؟ سالی وہی مزدور کسان اور
سرمایہ دار کی جنگ۔ دن رات وہی باتیں۔ بھلا فلم بنا کر تم انقلاب کر لو گے؟
جھوٹ بالکل جھوٹ۔ لوگوں کو خوش کرو۔ انہیں ہنساؤ۔ ان کی زندگی میں
بھوک ہے۔ ان کی زندگی میں رونا لکھا ہے۔ ان کی زندگی میں خوبصورت
عورت نہیں آتی۔ انھیں زندگی میں اچھا کھانا نہیں ملتا۔ اچھے کپڑے نہیں
ملتے۔ بھیا ـــــ انھیں اچھے اچھے محل دکھاؤ۔ خوبصورت قالین اور صوفہ
سیٹ سے کمرے سجاؤ اور انھیں دکھاؤ۔ اگر یہ نہ دکھلاؤ گے تو فلم فیل ہوگی۔
تبھی یہ ڈیڑھ بیگھا زمین فیل ہو گئی۔ یہ سر پھرے لوگ نہ جانے کیا کرنے والے ہیں
کیوں ہیرا بائی؟ کیوں جگدیش بابو؟ تم تو پڑھے لکھے ہو۔ تمھیں کچھ پتہ ہے یہ
ترقی پسندی کیا ہوتی ہے؟"

ہیرا بھولا ڈیسائی کی طرف دیکھتی اور ایک انگڑائی لے کر کہتی ـــ "بھولا،
تم بڑے بدھو ہو۔ جس بات کا پتہ نہ ہو اس کا ذکر نہ کرو۔ مجھے نہیں معلوم کہ
ترقی پسندی کیا ہوتی ہے۔ اب وقت کافی ہو گیا ہے۔ اب جا کر آرام کرو
اور اپنی فلم جلدی شروع کرنے کی کوشش کرو۔"

"اچھا بائی۔ میں جاتا ہوں۔ میں نے ہمیشہ تمھاری نصیحت پر کام کیا۔
آج بھی تمھاری نصیحت کو آخری لفظ سمجھتا ہوں۔ اچھا.... نمستے۔" اور یہ
یہ کہہ کر بھولا ڈیسائی چلا جاتا۔ اور جب بھولا ڈیسائی چلا جاتا تو ہیرا بائی
کھل کے ایک قہقہہ لگاتی۔ وہ قہقہہ بہت اونچا ہوتا۔ جگدیش اس قہقہے کو برداشت
نہ کر سکتا: بھلا یوں ہنسنے کی کیا ضرورت ہے؟

"بڑا اُلّو کا پٹھا ہے۔" ہیرا کہتی اور پھر انگڑائی لے کر اٹھتی اور سامنے کی

الماری سے بوتل نکال کر اور گلاسوں میں ڈال کر اور پانی ملا کر جگدیش کو دیتی اور خود لیتی اور دونوں شراب پینے لگتے۔

جگدیش شراب پی کر اکثر خاموش ہو جاتا تھا لیکن ہیرا شراب پی کر بہت اچھی باتیں کیا کرتی تھی۔

"جگدیش، تم میری زندگی میں نہ آتے تو شاید میں نے خودکشی کر لی ہوتی۔ نہ جانے مجھے اب کیا ہو گیا ہے سچ کہتی ہوں جگدیش مجھے تم سے واقعی بہت ہو گئی ہے۔ اگر تمھیں ایک بار نہ دیکھ لوں تو جی خوش نہیں ہوتا۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا—— ہاں ایک بار ہوا تھا—— اور پھر کبھی نہ ہوا—— اب کیسے اچانک یہ محبت تم سے ہو گئی۔ کیا میں عمر بھر تم سے محبت کرتی رہوں گی؟ لوگ اب میری محبت پر ہنستے ہیں۔ جب تمھارے ساتھ اسٹوڈیو میں جاتی ہوں، تو لوگ سرگوشیاں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں عیاش عورت ہوں۔ میں نے ایک لونڈا پھانس رکھا ہے۔ تمھیں کھلاتی ہوں، پلاتی ہوں، تم سے محبت کراتی ہوں میں پوچھتی ہوں تم سے، جگدیش، کیا محبت کرنا گناہ ہے؟ ذرا ان لوگوں سے تو پوچھو جو مجھ پر پھبتیاں کستے ہیں خود وہ کیا ہیں؟ کیا وہ لوگ عورتیں پھانس کر نہیں رکھتے؟ ان کا اخلاق کیا ہے؟ کیا ڈائرکٹر بھولا رام نے تین شادیاں نہیں کیں؟ اور جب کسی ہیروئن کو لیتا ہے تو کیا پہلے اس کے ساتھ نہیں سوتا؟ ڈائرکٹر مادھو رام کو دیکھو اپنی سالی کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ کیوں؟ تاکہ وہ اس کی پکچر میں مفت کام کر سکے۔ ادھر اس سالی نے ایک ڈسٹریبیوٹر کو پھانسا ہوا ہے۔ ڈائرکٹر احمد کو دیکھو اس نے شامی سے اس لئے شادی کی ہے کہ بڑھاپے میں کام آ سکے۔ کیونکہ اس کا اپنا بینک بیلنس نل ہے۔ نہ جانے اس بھولی بھالی لڑکی نے کیسے شادی کر لی۔ احمد خاں نے شیام کماری کو پھانسا

ہوا ہے۔ شیام کماری رام کمار سے پھنسی ہوئی ہے۔ اس شہر میں لوگ شادیاں
اس لئے کرتے ہیں کہ وہ آگے بڑھ سکیں، زندگی میں ترقی کرسکیں، بلڈنگیں اور
صوفہ سیٹ خرید سکیں، وسکی پی سکیں اور جیہو کی سیر کرسکیں۔ یہاں محبت بالکل
نہیں ہے۔ لیکن مجھے تم سے محبت ہے۔ میں تم سے عمر میں بڑی ہوں، لیکن اس
کی مجھے فکر نہیں۔ مجھے صرف اسی بات کی فکر ہے کہ تم مجھے چھوڑ کر نہ چلے جاؤ۔ کون
جانے تم کسی اور لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو جاؤ کیونکہ اس انڈسٹری میں کسی کا
بھروسہ نہیں۔ کسی شخص کا کوئی اخلاق نہیں کوئی اصول نہیں۔ اگر ان کا کوئی اصول
ہے تو روپے اکٹھے کرنا اور عیش کرنا۔ جتنے لوگ کاروں میں گھومتے ہیں،
انھوں نے روپیہ کیسے اکٹھا کیا؟ صرف دوسروں کا روپیہ مار کر، لوگوں کو کم
تنخواہ دیکر۔ انکم ٹیکس نہ دے کر۔ انکم ٹیکس میں نے بھی نہیں دیا — میں
دوں گی بھی نہیں۔ یہ حکومت کیا سمجھتی ہے؟..... یہ بھی سرمایہ داروں کی حکومت
ہے — بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں۔ اور کرتے کچھ بھی نہیں..... تو میں
کہہ رہی تھی یہ سب جھوٹے ہیں۔ مکار ہیں۔ عورتوں کو خریدتے ہیں۔ محبت
نہیں کرتے، ان کو بیچتے ہیں۔ یہ لوگ دلال ہیں اور کچھ نہیں — جگدیش!
نہ جانے ایک اتنے عرصے بعد مجھے تم سے کیوں محبت ہوگئی۔ ایک ایسی محبت
جو کبھی نہ مر سکے گی۔ مجھے صرف ایک بات کی فکر رہتی ہے۔ کوئی نئی لڑکی جو مجھ
سے کم عمر کی ہوگی وہ تمھیں پھانس لے گی۔ تم اس سے محبت کرنے لگوگے اور
میں کچھ نہ کرسکوں گی۔ لیکن میں تمھیں کبھی نہ جانے دوں گی۔ میں تمھیں سب
کچھ دوں گی — اپنی زندگی، اپنی روح، اپنا روپیہ — میرا سب کچھ تمھارا
ہے — تم نے بھی مجھے اپنا سب کچھ دیدیا ہے۔ تمھارا جسم کنوارا تھا۔ واقعی
کنوارا تھا۔ تم محبت کے بھوکے تھے۔ تمھیں ایک عورت کی ضرورت تھی۔ لیکن

تم کنوارے تھے ۔ تم نے واقعی مجھ سے محبت کی ۔ لیکن میری محبت تمہاری محبت سے بڑی ہے ۔ اس میں زیادہ گہرائی ہے ۔ شاید اس لئے کہ میں زیادہ تجربہ کار ہوں ۔ میں نے مختلف لوگوں کو دیکھا ہے، پرکھا ہے ۔ ان سے ملی ہوں، ان کے بوسوں کو چکھا ہے ۔ وہ سب جھوٹے تھے، فریبی تھے ۔ وہ سب میرے ساتھ سونا چاہتے تھے ۔ ان کے جسم ٹھنڈے تھے ۔ بے جان تھے ۔ ان کی محبت میں گرمی نہ تھی، ان کی باتوں میں نہ خلوص تھا نہ سچائی ۔ لیکن تم واقعی مجھے چاہتے ہو اور میں تمھیں چاہتی ہوں ۔ میں تمہارے لئے ہر چیز نچھاور کر سکتی ہوں ۔ لیکن تم مجھ سے روٹھ کر نہ جانا . . . . . . جانتے ہو بھولا ڈیسائی یہاں کیوں آتا ہے؟ اس کے پاس کام نہیں ہے ۔ سالا بھوکا مرتا ہے ۔ کہتا ہے مجھ سے شادی کر لو ۔ جانتے ہو جب یہاں ڈائرکٹروں، ایکٹروں کو کام نہیں ملتا تو وہ کیا کرتے ہیں؟ وہ مالدار ایکٹرسوں سے شادیاں کرتے ہیں، تاکہ وہ نئی فلم بنا سکیں ۔ بھولا سمجھتا ہے جیسے میں اس کو نہیں جانتی ــــ بڑا بھولا بنتا ہے ۔ اپنی صورت نہیں دیکھتا ۔ اپنے میلے دانتوں کو نہیں دیکھتا ۔ میں بہت دنوں تک ان میلے دانتوں کو دیکھتی رہی ۔ مگر اب نہیں دیکھوں گی ۔ اس کے پھپلے ہوئے پیٹ کو نہیں دیکھوں گی ۔ اس کے سفید بالوں کو نہیں دیکھوں گی ۔ اس کے مصنوعی دانتوں کے سیٹ کو نہیں دیکھوں گی ۔ اب اس گندگی اور بدبو کو میں برداشت نہیں کروں گی ۔ کیونکہ اب میرے پاس ایک کوٹھی ہے ۔ تین کاریں ہیں، بینک بیلنس ہے ۔ نام ہے ۔ پروڈیوسر میرے آگے پیچھے بھاگتے ہیں ۔ ڈسٹری بیوٹر میرے کام کو پسند کرتے ہیں ۔ اور لوگ کام دیکھ کر تالیاں بجاتے ہیں ۔ اب میں ان کے پاس نہیں جاؤں گی ۔ وہ میرے پاس آئیں گے اور میں بدلہ لوں گی اب وہ بھوکے مریں گے اور میرے پاس آکر گڑگڑائیں گے ۔ مجھ سے فلم بنانے

کے لئے روپے مانگیں گے۔ لیکن میں انھیں کچھ نہیں دوں گی، تمھیں دوں گی جگدیش ...... میں تمھیں دوں گی۔ کیونکہ مجھے تم سے محبت ہے ــــ تم ابھی تک پرخلوص ہو تم میں کمینگی نہیں۔ تمھارے دل میں محبت ہے، گرمی ہے تڑپ ہے، شعلے ہیں۔ اور میں ان شعلوں میں جلنے کے لئے کتنے عرصے سے تڑپ رہی ہوں لیکن ہر بار مجھے راکھ ملتی رہی ہے ٹھنڈی اور سرد راکھ...... آؤ میرے جگدیش آؤ، میرے قریب آؤ۔ مجھ میں سما جاؤ، تاکہ تمھیں عورت کا دل نظر آئے۔ آج تمھیں ایک عورت پیار کر رہی ہے ..... میں ازل سے لیکر ابد تک تم سے پیار کرتی رہوں گی۔ میری محبت امر ہے، امر رہے گی...... ایک پیگ اور دو جگدیش! جگدیش۔ میں تمھیں نہیں چھوڑ سکتی ــــ میں تمھیں کبھی نہیں چھوڑ سکتی۔ اگر بھاگ کر جاؤ گے تو تمھارا پیچھا کروں گی۔ اگر کسی دوسری لڑکی سے شادی کرو گے تو اسے جان سے مار دوں گی ــــ نہیں ــــ نہیں میں خود مر جاؤں گی۔ میں خودکشی کر لوں گی اور سارا روپیہ تمھارے نام کر جاؤں گی ــــ تمھارے نام کر جاؤں گی..... اور کسی کے نام نہیں۔ تمھارے بعد صرف میری ماں ہے۔ اس کے نام میں نے بہت سا روپیہ جمع کر دیا ہے۔ میرا ایک بھائی بھی ہے۔ وہ آج کل جیل میں ہے۔ وہ رہا ہو کر آئے گا تو اسے ایک فلیٹ لے دوں گی، اس کی شادی کر دوں گی، اور باقی سب روپیہ تمھارا ــــ سب تمھارا، کیونکہ میں تمھاری ہوں، اور تمام دنیا جھوٹی ہے۔ مکار ہے، فریبی ہے۔ جگدیش! کہو تم کسی دوسری عورت سے محبت نہ کرو گے۔ کہو کہ تم ہمیشہ مجھے چاہتے رہو گے اور اس جسم سے پیار کرو گے۔ جگدیش کہو۔ میں تمھارے پاؤں پڑتی ہوں۔"

اور ہیرا واقعی جگدیش کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیتی۔ وہ اس کے

پاؤں کو بوسہ دینے لگتی اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگتے۔ ان آنسوؤں کو دیکھ کر جگدیش کی آنکھوں میں بھی آنسو آجاتے۔ ہیرا اس وقت کتنی بے چین اور بیقرار ہوتی تھی۔ اس کی روح نہ جانے کیوں جگدیش سے یہ سننا چاہتی تھی کہ جگدیش اُسے چاہتا ہے۔ صرف اُسے اور کسی کو نہیں۔ اور جگدیش نشے میں چور ہو کر ہیرا کو چومنے لگتا اور ان آنسوؤں کو پینے لگتا جو ہیرا کے نرم نرم گالوں پر بہتے رہتے۔

اُس دن بھی جگدیش ہیرا کو اسی حالت میں بستر پر لٹا کر اپنے گھر لوٹ رہا تھا۔ سیڑھیاں چڑھ کر جب وہ اپنے کمرے کے دروازے کے قریب پہنچا اور تالے میں چابی گھمانے لگا تو اسے اپنے پاؤں کے قریب ایک گٹھری دکھائی دی۔ اور پھر ایک سفید چادر۔ اس نے غور سے دیکھا۔ ایک پاؤں ہلا۔ 'ارے یہ تو کوئی انسان ہے'؛ جگدیش نے غصّے میں آکر ٹھوکر لگائی۔ "کمبخت یہاں آکر سو جاتے ہیں —— ارے اُٹھتا ہے کہ نہیں؟"

کملا ہڑبڑا کر اُٹھی۔ اور اپنے سامنے جگدیش کو دیکھا۔ اس کے سپنوں کا راجہ جگدیش، اس کا محبوب۔ ہاں یہی وہ انسان ہے جس کیلئے وہ اپنی ماں، باپ، گھر بار سب کچھ چھوڑ کر آئی تھی۔ اس کے منہ سے چیخ سی نکل گئی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن گلے میں آواز اٹک کر رہ گئی

"ارے تم کملا؟ تم یہاں کیسے؟"

کملا بولنا چاہتی تھی لیکن جواب نہ دے سکی۔

اس نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ اور دونوں اندر چلے گئے۔

"بیٹھ جاؤ۔" جگدیش نے حیران ہو کر کہا۔ "لیکن تم اکیلی کیسے چلی آئیں؟

کیا کوئی اور آدمی تمہارے ساتھ ہے؟ کم سے کم خط تو لکھا ہوتا؟ میں تمھیں لینے چلا آتا۔"

اور کملا جگدیش کی طرف دیکھتی رہی۔ جگدیش پہلے سے خوبصورت ہو گیا تھا۔ وہ پہلے دبلا تھا، لیکن اب زیادہ تندرست ہو گیا تھا۔ کملا کس طرح کہہ دے کہ وہ راستے بھر اس کے نام کا جاپ کرتی رہی۔ وہ کس طرح کہہ دے کہ اسے دنیا کی عزیز ترین شے مل گئی ہے۔ وہ کس طرح کہہ دے کہ اسے دنیا میں اور کچھ نہیں چاہیئے ــــ سوائے جگدیش کے۔ وہ کس طرح کہے کہ اے میرے محبوب، میں تمہارے قدموں میں ساری عمر گذار دوں گی اور کسی بات کا گلہ نہ کروں گی۔ وہ کس طرح کہہ دے کہ تیری محبت مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ وہ کس طرح کہہ دے کہ اگر وہ یہاں نہ آتی تو مر جاتی۔ وہ کس طرح کہہ دے کہ اسے کسی بات کی پرواہ نہیں اس نے عزت، آبرو، خاندانی وقار سب کچھ محبت کی چوکھٹ پر قربان کر دیا اور زندگی کے آخری سہارے کو اپنے گلے لگا لیا۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ اسے پا کر اس نے نئی زندگی حاصل کر لی ہے۔ میں اس سوکھے ہوئے درخت کی طرح ہوں جسے پہلی بار آبیار کیا جا رہا ہو۔ مجھ سے مت پوچھو کہ میں کیوں آئی۔ مجھ سے مت پوچھو کہ راستے میں مجھ پر کیا بیتی۔ مجھ سے مت پوچھو کہ میں نے کھانا کھایا یا نہیں۔ مجھ سے مت پوچھو کہ میں واپس جاؤں گی یا نہیں۔ مجھ سے مت پوچھو کہ اب میں کہاں جاؤں گی کیونکہ جب جہاز طوفان میں گھر جاتا ہے تو وہ ساحل کی طرف جاتا ہے ــ اب تم میرے ساحل ہو اور میں اس ساحل سے الگ ہو کر کہیں نہیں جا سکتی۔ تم سے کیا کہوں؟ مجھے تم سے بہت باتیں کرنی ہیں ــــ بہت باتیں!

اور جگدیش کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اس لڑکی کو یہاں سے نکال دے۔ اسی وقت نکال دے۔ لیکن وہ کہاں جائے گی؟ کس کے گھر جائے گی؟ کون اسے اپنے گھر میں جگہ دے گا؟ جانتے نہیں ہو یہی کملا ہے۔ یہی لڑکی ہے جس سے تو پیار کرتا تھا، محبت کرتا تھا، جس کے لئے تو بے چین رہتا تھا اب وہ تیرے پاس تیرے کمرے میں آئی ہے ..... لیکن وہ اس وقت کیوں آئی ہے؟ اس وقت جبکہ ہیرا اس کی زندگی میں آگئی ہے۔ وہ ہیرا سے کیا کہے گا؟ اگر ہیرا یہاں آگئی اور اس نے دیکھ لیا .... وہ کملا کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ تھکی ماندی صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں اب کھلی ہوئی تھیں، لیکن ان میں نیند سما رہی تھی۔ وہ اس لڑکی سے کیا باتیں کرے، کس طرح سمجھائے؟ لیکن اب سمجھانے کا موقع نہ تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اب وہ واپس نہ جا سکتی تھی۔ وہ اسے واپس نہ بھیج سکتا تھا.... لیکن.... لیکن کل وہ اسے سمجھائے گا۔ اسے بتانے کی کوشش کرے گا کہ اس کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ بالکل ٹھیک نہیں۔ لیکن وہ کیسے سمجھائے گا؟ وہ کوشش کرے گا۔ لیکن وہ لڑکی جو اپنے گھر کو چھوڑ کر چلی آئی اور جس نے اپنے آپ کو اپنے محبوب کے حوالے کر دیا، وہ کیا کہے گی؟ لیکن دماغ نے کہا۔ لڑکی بے سمجھ ہے۔ لڑکی غلطی کر سکتی ہے،..... لیکن تم ہی نے تو وعدہ کیا تھا کہ تم اسے بلاؤ گے نہ۔

اس نے کملا کی طرف دیکھا۔ کملا صوفہ سیٹ پر سو گئی تھی۔ اس نے اس کمرے کو اپنا گھر سمجھ لیا تھا۔ تین دن کی تھکی ماندی ــ تین دن کا لمبا سفر ــ تین دن تک وہ اس شخص کی صورت ذہن میں رکھ کر ادھر آئی تھی۔ صبح سے لے کر شام تک یہی صورت، یہی نقش اس کے ذہن میں تھے ــــ تین دن تک ہی

کیوں ؟' زندگی کے سترہ سال اس شخص کے انتظار میں گذر گئے۔ ہر پل، ہر گھڑی
اسی آدمی کی یاد میں گذری ۔ پھر بھلا وہ کیسے اور کیوں اس سے دُور رہتی ۔
جگدیش کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ۔ وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا ۔ حالات ہی ایسے تھے۔
وقت ہی کچھ ایسا تھا ۔ کملا کی محبت ہی کچھ ایسی تھی ۔ اس کی اپنی محبت بھی کچھ
ایسی ہی تھی کہ وہ کچھ نہ کہہ سکتا تھا ۔ وہ اس وقت اور کچھ نہ کر سکتا تھا۔ کملا کو
اس وقت سونے دیا جائے، صبح اُٹھ کر دیکھا جائے گا۔

کملا نیند میں غافل پڑی تھی ـــ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ صدیوں سے
سوئی ہوئی ہے ۔ اس مدہوشی کے عالم میں وہ کتنی خوبصورت دکھائی دے رہی
تھی ۔ پیشانی پر ایک زلف لہرا رہی تھی اور پلکیں رخساروں کو چوم رہی تھیں۔
اور لبوں پر ایک مسکراہٹ تھی ۔ اس وقت اس کا چہرہ کتنا حسین ، کتنا
خوبصورت اور کتنا پُرسکون تھا ۔ اس چہرے پر معصومیت کا نور برس رہا تھا۔
ایسا معصوم چہرہ جگدیش نے اس شہر میں نہ دیکھا تھا ۔ یہ کس دیس کی پری تھی
جو اچانک اس کمرے میں آگئی تھی ۔ کیا وہ اس محبت ، اس حسن ، اس معصومیت
اور اس جذبہ پرستش کے اہل تھا ، جو اس لڑکی میں کارفرما تھا ؟ کیا عورت
کی محبت میں اتنی گہرائی ہوتی ہے ؟ کیا اس کے ذہن میں مرد کے لئے اتنا
تقدس ہوتا ہے ؟ کیا وہ اتنی بڑی قربانی دے سکتی ہے ؟..... کس الہڑپن
سے وہ سو رہی تھی ، جیسے برسوں سے اس کمرے میں رہتی ہو ۔ اس گھر کو سجاتی
ہو ۔ کتنا یقین تھا اسے جگدیش پر ـــ میرے خدا یہ عورت نہیں فرشتہ ہے۔
یہ انسانی محبت نہیں ، یہ ساری کائنات پر چھا جانے والی قوت ہے ۔ یہ محض
قربانی نہیں ، محض محبت نہیں ، ایثار نہیں ، زندگی کی بازی نہیں ، روح کی
جلن نہیں ، محبت کی تپش نہیں ، ذہن کی آگ نہیں ـــ یہ تو کچھ اور ہے۔

اس چیز کا نام اسے نہیں آتا — لیکن یہ کچھ اور ہے۔ بہت بڑی، بہت حسین، بہت مقدس۔

جگدیش نے کملا کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا — ایک بچے کی طرح اسے اٹھا کر پلنگ پر سلا دیا۔ سو جا۔ اے محبت کی دیوی، سو جا۔ سو جا — اے سات سمندر پار سے آنے والی نیک روح، اس پلنگ پر سو جا، سو جا اے چاند اور ستاروں کی ملکہ سو جا۔

اور کملا اس پلنگ پر سو گئی۔ اسے شاید معلوم بھی نہ ہوا کہ اس کو اس شخص نے بازوؤں میں اٹھایا ہے جس کے لئے وہ ستر و سالوں سے بیقرار تھی اس کے مضبوط بازوؤں نے اسے اٹھا کر پلنگ پہ سلایا۔ آج کی رات وہ کتنی خوش نصیب تھی۔

۲۵

اس میں کوئی شک نہ تھا کہ جگدیش کو کملا سے محبت تھی۔ اگر حالات سازگار ہوتے تو اس کے ذہن میں لغزش پیدا نہ ہوتی۔ لیکن کملا کے آنے سے پہلے جو وہ زندگی گزار چکا تھا اور جو زندگی وہ گزار رہا تھا اس کے اثرات اس کے ذہن پر نقش ہو گئے تھے۔ اس نے نارائن اور اس کے ساتھیوں کی زندگی دیکھی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بھوک اور بیکاری اور صوفی کی خودکشی کا واقعہ تھا۔ وہ اس بھیانک زندگی میں لوٹنا نہ چاہتا تھا اور اسی لئے اس نے یہ قدم اٹھایا تھا۔

جگدیش زندہ رہنے کے لئے، اس بڑے شہر میں وارد ہوا تھا اور

جونہی اسے ایک راستہ نظر آیا' اس نے اپنے کو اس طوفان کے حوالے کر دیا۔ اگر اسے کسی اور جگہ نوکری مل جاتی، تو وہ کبھی ہیرا کو نہ اپناتا۔ وہ ہیرا سے یوں عشق نہ کرتا۔ یہ سچ ہے کہ خود اس نے ہیرا سے روپے لئے تھے۔ لیکن شاید ان حالات میں وہ اور کچھ نہ کر سکتا تھا ——— یہ سوچ کر وہ اپنے دل کو ڈھارس دیتا۔ سٹوڈیو سے گھر اور گھر سے سٹوڈیو جاتا۔ کبھی کبھار ہیرا کے ساتھ سینما جاتا۔ جوہو کے کنارے ہواخوری کرتا۔ اکثر ہوٹلوں میں کھانا کھاتا ——— شراب اور لذیذ کھانے، کار اور خوبصورت کپڑے، یہ سب کچھ میسر تھا۔ اور ہیرا کا بھڑکیلا حسن، جو نگاہوں کو خیرہ کر دیتا تھا' اور یہ دھڑکتی اور اُبلتی ہوئی شامیں! اسے کب اور کہاں میسر تھیں؟ ان شاموں میں سوچنے کی فرصت ہی کہاں ہوتی تھی۔ ہیرا اپنے حسن' کے بادبان کھولے ہوئے اس کا انتظار کرتی۔ وہ اپنی گرم گرم باہوں میں جکڑ لیتی اور اس کے ہونٹوں کو اتنا چومتی کہ لہو کے قطرے جگدیش کے ہونٹوں پر نمودار ہونے لگتے اور وہ ہلکی سی چیخ مار کر اپنے ہونٹ اس سے الگ کر لیتا۔ اور پھر ہیرا اس سے پوچھتی کہ کیا کسی عورت نے اسے اس شدت سے چوما ہے۔ وہ کیا جواب دیتا۔ واقعی کسی عورت نے اسے اس طرح نہ چوما تھا۔ اس نے بھی کسی عورت کو اس طرح نہ چوما تھا۔ اتنی توانائی، شدّت، لذت اور گرمی شاید کسی کے بوسوں میں نہ تھی۔ کملا کا بوسہ نرم تھا، مہربان تھا، میٹھا تھا۔ وہ اس بوسے کو بھول چکا تھا کیونکہ ہیرا کا بوسہ تند تھا' اس میں شراب کی سی کڑواہٹ تھی۔ اس میں وہ چبھن تھی جو کانٹے کے پاؤں میں چبھنے سے ہوتی ہے' جس سے انسان بلبلا اُٹھتا ہے۔ یہ بوسہ واقعی باقی بوسوں سے مختلف تھا۔ دماغ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ کملا کے حملے کے لئے تیار نہ تھا۔ یہ حملہ واقعی اچانک ہوا تھا اور اس حملے نے اس کے ذہن کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

وہ کس طرف جائے؟ کس کو اپنائے؟

کملا کو سلانے کے بعد جگدیش سونے کے لئے بستر پر لیٹ گیا۔ وہ سونا چاہتا تھا، لیکن خیالات کا جمِ غفیر اس کے ذہن میں اُمڈتا چلا آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ یہ کیسی رات ہے ــــ

یہ رات کسی اور جوڑے کی زندگی میں آتی تو واقعی ایک خوبصورت اور حسین رات ہوتی۔ اسی رات کے انتظار میں انسان اپنی زندگی کے بہترین لمحات صرف کر دیتا ہے۔ اسی رات کے انتظار میں آرزوؤں کی کونپلیں پھوٹتی ہیں امنگوں کے مرغزار دل کی وادیوں میں پھیل پھیل سے جاتے ہیں۔ پھول اور کلیوں کی پتیاں کھلنے اور پھلنے اور بڑھنے کے لئے اپنی باہیں پھیلائے ہوئے، سورج کی کرنوں کی متلاشی رہتی ہیں۔ وادیوں میں گہرے سائے کانپنے لگتے ہیں، دل کی تنہائیوں میں خوشی اور مسرت کے پھول جگمگانے لگتے ہیں۔ لیکن کملا اور جگدیش کی زندگی میں ایسی رات نہ آئی۔

کملا کی زندگی الجھنوں اور پیچیدگیوں سے بالکل بری تھی۔ اگر اسے کسی بات کا شدید طور پر احساس تھا، تو اپنی محبت کا، جگدیش کے وجود کا۔ وہ گھر کی محدود سی زندگی سے آگاہ تھی۔ وہ اپنے احساسات اور خیالات کی شدت سے آگاہ تھی۔ لیکن گھر سے باہر کیا ہوتا ہے، اس کا اسے علم نہ تھا۔ وہ جنگل کے اس پھول کی طرح تھی جو صحرا کی تپتی ہوئی ہواؤں سے ناآشنا ہو۔ اسے اس بات کا علم نہ تھا کہ اس دنیا میں محبت آسانی سے پروان چڑھ نہیں سکتی۔ اسے شاید بھوک اور بیکاری کا بھی علم نہ تھا۔ اسے شاید یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس کمرے کا کرایہ کیا تھا اور یہ کمرہ جگدیش نے کتنی قیمت ادا کر کے حاصل کیا تھا۔ کملا کو اس بات کا بھی احساس نہ تھا کہ جگدیش نے بھوک اور بیکاری سے

بچنے کے لئے اپنی روح کو بیچ ڈالا ہے۔ روح کیا ہوتی ہے، شاید اس نے کبھی نہ سوچا تھا۔ اور اتنی چھوٹی سی عمر میں واقعی ان باتوں کو نہیں سوچنا چاہیئے ورنہ زندگی جہنّم ہوجائے۔ اسے یہ باتیں سوچنے کا موقع بھی نہ ملا تھا۔ جب تک وہ ماں باپ کے پاس رہی اس کو اس ظالم بھوک نے کبھی نہ ستایا تھا جو فٹ پاتھ اور ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں میں جھانکا کرتی ہے۔ یہ فٹ پاتھ کیا ہوتا ہے۔ لوگ سڑکوں پر کیوں آوارہ پھرتے ہیں۔ سردی میں اکڑ کے کیسے مرجاتے ہیں۔ ہر طرف آنسوؤں کا سیلاب کیوں رواں رہتا ہے۔ اور لوگوں کے چہرے کیوں مضمحل افسردہ رہتے ہیں اور ہر طرف کیوں درد اور آنسوؤں کا جشن منایا جاتا ہے — اسے ان باتوں کا قطعی علم نہ تھا۔ وہ ایک چھوٹے سے گاؤں سے چل کر ہندوستان کے ایک عظیم الشان شہر میں وارد ہوئی تھی جس کے حدود اربعہ اور وسعت کا اسے احساس تک نہ تھا۔ اسے صرف اپنی محبت کی بیکرانی کا علم تھا جس نے اسے بیقرار کر دیا تھا اور جس کی ہلکی ہلکی آنچ نے اس کے دل کے ویرانوں میں سمن اور گلاب کے پھول کھلا دئے تھے۔ جس کے آتشیں لمس نے اسے اس بات پر مجبور کر دیا کہ والدین کی محبت اپنے سینے سے الگ کر کے جگدیش کے قدموں پر اپنی جبیں کو رکھ دے اور کہے "اے میرے محبوب۔ دیکھ میں ایک پھول کی طرح ہوں جو صبح کی روشنی کو لئے ہوئے اندھیرے میں داخل ہوتا ہے، مجھے قبول کر، اپنے دل کے نہاں خانے میں مجھے سمیٹ لے۔ اور اپنے ہونٹوں کی گرمی سے پگھلا دے"!

۲۶

دن گذرتے گئے۔ نیلے شفاف آسمان پر سورج ابھرتا رہا، دور سمندر کے

کنارے ناریل کے درخت جھومتے رہے۔ اور دھیرے دھیرے مارچ کا مہینہ آگیا۔
اب دن کے وقت تھوڑی سی گرمی ہو جاتی۔ لیکن راتیں ٹھنڈی اور خوبصورت ہوتیں۔
کملا اور جگدیش اسی کمرے میں رہ رہے تھے۔ کملا کو اس کمرے میں آئے تھوڑا
ہی عرصہ ہوا تھا، لیکن اس نے اس کمرے میں ایسی فضا قائم کر دی تھی کہ جگدیش کو
اس کے حسنِ ترتیب اور سلیقے سے کچھ محبت سی ہو گئی تھی۔ کملا نے جگدیش سے کہا
کہ کھانا پکانے کے لئے برتن خرید لاؤ۔ اور کملا نے لسٹ بنا کر دیدی اور جگدیش
برتن خرید لایا ــــ تھالیاں، گلاس، پیالیاں، اسٹوو اور چمچے ــــ اور دیگر
چیزوں سے گھر کو سجایا گیا۔ کملا نے اسٹوو پر کھانا پکانے کا طریقہ بہت جلد سیکھ لیا
اب وہ کمرے کی ہر چیز کو جھاڑتی پونچھتی۔ کمرے کے فرش کو ہر ہفتے دھو کر شیشے کی طرح
چمکا دیتی۔ ان باتوں کے علاوہ جگدیش کی قمیض، رومال، جرابیں، بنیان، تولیہ
تقریباً ہر چیز دھو کر تیار رکھی جاتی۔ صبح نہانے کے لئے گرم پانی ملتا۔ بالٹی بھرنے
صابن رکھنے اور تولیہ لیجانے تک کی جگدیش کو ضرورت نہ تھی۔ اگر کملا کا بس چلتا
تو شاید وہ جگدیش کو اپنے ہاتھوں سے نہلا بھی دیتی۔ اس طرح شاید جگدیش کی
ماں نے بھی اسے نہ پالا تھا۔ یہ کہاں کا ایثار تھا، کہاں کی محبت تھی جو کملا کے سینے
میں موجزن تھی! اور جب جگدیش نہا دھو کر اور کپڑے پہن کر تیار ہو جاتا تو میز پر
چائے اور انڈے خوش آمدید کہتے۔ چائے کی پیالی سے سوندھی سوندھی خوشبو آتی
اور کملا کی مسکراتی ہوئی آنکھیں کہتیں تھوڑا سا اور کھاؤ ــــ دیکھو، دوپہر کو وقت پر آنا
تمہارا کھانا بالکل تیار ہوگا۔ تم اگر نہیں آؤ گے تو میں بھی کھانا نہیں کھاؤں گی۔
اور وہ جانتا تھا کہ اگر وہ نہیں آیا تو کملا واقعی کھانا نہیں کھائے گی۔ وہ انتظار کرے گی
چاہے کھانا ٹھنڈا ہو جائے، اس کی بھوک مر جائے گی۔ اسے اپنی بھوک کی پرواہ
نہیں تھی، اسے تو صرف جگدیش کا خیال تھا۔ صرف جگدیش کے بھوکے رہنے کا خیال

تھا۔ جگدیش کملا کے اس برتاؤ سے اتنا مرعوب ہوگیا تھا کہ اس کے دل میں اس لڑکی کے لیئے ایک پرستش کا جذبہ پیدا ہونے لگا تھا۔ کملا واقعی پوجنے کی چیز تھی۔ اس لڑکی میں اتنا خلوص کیوں تھا، اتنی محبت کہاں سے آگئی تھی۔ یہ کس قسم کا پیار تھا جس نے خودی کو پوری طرح فنا کر کے رکھ دیا تھا۔ اور جگدیش سوچتا کہ وہ کیا کرے کدھر جائے؟ وہ اس حُسنِ اخلاق سے کیسے منہ موڑ لے؟ وہ کس طرح اس لڑکی کو واپس گھر بھیج دے؟ اور اب تو کملا میں ایک نئی تبدیلی آرہی تھی۔ اس کو یہاں آئے ہوئے تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا، لیکن اس کا جسم ایک نئے سانچے میں ڈھلنا شروع ہوگیا تھا۔ وہ جسم جو پہلے دبلا اور پتلا تھا، اب بھرنے لگا تھا۔ چھاتیاں اور نمایاں ہوگئی تھیں۔ کولھے اور بھاری ہوگئے تھے اور جسم پر کپڑے پھنس کر آنے لگے تھے۔ نگاہوں میں شوخی اور چمک بڑھ گئی تھی اور چہرے پر ایک نئی قسم کی دلآویزی اور شگفتگی تیرنے لگی تھی۔ یہ کس قسم کی آگ تھی جو اس کے خفتہ حُسن کو تپا کر بے نقاب کر رہی تھی؟ یہ کلی جو کل تک سہمی ہوئی تھی آج شگفتہ پھول بننے کے لئے بیقرار ہوگئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک عود کر آئی تھی۔ سر کے بال جو اس سے پہلے کچھ روکھے تھے اب زیادہ چمکیلے اور سیاہ ہوگئے تھے۔ یہ مارچ کے مہینے کا اثر تھا، یا واقعی محبت کی میٹھی میٹھی آنچ نے سوئے ہوئے جذبات کو بھڑکا دیا تھا اور جسم آہستہ آہستہ اس اٹھان، اس منزل کی طرف بڑھ رہا تھا جب ایک لڑکی ایک عورت کی سوجھ بوجھ لے کے مرد کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے اب کدھر جاؤ گے؟

جگدیش اپنے آپ پر جبر کر رہا تھا اور وہ ابھی تک اس سوچ بچار میں تھا کہ وہ کیا کرے، اور کدھر جائے؟ ایک طرف ہیرا تھی جو زندگی کے کافی تجربے کر چکی تھی۔ اور اب زندگی کی اس منزل میں تھی جہاں مزید تجربے کرنے سے نفرت

ہوجاتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ انسان آرام کرے۔ زیادہ دوڑ دھوپ کرنے کو جی
نہیں چاہتا۔ اب وہ جگدیش کے گرد ایسا جالا بن رہی تھی جس میں سے جگدیش باہر
نکلنے نہ پائے۔ اگر اس وقت جگدیش اس کے جال سے نکل گیا تو شاید عمر بھر اسے
پچھتانا پڑے گا۔

ادھر جگدیش کا ذہن ایک نئی زندگی سے آشنا ہو رہا تھا۔ جب وہ ہیرا اور
کملا کا مقابلہ کرتا تو کملا کے سامنے ہیرا ٹکنے نہ پاتی۔ شاید ہیرا کا ما اور بینک بیلنس
کے بغیر کچھ نہ تھی۔ اگر یہ چیزیں ہیرا کے پاس نہ ہوتیں تو وہ اس کے قریب ہی نہ جاتا
ہیرا انھی دو چیزوں سے رعب گانٹھتی تھی۔ گو ہیرا ہر لحاظ سے تجربہ کار تھی۔ اور
جب کبھی وہ بن ٹھن کر سٹوڈیو میں جاتی تھی تو اس کی بناوٹ، اس کی سج دھج
دیکھ کر لوگوں کے منہ سے واہ واہ کا کلمہ نکل جاتا۔ لیکن لوگوں نے شاید ہیرا کو
صبح کے وقت نہ دیکھا تھا۔ نہ جانے اس وقت ہیرا کو دیکھ کر کیوں گھن آتی تھی۔ صبح
کے وقت ہیرا کو دیکھتے ہی جگدیش کے بدن میں ایک جھرجھری سی دوڑ جاتی تھی۔

—— ہیرا جب شراب پی لیتی تو بڑھاپا غائب ہوجاتا! اور بھری محفل میں وہ کسی
کو ہنسنے نہ دیتی۔ اس کے قہقہے، اس کی ہنسی، اس کی حرکات، اس کا مٹکنا، اس
کی شعلہ بار نگاہیں، اس کی بیباک باتیں، اس کی گالیاں —— خاص فحش گالیاں جن کو
سن کر مرد بھی منہ میں انگلیاں دینے لگتے تھے۔ ان سب کی داد دینا پڑتی تھی۔ ہیرا
اگر اس وقت ایک اور جام پی لیتی تو اس کی آنکھیں بولنا سیکھ جاتیں، ہونٹ، ایک
نئے جذبے، ایک نئے ولولے سے آگاہ ہونے لگتے —— یہ ہیرا کا ایک نیا اور عجیب و غریب
روپ ہوتا۔ وہ ایک نرالی عورت ہوتی۔ یہ عورت اس عظیم الشان شہر کی پیداوار تھی۔
یہ عورت اس سرمایہ دارانہ نظام کی پیدا کردہ تھی

—— اوپر سے حسین اور خوبصورت! اندر سے بے حیا اور چھچھوری —— لیکن پھر بھی

اس وقت بڑی پیاری اور دلکش دکھائی دیتی تھی لیکن نہ جانے کس چیز سے گھن آتی تھی — جیسے یہ عورت نہیں۔ کچھ اور ہے۔ اس عورت میں پیار تھا۔ لچک تھی، رعنائی تھی۔ جنسی جذبے کی پوری شدت تھی۔ بلکہ یہ جذبہ ضرورت سے زیادہ کارفرما تھا۔ اس کی باتوں میں بیباکی تھی۔ لیکن اس عورت میں کہیں کسی بات کی کمی ضرور رہ گئی تھی۔ وہ کملا نہ تھی۔ کملا سے مل کر جو سکون ملتا تھا وہ یہاں عنقا تھا۔ کملا سے مل کر کبھی نفرت نہ ہوتی تھی۔ لیکن یہاں نفرت اور محبت کے جذبے مل کر ابھرتے تھے — انسان کس جذبے کو اپنائے؟

ہیرا ان حسین اور جمیل مجسموں کی طرح تھی جو شوکیش میں بیچنے کی خاطر رکھے جاتے ہیں، تاکہ گاہکوں کو لبھا سکیں — ہیرا میں شانِ دلربائی تھی۔ اس گوشت پوست کے مجسمے میں کشش ضرور تھی کیونکہ جسم کی ساخت، نگاہ کو کھینچ لیتی تھی اور ایک لمحہ کے لئے یہ سوچنے کے لئے مجبور کر دیتی تھی کہ کاش یہ عورت ہمیں مل جائے۔ اس کے برعکس کملا کے حسن میں ایک نوزائیدہ بچے کی معصومیت تھی۔ یہاں کوئی بناوٹ نہ تھی۔ اس عورت کے گرد شرم و حیا کا ایک ایسا ہالہ تھا جس کے اندر اس کی نسوانیت نگینے کی طرح چمکتی تھی۔ وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہ دیکھ سکتی تھی۔ لیکن ہیرا تو آنکھوں سے سارا جسم ٹٹول لیتی تھی — جیسے ہیرا کی آنکھیں آنکھیں نہ تھیں، خوردبین تھیں — ایکسرے کا آلہ تھیں۔ جو انسان کے سارے جسم کا عکس اجاگر کر دیں، اس کے جسم کے ذرے ذرے کو عریاں کر دیں۔

جگدیش نے جب پہلی بار ہیرا کو دیکھا تھا تو اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا۔ بغیر سوچے سمجھے، کیونکہ ہیرا تو ایک طوفان تھی اور جب طوفان انسان کو چاروں طرف سے گھیر لے تو انسان بے دست و پا ہو جاتا ہے لیکن کملا کے آنے سے جگدیش کے ذہن میں کشمکش بڑھنے لگی۔ اس کے سوئے ہوئے جذبات آہستہ آہستہ ابھرنے

لگے۔ وہ گھر جس میں کملا کا راج تھا، اس کے ذہن پر اثر انداز ہونے لگا۔ کملا کی بے لوث محبت، اس کے حُسن اور اخلاق، اس کے سلوک اور اس کی خدمت نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایک طرف گنگا کا شفاف پانی تھا دوسری طرف ایک بدرو تھی۔ ایک طرف کھلتا ہوا شباب تھا، دوسری طرف شباب بڑھاپے سے نگاہیں ملا رہا تھا۔ ایک طرف چڑھتی دھوپ تھی، دوسری طرف ڈھلتی چھاؤں تھی۔ ایک طرف انکساری اور خلوص تھا، دوسری طرف رعب اور جلال تھا۔ ایک طرف محبت کی ہلکی ہلکی آنچ تھی، دوسری طرف جذبے کا بھرپور وار تھا۔ ایک طرف نرمی اور پیار تھا، دوسری طرف نگاہوں میں آگ اور شعلے تھے۔ ایک طرف وفا اور خلوص اور محبت کا جلوس رواں تھا، دوسری طرف بے اطمینانی اور بے وفائی کی روایت تھی۔

دونوں کی الگ الگ شخصیتیں تھیں، الگ الگ روپ تھے، اور یہ دونوں شخصیتیں اتنے زور سے اس کے ذہن کے پردوں سے ٹکراتیں کہ وہ کانپ اُٹھتا۔ دونوں میں اتنی کشش تھی کہ دونوں اپنی پوری طاقت اور قوت سے اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھیں — ایک دائیں طرف دوسری بائیں طرف — وہ جائے تو کدھر جائے؟ کس کو اپنائے؟ اب دونوں کو چھوڑنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ دونوں کو اپنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا، کب تک ممکن ہو سکتا تھا — اس کے بارے میں وہ کچھ فیصلہ نہ کر پایا تھا۔

۲۷

جس دن کملا اپنے والدین کے گھر سے بھاگی، اسی دن سے گھر میں ایک

کہرام سا مچ گیا تھا — چونی لعل کو اس بات کی امید نہ تھی کہ کملا یوں گھر چھوڑ کر بھاگ جائے گی۔ چونی لعل نے شہر کا چپہ چپہ چھان ڈالا۔ وہ کملا کی ہر سہیلی کے گھر گیا۔ گلی اور کوچوں میں مارا مارا پھرا۔ کہیں تو کملا کا نشان ملے۔ لیکن کملا نہ ملی۔ کملا کیسے ملتی، وہ تو اس شہر میں نہ تھی۔ آخر کملا بھاگی کیوں؟ کیا ماں اور بیٹی میں کوئی لڑائی ہو گئی تھی؟ کیا اس کی ماں نے اسے جھڑکا تھا؟ آخر وہ کہاں چلی گئی؟ کیا اسے زمین کھا گئی — یا آسمان لے اڑا۔ چونی لعل کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ ادھر کملا کی ماں کی بری حالت تھی — "ہائے میں کس طرح لوگوں کو منھ دکھلاؤں گی۔ اس نے کس کے ساتھ منھ کالا کیا، میں تو کہیں کی نہ رہی"۔ رشتہ دار کملا کی ماں کو سمجھانے کی کوشش کرتے۔ لیکن کملا کی ماں کی آنکھوں سے اشک سیلاب بنکر امڈ رہے تھے۔ "اری یہ تونے کیا کیا؟ مجھے بتایا تو ہوتا۔ اگر میری عزت کا پاس نہ تھا، تو اپنے باپ کی عزت کا خیال کیا ہوتا"۔

گھر میں ایک کہرام سا مچا ہوا تھا۔ ہر قسم کے لوگ موجود تھے۔ کچھ ڈھارس دے رہے تھے، کچھ سمجھا رہے تھے، کچھ خوش ہو رہے تھے کہ چونی لعل کی ناک کٹ گئی — کچھ ایک طرف کھڑے ہو کر لڑکیوں کی آزادی پر فقرے کس رہے تھے عورتیں بھی آج زور شور سے تبصرہ آرائی کر رہی تھیں۔

"ہائے زمانے کو آگ لگ گئی — عزت کا خیال ہی نہیں"۔

"میں نے بہن جی سے کتنی بار کہا تھا کہ کملا کی شادی کر دو۔ انھوں نے میری بات نہیں مانی"۔

"کاکے کی ماں — بنتو کی شادی کر ڈالو۔ نہیں تو......!"

"ارے میری بنتو ایسی نہیں ہے۔ تو کیا سمجھتی ہے؟"

"جب بھاگ جائے گی تو پھر کملا کی ماں کی طرح سر پٹیا۔"

آخر رات ہوگئی۔ اور مرد عورت اپنے اپنے گھر لوٹ گئے۔ گھر میں چونی لعل اور کملا کی ماں رہ گئے۔ ایک ہولناک سناٹا گھر میں چھا گیا ــــ سامنے کی دیوار پر بھگوان کرشن کی تصویر لٹک رہی تھی۔ کملا کی ماں اس تصویر کے سامنے جا کر کھڑی ہوگئی۔ اور رو رو کر کہنے لگی ــــ "اے بانسری والے۔ میری کملا مجھے واپس کر دے۔ نہ جانے وہ اس وقت کہاں ہوگی؟ بیچاری نے کھانا بھی کھایا ہوگا یا نہیں ــــ اے گوؤں کے رکھوالے، میری لڑکی کی رکھشا کرنا۔ اے میرے مالک، میری بچی تیرے ہی حوالے ہے۔" یہ کہہ کر وہ پھر زار و قطار رونے لگی۔

کملا کی ماں کو روتے دیکھ کر چونی لعل کا دل بھی بھر آیا۔ وہ دن بھر نہ رویا تھا۔ لیکن اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ اس کا گلا بھرا گیا۔ اس نے کملا کی ماں کو ڈھارس دیتے ہوئے کہا۔

"کملا کی ماں رونے دھونے سے کچھ نہ ہوگا ــــ میں جانتا ہوں وہ کہاں گئی ہے۔"

"اگر جانتے ہو تو بتاتے کیوں نہیں؟"

"وہ جگدیش کے پاس گئی ہے۔"

"تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"

"میرا من کہتا ہے۔ وہ اسے پیار کرتی تھی۔ اسے چاہتی تھی۔ وہ اس کے پاس گئی ہے۔"

ایک لمحے کے لئے فضا میں خاموشی چھا گئی۔ جگدیش کا نام ذہن میں آتے ہی ان دونوں کے دلوں میں نفرت کا جذبہ نہ ابھرا کیونکہ جگدیش انھیں پسند تھا اور وہ چاہتے تھے کہ کملا کی جگدیش سے شادی ہو جائے۔ لیکن وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی لڑکی بھاگ کر جگدیش کے پاس چلی جائے۔ اسے جانا تو وہیں تھا،

لیکن جانے کے طریقے ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ انہیں پسند نہیں تھا۔

"تم جا کر لے آؤ۔" کملا کی ماں نے کہا۔

"میں اب نہیں جاؤں گا — جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔"

"تم جگدیش کو خط لکھو۔"

"خط لکھنے سے کچھ نہ ہوگا، کملا کی ماں۔ لیکن اس نے یہ کیا کیا؟" —
اور یکایک اس لحیم شحیم آدمی کا سارا جسم کانپ گیا۔ اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا
وہ روتا رہا اور کہتا رہا — "بیگی تو نے مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا۔ کیا ہوا کہ میں ان پڑھ
تھا — لیکن میں بیوقوف نہ تھا۔ میں تمہارے لئے سب کچھ کرتا۔ تمہیں اگر جگدیش نہ ملتا
تو میں تمہارے لئے ہر بنس لاتا۔ تمہارے لئے روبنسن لاتا۔ تمہارے لئے برج لاتا۔
لیکن تم نے یہ کیا کیا۔"

وہ صرف اس خیال سے پریشان نہیں تھا کہ سارے شہر میں اس کی بے عزتی
ہوگی، بلکہ وہ اس بات سے مضطرب تھا کہ وہ اکیلی کیوں چلی گئی۔ وہ محبت جو باپ کو
اپنی بیٹی سے ہوتی ہے، وہ اس کے سینے میں ایک درد بن کر اٹھنے لگی۔ اس نے درد
کو دبانے کی کوشش کی۔ لیکن یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی۔

"تم جگدیش کے پاس کیوں نہیں جاتے؟" کملا کی ماں نے دوبارہ زور دیا۔

"میں اس لئے نہیں جاتا کملا کی ماں کہ اگر کملا وہاں بھی نہ ہوئی تو . . . ."

"اگر کملا وہاں بھی نہ ہوئی تو؟" — کملا کی ماں نے اسی فقرے کو دہراتے ہوئے
کہا۔ اور جیسے اسی فقرے نے اس کے آخری سہارے کو چور چور کر دیا۔ اگر وہ وہاں
پر نہ ہوئی، کہیں اور چلی گئی ہو . . . . . اسے کچھ اور ہو گیا ہو . . . . . وہ کسی اور کے
ساتھ بھاگ گئی ہو . . . . . پھر کیا ہوگا؟ اس خیال کے آتے ہی اس کا دماغ
آتشیں ہو گیا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ سامنے کی دیوار سے زور سے ٹکر مارے۔ اور اپنے

دماغ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اور اسی لمحے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دے۔

رات اسی آہ و زاری میں گذری۔ صبح ہوتے ہی چونی لعل یہ کہہ کر گھر سے نکل
گیا کہ وہ گاؤں جا رہا ہے اور شام تک لوٹ آئے گا۔ لیکن شام ہوئی، رات آئی،
صبح ہوئی، پر چونی لعل نہ لوٹا۔ اس کی تلاش میں آدمی بھیجے گئے۔ پولیس میں رپورٹ لکھوائی
گئی۔ لیکن کوئی پتہ نہ لگا۔ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی گئیں ـــ کئی لوگ کہتے
تھے کہ جس گاؤں میں چونی لعل گیا تھا وہاں کے کسانوں نے اسے مار ڈالا۔ کسانوں
نے کیوں مارا، اس کی یہ وجہ بتائی گئی کہ اس گاؤں کے بہت سے کسانوں پر اس کا
قرض تھا۔ لیکن پولیس کی دوڑ دھوپ کے باوجود کچھ پتہ نہ چل سکا۔ ہاں کسانوں نے
یہ ضرور بتایا کہ چونی لعل اس گاؤں میں آئے تھے۔ وہ ایک دن یہاں ٹھہرے اور
دوسرے دن یہاں سے چلے گئے۔ جس دن یہاں سے گئے، وہ بے حد اداس تھے
ایک دو کسانوں نے انھیں روپے لاکر دیے تھے تو انھوں نے جواب دیا
کہ کل لوں گا۔

ایک کسان نے پوچھا۔ "شاہ جی آپ اداس کیوں ہیں؟
لیکن چونی لعل نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ کسانوں نے کھانا لا کر دیا لیکن
انھوں نے کھانا نہیں کھایا۔ دن بھر وہ خاموش، گم سم بیٹھے رہے۔ گاؤں والوں
نے بتایا کہ وہ اتنے خاموش کبھی نہ دیکھے گئے تھے۔ وہ اتنے اداس کبھی نہ ہوئے
تھے۔ وہ کافی دیر تک اس سڑک کی طرف دیکھتے رہے جو پنجاب کی طرف جاتی ہے۔
ان کی نگاہ اس ڈھلوان کی طرف تھی جو اس وسیع جنگل میں جا کر ختم ہو جاتی ہے۔
اگلی صبح وہ گاؤں سے چل دیئے۔ اس دن کے بعد وہ کبھی واپس نہ آئے۔
کملا کی ماں کو یقین ہو گیا کہ انھوں نے خودکشی کر لی۔ وہ شہر میں منھ دکھانے کے قابل نہ
رہے تھے۔ اس کے سوا ان کے لئے کوئی چارہ نہ تھا ــ لیکن یہ قیاس کہاں تک صحیح تھا

اس کے متعلق کوئی کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔

۲۸

اس دن ہیرا کا جنم دن تھا۔ اس لئے اس کے گھر میں پروڈیوسر، ڈائرکٹر ایکٹر، ایکٹرس، گیت لکھنے والے، کہانی لکھنے والے، چھوٹے اور بڑے ایکٹر سب کے سب موجود تھے۔ ان کے علاوہ کچھ ڈسٹری بیوٹر اور کچھ سیٹھ لوگ اپنے بنک بیلنس کا رعب جمانے کے لئے تشریف فرما تھے۔ اوپر شراب کے دور چل رہے تھے اور نیچے سڑک پر ان کی کاریں اونگھ رہی تھیں۔

گو چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا لیکن ہیرا کی کوٹھی بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ کوٹھی کے چاروں طرف بجلی کے قمقمے لٹک رہے تھے۔ صحن کے اندر، صحن کے باہر، باغ میں پیڑوں کے ارد گرد بجلی کے قمقمے آویزاں تھے۔ یہ درست ہے کہ بمبئی میں شراب پینا جرم ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ شراب کھلے عام نہیں ملتی لیکن بند کمروں میں با افراط ملتی ہے۔ اور یہاں تو بند کمرہ بھی نہ تھا۔ ایک کھلی ہوئی کوٹھی تھی۔ جس کے دروازے آنے والوں کے لئے ساری رات کھلے رہتے تھے۔ ہیرا کو کسی پولیس افسر کا ڈر نہ تھا کیونکہ اس علاقے کا پولیس افسر خود یہاں آ کر شراب پی جاتا تھا؛ اور ہیرا اس سے ہنس ہنس کر باتیں کر لیتی تھی۔

آج ہیرا نے ایک سلیک پہنا ہوا تھا اور ایک ٹی شرٹ اس کے سینے سے چپکی ہوئی تھی۔ اور جب وہ چلتی تھی تو اس کے کولھے ایک عجیب انداز سے ہلتے تھے جنہیں دیکھ کر کچھ گھن سی آتی تھی۔ یہ درست تھا کہ اس ٹی شرٹ میں اس کی چھاتیاں اور نمایاں ہو گئی تھیں یا نمایاں کی گئیں تھیں لیکن پیچھے سے وہ

بالکل ایک مرد کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ ہیرا نے آج ضرورت سے زیادہ پی ہوئی تھی۔ آج وہ ہر شخص سے بیباکانہ گفتگو کر رہی تھی۔ صرف گفتگو ہی نہیں بلکہ جو شخص اندر داخل ہوتا وہ ہیرا کی کمر میں بے خوف خطر ہاتھ ڈالتا۔ اور پھر دونوں جھومتے ہوئے میز کی طرف جاتے اور شراب کا ایک اور پیگ چڑھاتے۔ ڈرائنگ روم میں ایک عجیب افراتفری سی مچی ہوئی تھی۔ اٹھنے بیٹھنے کا کوئی سلیقہ نہ تھا۔ ایک ہنگامہ سا برپا تھا۔ ہر ایکٹرس آج بن سنور کر آئی تھی۔ اور لباس کا استعمال جسم کو عریاں کرنے کے لئے کیا تھا۔ لباس کی وجہ سے نگاہیں خود بخود ان کے جسم کے ایسے حصوں پر پہنچ جاتی تھیں کہ دیکھنے والا دیکھ کر تڑپتا ہی رہ جاتا تھا۔

جگدیش ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں ایک چھوٹے سے اسٹول پر بیٹھا ہوا لوگوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ ہر شخص کے ہاتھ میں سگرٹ کا ایک ڈبہ تھا—— بہتوں نے شارک سکن کے سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ وہ لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔

کمل دھیرہ کہہ رہا تھا—"واہ کیا کام کیا ہے تم نے اس پکچر میں —بھیا سب کو کھا گئے۔"

"ساری فلم میں تم ہی تم دکھائی دیتے ہو۔ اب تو ماشاء اللہ جوبلی اسٹار بن گئے ہو" رام کمار بولا۔

"شام لال کو دیکھو گھمن بھائی کو ایسا مسکا لگا رہا ہے جیسے اگلی پکچر میں اسی کو ہیرو کا رول دے دے گا۔"

"ابے گھمن بھائی کی پکچر میں جگدیش ہیرو بنے گا۔"

جگدیش نے اپنا نام سنا تو اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

"آہستہ سے بات کرو سن لے گا" سریندرا نے جھک کر کہا۔

"سن لے گا تو ہمارا کیا بگاڑ لے گا؟" ارجن نے منہ بگاڑ کر کہا۔
"ارے اس کی کون پرواہ کرتا ہے، وہ ہیرا کا ——"
"یہ ہیرا کا اور جگدیش کا کیا معاملہ ہے۔ یار؟"
"ارے آہستہ سے بات کرنا، سن لے گا تو مفت میں لڑائی ہو جائے گی۔"
"میں چاہتا ہوں کہ وہ سن لے۔ یار ہیرا نے لونڈا اچھا پھانسا ہے۔ بڑے معرکے کی عورت ہے۔"
"ذرا عمر کی پکی ہے، ارجن"
"رہنے دو میاں —— جوان چھوکریوں کو مات کرتی ہے۔"
"مگر لونڈا شرمیلا معلوم ہوتا ہے۔"
"بے فکر رہو —— ہیرا راہ راست پر لے آئے گی۔"
"ابے یار مارو گولی سالے کو۔ تم لیلا کو دیکھو۔"
"کہاں ہے لیلا؟"
"وہ کھڑی ہے۔"
"ساتھ کون ہے؟"
"اس کا باپ۔"
"وہ سالا کیوں آیا ہے؟"
"تاکہ بیٹی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔"
"پھر وہی بات۔ ابے انو رادھا —— دیکھ بے۔"
"انو رادھا کے ساتھ کون کھڑا ہے؟"
"اس کا بھائی۔"
"وحشت ترے کی۔ ہر ایک کے ساتھ باڈی گارڈ۔"

"ابے یہ بتاؤ، ہیرا کیا دیتی ہے جگدیش کو؟"

"ایک فلیٹ لیکر دیا ہے، فلم میں ہیرو کا رول بھی دلوایا ہے اور تنخواہ مبلغ چار سو روپے ماہوار۔"

"قسمت کی بات ہے ارجن صاحب۔ ایک آپ ہیں کہ جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں اور پوچھتا کوئی نہیں۔"

"ارے بھئی فلم انڈسٹری میں اتنا عرصہ ہو گیا سالے، ایکٹرس کو چھوڑو۔ ایک گھاٹن تک نہ پھانس سکے۔"

"میاں ارجن صاحب" — ایک گنجے سر والا ایکٹر قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ "خدا تمھارا بھلا کرے — یہ وسکی کا گلاس ذرا دینا۔ اپنے کو آج کل چڑھتی ہی نہیں۔ (گلاس خالی کر کے) یہ ہیرا بائی بڑے کام کی عورت ہے — کہاں ہے وہ، ذرا مبارکباد دیتے آئیں۔ اور کچھ نہیں تو ہاتھ ہی ملا آئیں — یار اپنی گنجی کھوپڑی کو دیکھ کر سب منہ پھیر لیتے ہیں۔ لیکن ایک زمانہ ہمارا بھی تھا۔ کلکتہ موویٹون میں جب نوکر ہوئے تو وہاں کی ہیروئن سیدھی ہم پر عاشق ہو گئی تھی۔ مگر خدا بیڑا غرق کرے، ف۔ احسین پروڈیوسر کا کمبخت، وہ آن ٹپکا۔ اور آن واحد میں شادی کر کے بیٹھ گیا۔ اور ہم ان دونوں کا منہ دیکھتے رہے ...... ایک گھونٹ اور دینا بھیا .... ذرا سا نشہ ہوا تو ہے۔ بڑے کام کی چیز ہے یہ شراب۔ اپن تو آج کل دیسی پیتے ہیں۔"

"اور اگر دیسی نہ ملے، تو مُرارجی پیتے ہیں۔"

"ارے مُرارجی کیا ہوتی ہے؟"

"تمھیں یہ بھی معلوم نہیں! بمبئی میں رہتے ہوئے تمھیں یہ معلوم نہیں، میاں کسی ایرانی کی دوکان پر چلے جاؤ، اور کہو، 'بھیا دینا ایک بوتل مرارجی'۔ ایرانی

کھٹ سے دو روپے کی ایک بوتل تھمائے گا۔ گھر جا کر چپکے سے اسے پی جانا۔ دنیا کا سب غم بھول جاؤ گے۔"

"لیکن بھیا! اپنے کو کام کا غم ہے — یہ غم شراب سے نہیں بھلایا جا سکتا۔ ایک دم فاقے لگ رہے ہیں — لعنت اس ساری انڈسٹری پر۔"

"ابے گالی نہ دو — اگر کسی نے سن لیا تو ساری عمر کام نہ ملے گا۔"

"نہ ملے — ابھی سالے کیا کام دیتے ہیں — اپنے کو خدا سمجھتے ہیں، یہ سالے پروڈیوسر — خود سالے عیش کرتے ہیں — شرابیں پیتے ہیں — کاریں چلاتے ہیں — رنڈیوں کا ناچ دیکھتے ہیں۔ لیکن ہمیں کام نہیں دیتے اور کام دیتے ہیں تو کام کے دام نہیں دیتے۔"

"تم نے پھر بکنا شروع کر دیا۔" ارجن نے ڈانٹ کر کہا — "زیادہ مت پی، پولیس پکڑ کر لے جائے گی۔"

"نہیں ..... بالکل نہیں ..... پولیس ہیرا بائی کے گھر نہیں آ سکتی ... ... کبھی نہیں آ سکتی .... اماں جگدیش کہاں ہیں؟ آج کل اس کا ستارہ چمک رہا ہے۔ چلیں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے رگڑیں۔ شاید قسمت چمک جائے۔"

وہ لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

جگدیش یہ باتیں سن کر آگ بگولہ ہو گیا۔ اسے زندگی میں پہلی بار اپنی اصلی پوزیشن کا احساس ہوا۔ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ کیا کہتے ہیں؟ اسے معلوم ہوا آج ہر شخص پیے ہوا تھا۔ آج ہر شخص ننگا ہو گیا تھا — آج ہر شخص کی زبان پر اس کی داستان تھی۔ آج ہر شخص کی نگاہ اسی پر جاتی تھی جیسے ہر شخص اس سے پوچھ رہا تھا۔ تم کون ہو؟ تم کیا ہو؟ تمھاری کیا شخصیت ہے؟ تمھارا کیا وجود ہے؟ کچھ نہیں .... کچھ نہیں!

جگدیش یہ بھی جانتا تھا کہ ان میں بہتوں کا اپنا وجود نہ تھا، اپنی شخصیت نہ تھی۔ یہ لوگ بہترین لباس پہن کر آتے تھے۔ لیکن ان کے اندر کیا تھا؟ کیا ان جسموں میں کوئی روح تھی؟ نہ جانے، آج کیوں، اسے اس ماحول سے اتنی نفرت سی ہونے لگی۔ اور اچانک اس کے دل کے نہاں خانے میں کملا کی یاد سائیں سائیں کرنے لگی ــــ "وہ بیچاری انتظار کر رہی ہوگی!"

آج اتنی روشنی کے باوجود اسے تاریکی ہی تاریکی دکھائی دی۔ اس کے علاوہ ہر شخص قہقہے بلند کر رہا تھا۔ وسکی کے دور چل رہے تھے۔ فضا سگرٹ کے دھوئیں سے بوجھل ہو رہی تھی۔ اس نے وہاں موجود لوگوں پر نظر ڈالی۔

یہ جمیلہ تھی۔

یہ جمیلہ نہ تھی، یہ اختری تھی۔

یہ اختری نہ تھی۔ الورادھا تھی۔

یہ الورادھا نہ تھی، انوری تھی۔

یہ انوری نہ تھی۔ یہ مینا تھی ــــ سب ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ ان سب کے پاس ایک خوبصورت جسم ہے، کچھ قوسیں ہیں، کچھ خم ہیں۔ کچھ ابھرے ہوئے خطوط، کچھ دلآویز اور کچھ دلفریب۔

اور ان کی قیمت؟

دو گول گول گداز اُبھری ہوئی چھاتیاں ــــ ٹی شرٹ سے باہر نکلنے کے لئے بیتاب ــــ قیمت ایک کار۔

متناسب کولھے، سرخ سرخ لب۔ دو مسکراتی ہوئی آنکھیں، اور کالے سیاہ بال ــــ قیمت چند ہزار سکے۔

ان سب کو ملاؤ۔ ایک ہیرا بن جاتی ہے۔ ایک ہیرا نہیں ہیرا کی مکمل داستان بنجاتی ہے۔

جگدیش نے ادھر ادھر دیکھا۔ مہمان اپنی جگہوں پر ڈٹے ہوئے تھے۔ کوئی ملنے کا نام نہ لیتا تھا۔

"کیا یہ لوگ رات بھر یہیں ٹھہریں گے، شراب پیئں گے اور گپیں ہانکیں گے ہم! اسے وہاں سے کھسکنا چاہیئے"۔ لیکن جانے سے پہلے اسے ہیرا سے ضرور ملنا تھا ـــ وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر بالکونی میں گیا۔ سامنے پھیلا ہوا سمندر تھا۔ ناریل کے درخت اس تاریکی میں اونگھ رہے تھے۔ صرف لہریں ساحل سے ہمکنار ہو رہی تھیں۔ آج اس کی روح میں ایک عجیب غریب قسم کی اکتاہٹ اور بیزاری عود کر آئی تھی۔ مکان کے سامنے سڑک اکیلی اور سنسان پڑی ہوئی تھی۔ سڑک سے ذرا دور تالاب چپکے سے سو گیا تھا۔ باہر کتنا سکون تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ چپکے سے یہاں سے چلا جائے۔ اور گھر جا کر سو جائے۔ یہ واقعی اس کا گھر نہ تھا۔ یہ ہنگامہ یہ شور و غل، یہ فضا، یہ شراب، یہ دھواں، یہ قہقہے، یہ شارک اسکن کے سوٹ یہ پھولے ہوئے چہرے اسے پسند نہ تھے۔ آج اسے ہیرا بھی اچھی نہ لگ رہی تھی۔

وہ جانے کے لئے قدم اٹھانے ہی والا تھا کہ ہیرا اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں تمہیں ڈرائنگ روم میں دیکھ رہی تھی۔ تم وہاں سے کیوں آ گئے؟"

"وہاں دم گھٹنے لگا تھا"

ہیرا نے بہت پی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ ہوش میں تھی۔

وہ اس کے اور قریب آ گئی۔

اب ان دونوں کے درمیان صرف تاریکی تھی۔

"تم مجھ سے ناراض ہو؟"

"نہیں تو۔"

"تم ایک بار بھی میرے پاس نہیں آئے۔"

"کیا وہ اس سے کہدے کہ ہیرا مجھے تم سے نفرت ہوگئی ہے؟" کسی نے کہا "مت کہو!" وہ خاموش رہا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"یہی کہ تم بیحد خوبصورت دکھائی دے رہی ہو" اس نے جھوٹ بولا تھا۔ لیکن کیا واقعی اس نے جھوٹ بولا تھا؟

وہ ہنس پڑی۔ اس کے ہاتھ سے سگرٹ کا ٹکڑا گر پڑا۔ یہ حرکت اس نے جان بوجھ کر کی تھی۔ وہ سگرٹ کا ٹکڑا اٹھانے کے لئے جھکی اور جھکتے جھکتے لڑکھڑا کر گر پڑی۔ جگدیش نے اسے اٹھالیا۔ وہ یہی چاہتی تھی۔ دونوں بالکونی میں کھڑے تھے۔ ایک دوسرے کے بہت ہی قریب۔ ہیرا کے جسم سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ کیا یہ اس کے خون کی حدت تھی؟ یہاں روشنی نہ تھی، وہ صورت جو روشنی میں دکھائی دیتی تھی، اس وقت اس کی نگاہوں سے اوجھل تھی۔

"یہ تاریکی ہے، یہاں کچھ اور بھی ہے.... یہ ہیرا ہے.... یہ ہیرا نہیں ہے۔ یہ عورت ہے، ہرجائی ہے، یہ تم سے پیار کرتی ہے.... یہ عورت نہیں ہے، یہ لمس ہے.... یہ جاذبیت ہے،.... یہ کشش ہے.... ایک لذت ہے.... یہ حسن ہے.... جادو ہے.... یہ نرمی ہے.... یہ دو ہونٹ ہیں.... یہ دو ٹانگیں ہیں.... گول گول اور گداز، مضبوط اور توانا.... یہ نرم نرم پیٹ ہے.... یہ دو گولائیاں ہیں اور یہ گردن ہے۔ یہ سیاہ بال ہیں.... یہ ہیرا ہے.... لیکن اس وقت ہیرا نہیں.... یہاں تاریکی ہے یہ رات ہے.... ہیرا کچھ اور ہے.... ہیرا بنک بیلنس ہے.... ہیرا ایک کار ہے.... ہیرا ایک فلیٹ ہے.... ہیرا شراب کا ایک جام ہے.... ہیرا چار سو

روپے ماہوار ہے .... ہیرا ایک کنٹریکٹ ہے .... ہیرا ایک لذت ہے......
ہیرا تمہارے قریب ہے .... ہیرا روٹی ہے .... ہیرا ایک رنڈی ہے .... ہیرا
سب کچھ ہے۔ ہیرا کچھ بھی نہیں۔ ہیرا تمہیں کچھ نہیں سمجھتی .... ہیرا کو تم کچھ نہیں
سمجھتے —— ہیرا تمہارے پاس آتی ہے۔ تم ہیرا کے پاس جاتے ہو۔ ہیرا تمہارے ساتھ
سوتی ہے۔ تم ہیرا کے پاس سوتے ہو۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں، کچھ نہیں؟

"کیا سوچ رہے ہو؟" ہیرا نے اس کا ہاتھ دبا کر کہا۔

"یہی کہ یہاں سے جانے کو جی نہیں چاہتا" شاید اس نے ٹھیک کہا تھا۔

ہیرا نے ایک لمحہ کے لئے اس کی طرف دیکھا۔ جگدیش نے ان لبوں کی طرف دیکھا جو اس کی طرف مائل بہ پرواز تھے —— ہیرا اس کے سینے کے ساتھ چمٹ گئی۔ ایک لمحہ کے لئے جگدیش کا جسم اکڑ گیا۔ لیکن دوسرے لمحے اس نے اپنا جسم ہیرا کے حوالے کر دیا —— لیکن ہیرا ہوشیار تھی۔ وہ ایک تجربہ کار ڈرائیور کی طرح جسم کے ہر موڑ سے آگاہ تھی۔ اس نے اس کے جسم کی اکڑ کو محسوس کر لیا تھا۔

"تم جانا چاہتے ہو؟"

"بالکل نہیں۔"

لیکن ہیرا نے ڈرائیور کو آواز دی۔

ڈرائیور دوڑتا ہوا آیا۔

"صاحب کو گھر پہنچا دو —— کل سٹوڈیو میں ملنا۔"

جب جگدیش گاڑی میں بیٹھا تو وہ اس بات کا تجزیہ کر رہا تھا کہ اس کا سارا جسم ایک لمحہ کے لئے اکڑ کیوں گیا تھا۔

یہ وہی ہیرا تھی جو اس سے پہلے کئی بار اس کے جسم سے ہمکنار ہو چکی تھی لیکن آج کیوں اس کا جسم اسے اپنانے کے لئے منع کر رہا تھا۔ کیا وہ ہیرا سے نفرت

کرنے لگا ہے؟ وہ ہیرا سے کیوں نفرت کرے گا! ہیرا نے اس کے ساتھ کیا برائی کی ہے؟ ہیرا تو اچھی ہے۔ اس عورت نے اس کے لئے کیا کچھ نہ کیا۔ لیکن وہ فقرے، اس کی اپنی شخصیت، وہ لوگ، وہ طنزیہ ہنسی، وہ قہقہے، وہ گنجی کھوپڑی والا ایکٹر؟

اتنے میں کار رکی۔ ڈرائیور نے کار کا دروازہ کھولا۔ اور جگدیش کار سے نکل کر اوپر آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

۲۹

جب جگدیش کمرے میں داخل ہوا تو اس نے کملا کو گم سم پایا۔ اس نے سوچا کہ وہ دیر سے آیا ہے اس لئے کملا اس سے ناراض ہے۔ اچانک کملا نے رونا شروع کر دیا۔ کملا کو یوں روتے دیکھ کر جگدیش کچھ ہکا بکا سا رہ گیا۔ کملا کیوں رو رہی تھی؟ کیا کسی نے اسے چھیڑا تھا؟ اس نے چپ کرانے کی کوشش کی لیکن کملا بدستور رو رہی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے تھمتے نظر نہ آتے تھے۔

"بتاؤ تو سہی، کیا ہوا؟" اس نے کملا کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

کملا نے روتے ہوئے ایک خط جگدیش کے ہاتھ میں دیدیا۔ جگدیش نے جلدی سے وہ خط پڑھ لیا۔ یہ خط کملا کی ماں کا تھا جس میں کملا کے باپ کے مرنے کی خبر تھی کہ وہ کس طرح گھر سے چلا گیا اور پھر کبھی واپس نہ آیا۔ یہ واقعی ایک المناک خبر تھی۔ "وہ کس طرح کملا کو ڈھارس دے"۔ وہ سوچنے لگا۔ "اگر کملا یہاں نہ آتی تو چونی لعل کبھی خودکشی نہ کرتا۔ یہ کس قسم کی محبت تھی جس نے لڑکی کو اپنے باپ سے جدا کر دیا۔ وہ کیا کرے؟ وہ کیا کہے؟" آج اسے کملا پر

بعد ترس آیا۔ اور یہی سوچتے سوچتے وہ اپنے آپ کو کوسنے لگا۔ یہ کہاں تک جائز ہے کہ وہ رات بھر ہیرا کے گھر شراب پیتا رہے اور کملا اکیلی اس کمرے میں اس کا انتظار کرتی رہے؟ یہ کس قسم کی دنیا ہے کہ دو انسان اکٹھے ہوتے ہوئے بھی الگ رہ رہے تھے؟'

"کیا تم نے کھانا کھایا؟" جگدیش نے کملا کو چپ کراتے ہوئے پوچھا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

'ٹھیک ہے وہ کھانا نہیں کھائے گی؟' اس نے سوچا۔ 'لیکن وہ کھانا کھاکر آیا تھا' شراب پی کر آیا تھا۔ گو اس وقت شراب کا نشہ اتر گیا تھا۔ کملا اس وقت بستر پر اکڑوں ہو کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اور رو رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ کملا آج کی رات روئے گی۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے چپ نہیں کرا سکتی۔ اگر وہ ظاہری طور پر خاموش ہو بھی جائے تو اس کی روح کے خلاء کو کون بھرے گا؟ اس زخم پر جو اس کے سینے میں ہو گیا ہے کون مرہم رکھے گا؟ وہ درد جو اس کے سینے میں ٹیسیں مار رہا ہے کیسے کم ہوگا؟ — اس کے باپ کا مرنا کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے۔ باپ نے کتنے ناز و نعم سے اسے پالا تھا۔ کیا کملا واپس چلی جائے گی؟... نہیں .... اسے معلوم تھا کہ کملا اب واپس نہ جائے گی۔ اس کا ایک ہی سہارا تھا۔ وہ بھی ٹوٹ گیا۔' وہ کملا کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ ابھی تک رو رہی تھی — باہر تاریکی اسی انداز سے پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر صوفے پر بیٹھ گیا۔ پہلے بوٹ اتارے پھر جرابیں — اس کے بعد پتلون اتار کر پھر پاجامہ پہنا۔ اور فرش پر بستر بچھا کر لیٹ گیا۔ کمرے کا لمپ ابھی تک روشن تھا۔ وہ اٹھا۔ بجلی کا بٹن دبایا اور پھر بستر پر لیٹ گیا۔ نیچے فٹ پاتھ پر لوگ سو رہے تھے۔ ایک دو بار ایک بچے کے رونے کی آواز آئی۔ ایک بوڑھے

نے زور سے کھانسنا شروع کیا اور دیر تک کھانستا رہا۔ اور پھر ایک آدمی دوڑتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا۔ اس نے پھر کملا کی طرف دیکھا۔ اس تاریکی میں اسے آنسو نہ دکھائی دیے۔ لیکن ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز بدستور آ رہی تھی۔ 'وہ کیا کہے اس لڑکی سے؟ وہ کس طرح ڈھارس دے اس کو؟ وہ کس طرح کہہ دے کہ تم اپنے باپ کی موت کو بھول جاؤ؟' جگدیش عجیب غریب کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

جب سے کملا آئی تھی، وہ اس سے الگ سو رہا تھا۔ وہ دونوں اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی اتنے دور تھے۔ کملا اس کے گھر کا سارا کام کرتی تھی۔ اس کے جوٹھے برتن صاف کرتی تھی، فرش دھوتی تھی، کپڑے دھوتی تھی، کھانا پکاتی تھی۔ وہ اس کی نوکرانی نہ تھی، وہ اس کی محبوبہ تھی۔ لیکن وہ اس سے الگ تھا۔ نہ جانے اس نے یہ حدِ فاصل کیسے قائم کر لی تھی۔ اس کے پیچھے کون سا جذبہ کارفرما تھا؟ کیا وہ چاہتا تھا کہ کملا یہاں سے چلی جائے؟ اسی لئے وہ آج تک وہ کملا سے الگ تھلگ رہا تھا؟ لیکن کملا تو یہاں تھی۔ اب وہ کہاں جائے گی!۔ وہ یہ سوچ رہا تھا اور کملا بدستور رو رہی تھی۔ 'اے بیوقوف اُٹھ، اس سے پیار کرو، اسے ڈھارس دو۔ اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لو۔ اس سے کہو کہ میں زندہ ہوں۔ میں تمہارا ہوں، تمہارے لئے زندہ رہوں گا' ــــ وہ سوچتا رہا لیکن اس نے کچھ نہ کہا اور کملا سسکیاں لے رہی تھی۔ اور رات اندھیری تھی۔ اور چاند بہت دور ناریل کے درختوں کے پیچھے آویزاں تھا۔

'کوئی مر گیا تھا۔' اس نے سوچا۔ 'ہر روز لوگ مرتے ہیں، ایک دن تم بھی مر جاؤ گے۔ یہ کملا بھی مر جائے گی۔ لیکن آج 'کوئی' نہ مرا تھا، بلکہ اپنے وجود کا ایک حصہ الگ ہو گیا تھا۔ اور کملا اس حصے کے لئے رو رہی تھی۔' وہ اُٹھ کر کملا کے قریب بیٹھ گیا۔ کملا نے اس کی طرف نہ دیکھا۔ وہ اسی طرح لیٹی

رہی اور لمبی لمبی آہیں بھرتی رہی۔ وہ ابھی تک دیکھ رہا تھا۔ 'ارے یوں کیا دیکھ رہے ہو۔ کس سے ڈرتے ہو؟ کملا سے ڈرتے ہو؟ وہ تمھیں چاہتی ہے ۔۔ دیکھو اب یوں نہ بیٹھو۔ ایک اچھے شوہر کی طرح اپنی بیوی کے ساتھ لیٹ جاؤ۔ اُسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لو۔ اس کے لبوں پر اپنے لب رکھ دو۔۔۔ اُٹھتے نہیں، پھر سوچ میں پڑ گئے؟۔۔ ارے کمبخت یہ تمھاری بیوی ہے۔ تم اسے اغوا کر کے نہیں لائے ہو۔ یہ تمھاری محبوبہ ہے۔.... اس سے کس بات کا ڈر؟ شاید تم اپنے آپ سے ڈرتے ہو کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ تم اپنے آپ کو کیوں گنہگار سمجھتے ہو؟ کیا محبت کرنا گناہ ہے؟ یہ تو تمھاری اپنی کملا ہے ۔۔ بچپن کی دیوی تمھاری محبت کا جیتا جاگتا تصور۔۔ ایک حسین محبوبہ، جسے پانے کے لئے تم بیقرار رہتے تھے۔ ارے یہ تمھاری ہے۔۔ تم کیوں ہچکچا رہے ہو؟'

جگدیش کملا کے ساتھ لیٹ گیا اور اپنے دونوں بازوؤں میں اسے سمیٹ لیا اور کملا کچھ نہ بولی ۔۔ وہ ایک بے زبان جانور کی طرح اس کے سینے سے چمٹ گئی اور اس کی روح کے اردگرد ایک نرم سا حالہ بننے لگا۔ کملا تو یہی چاہتی تھی، کملا ہی کیا، ہر عورت یہی چاہتی ہے کہ اس کا مرد اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لے ۔۔ 'یہ لڑکی تمھیں پانے کے لئے یہاں آئی ہے۔ یہ چاہتی ہے کہ تم اپنی صورت کی تخلیق کرو ۔۔ اپنا چہرہ اس کے آئینے میں دیکھو ۔۔ قدرت کا کیمرہ کتنا شاندار ہے۔ انسان نے بھی کیمرہ بنایا ہے۔۔ لیکن وہ کیمرہ کتنا حقیر ہے ۔۔ وہ چند بے جان تصویروں کی تخلیق کر سکتا ہے، لیکن قدرت کے کیمرہ میں تو گوشت پوست کا انسان تخلیق ہوتا ہے۔۔ چہرہ جگدیش کا۔ رنگ کملا کا۔ آنکھیں جگدیش کی، ٹھوڑی کملا کی، ہونٹ جگدیش کے اور نقش کملا کے ۔۔ دونوں کی عظیم الشان محبت کا مشترکہ امٹ نشان۔

نہ جانے آج کیوں جگدیش کے دل و دماغ میں ایک عجیب راحت کا احساس پھیل رہا تھا۔ یہ راحت اسے کبھی ہیرا سے نہ ملی تھی۔ یوں لیٹے لیٹے اس کا جسم آتشیں ہو گیا۔ کملا کی سسکیاں بند ہو گئیں۔ اس کی کنپٹیاں جلنے لگیں اور ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے۔ کملا چپ چاپ لیٹی ہوئی تھی۔ وہ اس جذبے کے زیرِ اثر اپنی ساری توانائی کھو چکی تھی۔ جیسے اب وہ کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی ـــــ آج سے جگدیش اس کا خاوند تھا اور وہ اس کی بیوی۔

یہ کس قسم کی شادی تھی ـــ یہ کس قسم کا ہنی مون تھا ـــ نہ بیاہ، نہ برات نہ باجہ، نہ ڈھول شہنائی ـــ نہ ماں باپ، نہ سہیلیاں ـــ کوئی بھی نہیں ـــ آجکل کس قسم کی شادیاں ہونے لگی ہیں ـــ یہ لڑکی کوئی طوائف نہیں تھی ـــ رات بھر کے لئے نہیں آئی تھی۔ وہ ایک عام متوسط گھرانے کی لڑکی تھی جو اپنے سفر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتی تھی ـــ زندگی کا ایک چھوٹا سا سفر ـــ ایک خاوند، ایک کمرہ، ایک دو بچے، اور معقول سی آمدنی، بس اور کچھ نہیں ـــ

اب جسم کے ہر مسام سے اک آگ سی نکل رہی تھی۔ اور کملا کا جسم ایک نئی قوت سے جاگ اٹھا تھا۔ اس وقت کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ یہاں کوئی نہیں، کسی کی آواز نہیں، کسی کا گیت نہیں، کوئی بینڈ نہیں، بیتھوون کا کوئی نغمہ نہیں، اختری بائی کی کوئی ٹھمری نہیں، سہگل کا کوئی گیت نہیں، ماں کا پیار نہیں، باپ کی محبت نہیں کوئی آہٹ نہیں، صرف تم ہو اور کملا ـــ نہ جانے وہ کیوں کملا کے نزدیک اتنا نزدیک آ گیا کہ جسم جسم میں پیوست ہو گئے ـــ یہ کون سی راحت ہے جو دو جسموں کو ایک کر دیتی ہے، یہ کون سا بلاوا ہے جو آن واحد میں دو انسانوں کو یکجا کر دیتا ہے۔ اب وہ دونوں ایک تھے، کون سی وادی میں چلے آئے تھے۔ یہ کیسی بہار تھی۔ یہ کیسے شگوفے تھے، یہ کیسے خوش رنگ پھول تھے۔

یہ کیسی خوشبو تھی! دو جسم نہ تھے، صرف ایک جسم تھا۔ ایک جسم بھی نہ تھا — صرف ایک چاہت تھی۔ ایک پیار تھا۔ ایک لمس تھا۔ ایک نرمی تھی۔ ایک لچک تھی۔ چار ہونٹ ..... نہیں ..... دو ہونٹ ..... نہیں ..... صرف ایک ہونٹ، بلکہ صرف ایک ہلکا سا دباؤ تھا — ایک شعلہ تھا جو اُن کے جسموں سے نکل کر لپکیا رہا تھا۔ آج وہ اتنے قریب آ گئے تھے کہ ان کے الگ الگ وجود ختم ہو گئے تھے اور ایک تیسرے وجود کی تخلیق کے عناصر فراہم کر رہے تھے۔

آج ان کی شادی ہو گئی تھی

۳۰

کملا اور جگدیش ازدواجی زندگی میں منسلک ہو گئے تھے۔ کملا نے اس شادی کو قبول کر لیا تھا۔ اس محبت کو اپنی محبت سمجھ کر، اور آنے والے واقعات کو زندگی کا لازمی حصہ تصور کر کے مکمل طور پر اپنے آپ کو جگدیش کے حوالے کر دیا تھا۔ اب تو واقعی اس کی شادی ہو گئی تھی — جگدیش اس کا خاوند تھا اور وہ اس کی بیوی۔ کیا ہوا کہ کسی پنڈت نے ان کا بیاہ نہ رچایا تھا — کیا ہوا کہ اس کے ہاتھوں کو مہندی نہ لگائی تھی یا سہیلیوں نے گیت نہ گائے اور ڈھولک نہ بجائی۔ اس کے وداع ہونے پر ماں نہ روئی یا بھائیوں کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے — کوئی بات نہیں! اسے اپنی محبت پر وشواس تھا۔ جگدیش کی ذات پر بھروسہ تھا۔ اس نے جگدیش کو پا لیا تھا کملا کو یہ معلوم نہ تھا کہ جگدیش کس راہ پر گامزن ہے کیونکہ وہ ابھی تک منزل کو پانے کی کوشش میں محو تھی۔ اس نے منزل کو پا لیا تھا۔ لیکن اسے کیا معلوم کہ منزل کو حاصل کرنے کے بعد کیا ہوتا ہے۔ جس چیز کو اس نے منزل سمجھا تھا کیا واقعی وہ منزل

تھی ؟ وہ تو زندگی کا پہلا قدم تھا۔ ایک ہی کمرے میں ایک ساتھ رہتے ہوئے بھی کملا جگدیش کے ذہنی مدوجزر سے ناواقف تھی۔ جگدیش کے ذہن میں کیا کچھ ہوتا ہے، وہ کیا سوچتا رہتا ہے، وہ کہاں جاتا ہے، دن بھر کہاں رہتا ہے، رات کو دیر سے کیوں آتا ہے، وہ کھل کر بات کیوں نہیں کرتا، وہ کیوں بجھا بجھا سا رہتا ہے، وہ ہنستا کیوں نہیں، وہ خوشی اور انبساط کیوں نہیں جس سے گھریلو زندگی جگمگا اٹھتی ہے، کملا کو یہ سب کچھ معلوم نہ تھا۔ اسے ان باتوں کا موہوم سا احساس ضرور تھا، لیکن وہ جگدیش کا اور زیادہ خیال رکھ کر اس احساس کو مٹانا چاہتی۔ وہ اس کی راہ میں آنکھیں بچھاتی — ہر بات پوچھتی۔ اس کے دل کے نہاخانے میں جھانکنے کی کوشش کرتی — لیکن انسان کا دماغ ایک مشین کی طرح کام نہیں کرتا۔ اس میں عجیب عجیب خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ کہتا کچھ اور ہے کرتا کچھ اور ہے وہ کرنا کچھ چاہتا ہے اور کر ڈالتا کچھ اور ہے — جگدیش کی زندگی کش مکش کے دوراہے پر کھڑی تھی۔ حالات نے اسے شکنجے میں گرفتار کر لیا تھا۔ وہ کدھر جائے، کہاں جائے ؟ کس کو اپنے دل کا حال سنائے ؟ کون اس کی مدد کر سکتا تھا۔

وہ سٹوڈیو جاتا تو ہیرا اس سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی۔ اور اکثر اسے سیٹ پر ایسے محبت کے سین کرنے پڑتے کہ وہ اکتا جاتا۔ اسے مبہم سا ڈر کا احساس بھی ہوتا کیونکہ ہیرا کی نگاہیں خوردبین کی طرح اسے چھان ڈالنا چاہتیں۔ اس کی نگاہوں میں تحکم کا جذبہ بھی تھا اور ایک خوفناک تندی بھی۔

اس کے برخلاف کملا کی نگاہوں میں ایک معصومیت تھی، دوستی کا جذبہ تھا سمجھنے کی کوشش تھی — وہ کتنے دنوں سے محسوس کر رہا تھا کہ ہیرا کا لب لہجہ پہلے سے زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا۔ وہ نرمی اور انکساری جو شروع میں ہیرا کے لہجے میں تھی، اب آہستہ آہستہ مفقود ہوتی جا رہی تھی۔ اس میں چڑچڑاپن عود کر رہا

تھا۔ گو ہیرا کی پوری کوشش تھی کہ یہ چڑچڑا پن اس پر ظاہر نہ ہو، لیکن اس شعوری کوشش کے باوجود یہ حقیقت اس پر آشکارا ہو رہی تھی۔ ادھر جگدیش کے رویے میں بھی ایک خاص تبدیلی آ گئی تھی۔ وہ زیادہ عرصہ ہیرا کے گھر نہ ٹھہرتا اور اگر ٹھہرتا تو پہلے جیسی ہنسی اور قہقہے بلند نہ کر پاتا۔ وہ جلدی اُٹھنے کی کوشش کرتا اور جب ہیرا پوچھتی کہ اتنی جلدی کیا کرو گے جا کر، تو اسے اکثر جھوٹ بولنا پڑتا اور یہ جھوٹ اسے صرف ایک محاذ پر نہیں بلکہ دونوں محاذوں پر بولنا پڑتا — گھر میں، اور گھر سے باہر، ہیرا کے سامنے بھی، اور کملا کے سامنے بھی — اس زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے — اور اس کے ذہن میں تلخی اور اکتاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

ایک شام جب شوٹنگ ختم ہوئی تو ہیرا نے کہا۔ "شام کو جلدی آنا، ضروری کام ہے۔"

وہ اس لہجے کو سمجھ گیا۔

شام کو ہیرا کے گھر پہنچ گیا۔ ہیرا اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ڈرائنگ روم میں اس کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

ایک چھوٹی سی میز پر شیشے کے دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اور ان کے ساتھ ایک شراب کی بوتل — اس نے ایک طائرانہ نگاہ ہیرا پر ڈالی۔ وہ کافی سج دھج کر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ شاید وہ ابھی نہا کر آئی تھی کیونکہ بال ابھی شانوں پر پڑے تھے اور وہ پنکھے کے سامنے کھڑے ہو کر بال سکھا رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ" — آواز میں ایک قسم کا آرڈر تھا۔ جیسے کوئی منیجر کسی حقیر سے کلرک کو کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اب وہ کنگھی کرنے لگی تھی — کنگھی کرتے کرتے وہ کہنے لگی۔ "ایک پیگ دینا۔"

تھی ؛ وہ تو زندگی کا پہلا قدم تھا۔ ایک ہی کمرے میں ایک ساتھ رہتے ہوئے بھی کملا جگدیش کے ذہنی مدوجزر سے ناواقف تھی۔ جگدیش کے ذہن میں کیا کچھ ہوتا ہے، وہ کیا سوچتا رہتا ہے، وہ کہاں جاتا ہے، دن بھر کہاں رہتا ہے، رات کو دیر سے کیوں آتا ہے، وہ کھل کر بات کیوں نہیں کرتا، وہ کیوں بجھا بجھا سا رہتا ہے، وہ ہنستا کیوں نہیں، وہ خوشی اور انبساط کیوں نہیں جس سے گھریلو زندگی جگمگا اٹھتی ہے — کملا کو یہ سب کچھ معلوم نہ تھا۔ اسے ان باتوں کا موہوم سا احساس ضرور تھا، لیکن وہ جگدیش کا اور زیادہ خیال رکھ کر اس احساس کو مٹانا چاہتی۔ وہ اس کی راہ میں آنکھیں بچھاتی — ہر بات پوچھتی۔ اس کے دل کے نہاخانے میں جھانکنے کی کوشش کرتی — لیکن انسان کا دماغ ایک مشین کی طرح کام نہیں کرتا۔ اس میں عجیب و غریب خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ کہتا کچھ اور ہے کرتا کچھ اور ہے وہ کرنا کچھ چاہتا ہے اور کر ڈالتا کچھ اور ہے — جگدیش کی زندگی کش مکش کے دوراہے پر کھڑی تھی۔ حالات نے اسے شکنجے میں گرفتار کر لیا تھا۔ وہ کدھر جائے، کہاں جائے ؟ کس کو اپنے دل کا حال سنائے ؟ کون اس کی مدد کر سکتا تھا۔

وہ سٹوڈیو جاتا تو ہیرا اس سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی۔ اور اکثر اسے سیٹ پر ایسے محبت کے سین کرنے پڑتے کہ وہ اکتا جاتا۔ اسے مبہم سا ڈر کا احساس بھی ہوتا کیونکہ ہیرا کی نگاہیں خوردبین کی طرح اسے چھان ڈالنا چاہتیں۔ اس کی نگاہوں میں تحکم کا جذبہ بھی تھا اور ایک خوفناک تندی بھی۔

اس کے برخلاف کملا کی نگاہوں میں ایک معصومیت تھی، دوستی کا جذبہ تھا سمجھنے کی کوشش تھی — وہ کتنے دنوں سے محسوس کر رہا تھا کہ ہیرا کا لب لہجہ پہلے سے زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا۔ وہ نرمی اور انکساری جو شروع میں ہیرا کے لہجے میں تھی، اب آہستہ آہستہ مفقود ہوتی جا رہی تھی۔ اس میں چڑچڑا پن عود کر رہا

تھا۔ گو ہیرا کی پوری کوشش تھی کہ یہ چڑچڑا پن اس پر ظاہر نہ ہو، لیکن اس شعوری کوشش کے باوجود یہ حقیقت اس پر آشکارا ہو رہی تھی۔ ادھر جگدیش کے رویے میں بھی ایک خاص تبدیلی آگئی تھی۔ وہ زیادہ عرصہ ہیرا کے گھر نہ ٹھہرتا اور اگر ٹھہرتا تو پہلے جیسی ہنسی اور قہقہے بلند نہ کر پاتا۔ وہ جلدی اُٹھنے کی کوشش کرتا اور جب ہیرا پوچھتی کہ اتنی جلدی کیا کرو گے جاکر؟ تو اسے اکثر جھوٹ بولنا پڑتا اور یہ جھوٹ اسے صرف ایک محاذ پر نہیں بلکہ دونوں محاذوں پر بولنا پڑتا —— گھر میں، اور گھر سے باہر، ہیرا کے سامنے بھی، اور کملا کے سامنے بھی —— اس زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے —— اور اس کے ذہن میں تلخی اور اکتاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

ایک شام جب شوٹنگ ختم ہوئی تو ہیرا نے کہا۔ "شام کو جلدی آنا، ضروری کام ہے۔"

وہ اس لہجے کو سمجھ گیا۔

شام کو ہیرا کے گھر پہنچ گیا۔ ہیرا اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ڈرائنگ روم میں اس کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

ایک چھوٹی سی میز پر شیشے کے دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اور ان کے ساتھ ایک شراب کی بوتل —— اس نے ایک طائرانہ نگاہ ہیرا پر ڈالی۔ وہ کافی سج دھج کر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ شاید وہ ابھی نہا کر آئی تھی کیونکہ بال ابھی شانوں پر پڑے تھے اور وہ پنکھے کے سامنے کھڑے ہو کر بال سکھا رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ" —— آواز میں ایک قسم کا آرڈر تھا۔ جیسے کوئی منیجر کسی حقیر سے کلرک کو کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اب وہ کنگھی کرنے لگی تھی —— کنگھی کرتے کرتے وہ کہنے لگی۔ "ایک پیگ دینا۔"

جگدیش نے وسکی کی بوتل کو کھولا۔ میز کے نیچے سوڈے کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ گلاس میں ایک پیگ ڈالا اور پھر سوڈا انڈیل دیا ــــ اس وقت اس نے محسوس کیا کہ وہ ہیرا کا عاشق نہ تھا، ہیرا کا بیرہ تھا۔

"تم بھی ایک پی لو۔"

اس نے تلخی کو شراب میں تحلیل کرنے کے لئے ایک پیگ بھر لیا۔

اس وقت ہیرا کی آنکھوں میں بیحد غصہ تھا۔ اس کے ہونٹ پھڑپھڑا رہے تھے اور وہ کوشش کر رہی تھی کہ اپنے آپ کو سنبھال کر بات کرے۔

وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میں آج تم سے صاف صاف باتیں کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے وسکی کے گلاس کو منھ لگایا اور ایک گھونٹ میں ساری وسکی پی گئی۔

"ایک پیگ اور دینا۔"

اس نے وسکی کا ایک اور پیگ دیا۔

جس جگہ وہ بیٹھا ہوا تھا، اس کے سامنے کھڑکی تھی۔ اور وہ کھڑکی سے آسمان کے اس حصّے کو دیکھ سکتا تھا، جہاں اس وقت شفق پھولی ہوئی تھی اور بادلوں نے ارغوانی لباس اوڑھ لیا تھا۔

"بات یہ ہے کہ میں تمھیں چاہتی ہوں۔"

"یہ میں جانتا ہوں۔"

"اور شاید یہ تم نہیں جانتے کہ میں مرنا نہیں چاہتی۔"

"مرنا تو کوئی بھی نہیں چاہتا۔" جگدیش نے شراب کا ایک گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔

"میں نے سوچا تھا کہ تم ہر بات مجھے خود بتا دو گے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ

تم بھی اس ماحول میں رہ کر بد دیانت ہو جاؤ گے۔ اس لڑکی کا کیا نام ہے، جو تمہارے ساتھ رہتی ہے؟"

"کملا۔"

"یہ مجھے معلوم ہے کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے، تمہارا کھانا پکاتی ہے، تمہارے کپڑے دھوتی ہے، تمہارا گھر صاف کرتی ہے، اور تمہارا انتظار کرتی ہے"۔ وہ صوفے سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی ۔۔ "جس دن وہ آئی تھی، اس کے دوسرے دن مجھے معلوم ہو گیا تھا ۔۔ اس کرسچین کو جانتے ہو، جو تمہاری بلڈنگ میں رہتا ہے؟ وہ شراب کا بیوپار کرتا ہے۔ میں اس سے شراب خریدتی ہوں اور کچھ زائد پیسے بھی دیتی ہوں۔ اس لئے وہ مجھے سب کچھ بتا دیتا ہے۔ تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے ۔۔ شراب کا ایک اور پیگ دینا، ایک پٹیالہ پیگ، تاکہ جو باتیں میں تم سے کہنا چاہتی ہوں، آج صاف صاف کہہ سکوں۔ (پھر ذرا رک کر) تمہیں اس لڑکی سے محبت ہے نا؟"

وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ وہ پھر بولی۔

"دیکھو جھوٹ نہ بولنا ۔۔ میں جانتی ہوں کہ تمہیں اس سے محبت ہے اور میں نہیں چاہتی کہ تم اس قصے کو دہراؤ کہ تمہیں اس سے بچپن میں محبت ہو گئی تھی۔ ہو گئی ہوگی، اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ زندگی کے ۳۵ سالوں نے یہی سکھایا ہے کہ صرف اپنی ذات کا اور صرف اپنی خوشی کا خیال کرو۔ اور آج میں تمہیں بتا دینا چاہتی ہوں کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں، اس لئے محبت کرتی ہوں کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ جب تم آئے تھے تو میں نے تمہاری باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ تم نے کسی عورت کے جسم کو نہیں چھوا ہے، تم کنوارے ہو، اس کے علاوہ تم میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں اور ہیں جو ایک اچھے خاوند میں ہونی چاہئیں۔ اس لئے میں نے تمہیں اپنا

بنانا چاہا ــ لیکن کچھ دنوں سے میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم کچھ کھوئے رہتے ہو ــ تم میرے نزدیک رہ کر مجھ سے دُور رہنا چاہتے ہو ــ اور جب اس لڑکی کا قصہ مجھے معلوم ہوا تو ساری حقیقت مجھ پر کھل گئی ۔"

یہ کہہ کر وہ پھر صوفے پر بیٹھ گئی ۔ شراب کا ایک پیگ ڈالا ۔ وہ پیگ پینے والی تھی کہ جگدیش نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ۔ ہیرا نے زور سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا ــ

"تم اس طرح مجھے خوش کرنے کی کوشش نہ کرو ۔ میں جانتی ہوں کہ تم کیا چاہتے ہو، تمہارے دل میں کیا ہے ــ تم صرف مجھ سے روپے لینا چاہتے ہو، اور کچھ نہیں ــ اور میں تمھیں صاف صاف بتا دینا چاہتی ہوں کہ میں روپے دوں گی، لیکن اس طرح نہیں ! میں تمھیں کام لیکر دوں گی ، لیکن اس طرح نہیں ! میں تمھاری مدد کروں گی ، لیکن اس طرح نہیں ! ــ تمھیں اس لڑکی کو چھوڑنا پڑے گا ۔"

یہ کہہ کر وہ جگدیش کی طرف دیکھنے لگی ــ یہ سب باتیں ہیرا ایک بزنس مین کی طرح کر رہی تھی جگدیش جانتا تھا ان باتوں میں کتنی قوت ہے ــ وہ کونسی طاقت ہے جو یہ باتیں کہلوا رہی ہے ۔ اور جگدیش سن رہا تھا اور بڑے صبر و سکون سے سن رہا تھا ۔ وہ جانتا تھا کہ آج ہیرا نے اپنے دل کی بات کہہ دی ہے اور اس کا پورا کردار ابھر آیا ہے ــ

"شاید تمھیں معلوم ہوگا کہ آجکل نوکری کہیں نہیں ملتی ــ اگر یہ کام بھی تمہارے ہاتھوں سے جاتا رہا تو بھوکے مر جاؤ گے ۔"

جگدیش جانتا تھا ــ ہیرا کو یہ بات کہنے کی ضرورت نہ تھی ــ یہ بہت ہی گھٹیا بات تھی ــ لیکن ہیرا کہنا چاہتی تھی ، کیونکہ ان باتوں کا اثر ہوتا ہے ۔ شاید وہ خود اس قسم کے حالات میں سے گذر چکی تھی ۔ اور آج انہیں باتوں کو جگدیش

پر آ زما رہی تھی۔ جو کچھ زندگی نے اسے دیا تھا اس کو وہ آج واپس کر رہی تھی۔
"تم اسے گھر بھیج دو۔"
جگدیش نے کوئی جواب نہ دیا۔
"اگر گھر نہیں بھیج سکتے تو اسے مار دو، قتل کر دو۔۔ وہ تمھارے کمرے میں نہیں رہ سکتی۔"
جگدیش نے آج تک ہیرا کو اس رنگ میں نہ دیکھا تھا۔ ہیرا کی آنکھیں انگارہ ہو گئی تھیں۔ نتھنے پھڑک رہے تھے، وہ ایک خونی کی طرح دکھائی دے رہی تھی جو قتل کرنے سے پہلے اپنے کو قتل کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ "یہ حیوانیت کہاں چھپی ہوئی تھی؟ کیا عورت میں اتنی حیوانیت ہو سکتی ہے؟"
وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اس نے ایک قدم رکھا ہی تھا کہ ہیرا نے اسے پکڑ لیا اور کہنے لگی ۔۔ "جگدیش میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں ۔۔ ایک باقاعدہ شادی۔ بینڈ باجے کے ساتھ شادی۔ باقاعدہ دلہن بن کر میں تمھارے گھر آؤں گی۔ اس سے پہلے کتنوں کے بستر کی زینت بن چکی ہوں، لیکن اب کے پہلی بار اور آخری بار تمھاری دلہن بنوں گی ۔۔ صرف تمھاری بن کر رہوں گی۔ ایک مرد کی، ایک جسم کی عورت ہو کر رہوں گی۔ ایک بچے کی ماں بنوں گی ۔ مجھے بچوں سے کتنی محبت ہے، شاید تم نہیں جانتے ۔۔ ہاں پہلے دلہن اور پھر ماں۔ میں مانگ میں تمھارے سہاگ کا سیندور بھروں گی۔ تمھارا انتظار کروں گی، جب تک تم نہیں آؤ گے کھانا نہیں کھاؤں گی۔ تمھارے کپڑے دھوؤں گی۔ تمھارے جوتے صاف کروں گی تمھارے ساتھ سنیما جاؤں گی ۔۔ تمھارے بچے پالوں گی ۔۔ انھیں دودھ پلاؤں گی۔۔ جگدیش میری بات مان جاؤ۔ تم مت جاؤ یہاں سے ۔۔ تم بیٹھ جاؤ۔ میری بات تو سنو۔"

جگدیش صوفے پر بیٹھ گیا ۔ اور ہیرا اس کے ساتھ بیٹھ گئی ۔

"تم برا مان گئے، میری باتوں کا؟ میں تمھیں کتنا چاہتی ہوں ۔ تم ناراض نہ ہونا ۔ اس لڑکی کو آج مت نکالو ۔ کچھ دن اور رکھ لو ۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد اسے ضرور نکال دینا ۔ نہیں تو بہت برا ہوگا۔" اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور جگدیش کے گلے میں باہیں ڈال دیں ۔ اور روتے روتے کہنے لگی ۔ "میں نے تمھیں سب کچھ دیدیا، لیکن تم مجھ سے محبت نہیں کرتے ۔ تم کسی اور لڑکی سے محبت کرتے ہو۔ تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے ۔ یہ کیوں؟ کیوں؟ (اور پھر اس سے الگ ہوکر) لیکن اب مجھے تمہاری نفرت کی پرواہ نہیں ۔ مجھے اس لڑکی کی پرواہ نہیں ۔ مجھے صرف اپنی پرواہ ہے ۔ اور میں تمھیں ضرور حاصل کروں گی ۔ تمھیں ضرور اس لڑکی کو چھوڑنا پڑے گا ۔ ہمیشہ کے لئے ۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئی ۔ اور اس سے الگ ہوکر بیٹھ گئی اور پھر رونے لگی ۔

ہیرا دراصل سب کچھ کہہ چکی تھی ۔ اور وہ یہ نہ چاہتی تھی کہ جگدیش اس سے ناراض ہوکر چلا جائے ۔ اس لئے اب اس نے رونا شروع کر دیا تھا ۔ وہ جانتی تھی کہ اسے روتا دیکھ کر وہ ضرور اس کے قریب آئے گا ۔ اسے چپ کرائے گا ۔ اس کے آنسو پونچھے گا ۔ اس کی روح کے اندر جو ناسور پھوٹ پڑا تھا، ضرور اس پر مرہم رکھے گا ۔ آج وہ ہر حربہ استعمال کرنا چاہتی تھی ۔

اور جگدیش سوچ رہا تھا کہ اس گتھی کو کیسے سلجھائے؟ اس مسئلے کو کیسے حل کرے؟ کیا وہ ہیرا کو چھوڑ دے؟ ہیرا کو چھوڑنا اس کے لئے ناممکن تھا ۔ وہ جانتا تھی کہ اس سے پہلے نوکری حاصل کرنے کے لئے وہ کتنے ہاتھ پیر مار چکا تھا لیکن اسے نوکری کہیں نہ ملی تھی ۔ اگر اس نے ہیرا کو چھوڑ دیا یا ہیرا نے اسے چھوڑ دیا جس کی دھمکی آج اس نے دیدی تھی تو وہ بھوکا مر جائے گا ۔ صرف وہ ہی

نہیں بلکہ اس کی ماں بھی اور اس کی بہن مُنّی بھی۔ وہ کیا کرے؟ وہ کونسی زندگی اپنائے؟ اس نے ہیرا کی جانب دیکھا جو متواتر سسکیاں لے رہی تھی۔ وہ اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ ہیرا یہی چاہتی تھی۔ پہلے ہیرا نے حیل وحجت کی۔ اس سے دور رہنے کی کوشش کی۔ جگدیش نے بات کرنے کی کوشش کی تو اس نے منہ پھیر لیا۔ اس نے بالوں پر ہاتھ پھیرنے کی کوشش کی تو اس نے جگدیش کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اس نے بوسہ لینا چاہا تو ہیرا نے لبوں کو بھینچ لیا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا ــ ہیرا نے اسے دیکھ لیا اور تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ــ اور پھر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اور اس کے سینے کے ساتھ چمٹ کر کہنے لگی ــ " تم۔ تم۔ کھاؤ میری قسم ــ کہ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے ــ کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤ گے ــ تم میرے ساتھ رہو گے ــ صرف میرے ساتھ ــ اس کو چھوڑ دو گے۔ تم رات بھر یہیں رہو گے۔ میں تمھیں نہیں جانے دوں گی۔ بالکل نہیں جانے دوں گی۔ آج کی رات .... آج کی رات ...."

وہ چپکے سے سُنتا رہا، کسی کی سسکیاں، کسی کے دل کی دھڑکن، کسی کے دل کی صدائیں ــ یہ کیسی رات ہے۔ یہ کیسی عورت ہے ــ وہ چپکے سے سُنتا رہا۔ رات واقعی خاموش تھی۔ رات واقعی اداس تھی ــ کسی نے کہا رات یہیں بسر کر دو، کسی نے کہا کملا تمھارا انتظار کر رہی ہو گی۔ جب تک تم نہیں جاؤ گے وہ کھانا نہیں کھائے گی ــ وہ اکیلی ہے ــ کہیں وہ خودکشی نہ کر لے ــ وہ رات بھر نہیں سوئے گی، کسی نے جواب دیا ــ نہیں تم ہیرا کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ اگر چھوڑ کر چلے گئے تو کیا ہو گا؟ اگر ہیرا نے روپے دینے بند کر دئے اگر یہ دل بھی چھن گیا، تو پھر کیا ہو گا؟ والدہ کو روپے کون بھیجے گا؟ تمھاری بہن کا کیا ہو گا؟ تم مر جاؤ گے، کملا مر جائے گی! منی مر جائے گی!

وہ صوفے سے اُٹھا اور کھڑکی کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ آسمان کالے بادلوں سے گھر گیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بارش شروع ہوجائے گی۔ ایک بار زور کی بجلی کڑکی، ایک لمحہ روشنی کی لکیر دکھائی دی۔ اس کے بعد پھر اندھیرا چھا گیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" ہیرا نے صوفے پر لیٹے لیٹے کہا۔

"یہی کہ رات بہت ہوچکی ہے، میں کل صبح جاؤں گا۔"

اتنے میں زور سے کواڑ اور کھڑکیاں آپس میں ٹکرانے لگے۔ چھجوں پر موسلا دھار بارش کی بوندیں اپنا سر پٹخنے لگیں —— اس نے دوڑ کر کھڑکیوں کو بند کیا اور پھر صوفے پر بیٹھ کر ایک سگرٹ سلگایا —— کھڑکی کے شیشوں پر بارش روتی رہی، ٹھنڈی ہوا آہیں بھرتی رہی اور اندھیرا پہلے سے بہت زیادہ گہرا ہوگیا۔

۳۱

کملا رات بھر جگدیش کا انتظار کرتی رہی۔ کبھی وہ کھڑکی میں بیٹھتی، کبھی پلنگ پر لیٹ جاتی اور سونے کی کوشش کرتی۔ لیکن نیند اس کے قریب نہ پھٹکتی۔ جب جگدیش رات کے بارہ بجے تک نہ آیا تو پہلے تو کملا کو غصہ آیا۔ لیکن اس کے بعد اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے۔ "نہ جانے انہیں کیا ہوگیا —— کوئی حادثہ تو نہیں ہوا —— کہیں موٹر یا کسی گاڑی کے نیچے تو نہیں آگئے؟ کسی غنڈے نے چھرا تو نہیں .... نہیں .... کوئی اور بات تو نہیں ہوگئی۔" غرضیکہ ساری رات اسی طرح کے خطرناک خیالات اور اندیشے ستاتے رہے۔ اس خیال کے زیرِ اثر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا کہ انھیں کچھ ہو نہ گیا ہو، وہ

اس شہر میں اکیلی کیا کرے گی؟ کس کے پاس جائے گی؟ وہ تو نہ واپس گاؤں جا سکتی ہے اور نہ کوئی کام کر سکتی ہے۔ لیکن وہ پھر دل کو ڈھارس دیتی — ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ دل ہی دل میں پرماتما کو یاد کرنے لگتی — اور کہتی کہ پرماتما ایسا نہ کرنا — میں اس دنیا میں بالکل اکیلی ہوں۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میرا کیا بنے گا؟ اس کے ہمسائے سبھی لوگ اس کے لئے اجنبی تھے۔ اتنے عرصے سے رہتے ہوئے بھی وہ کسی سے راہ و رسم پیدا نہ کر سکی تھی۔ اس کے ساتھ والے کمرے میں ایک عیسائی رہتا تھا۔ اس کی ایک بیوی تھی اور ایک ماں اور تین بچے ساس اور بہو میں آپس میں جھگڑا ہوتا رہتا تھا۔ عیسائی ریلوے کے محکمے میں کام کرتا تھا اور بہت ہی شریف تھا۔ صبح ہوتے وہ گھر سے نکل جاتا اور شام کو گھر واپس آتا۔ اس کے کمرے سے اگلے کمرے میں ایک اور عیسائی رہتا تھا جو دن بھر کوئی کام نہ کرتا تھا کیونکہ اس کو وہ ہمیشہ دالان میں کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھتی تھی۔ عیسائی کی عمر ہو گی پچاس سے اوپر۔ اس کا قد لانبا تھا، مونچھیں سفید تھیں — وہ باتیں بہت کم کرتا تھا۔ صرف کرسی پر بیٹھا ہوا، سر پہ ہیٹ رکھے بیڑی پیتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بہن رہتی تھی — نہایت جھگڑالو قسم کی عورت — اس بلڈنگ کا ہر آدمی اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ اگر وہ جھگڑے کی کوشش بھی کرتی تو کم سے کم مرد تو خاموش ہو جاتے، کیونکہ اس کی زبان اتنی تیز چلتی تھی کہ اس کے سامنے ٹھہرنا واقعی ایک طوفان کے سامنے جمنے کے مترادف تھا۔ اس محلے میں پنجابی بہت کم رہتے تھے۔ سب سے نیچے کے فلور پر مراہٹی رہتے تھے۔ ان میں سے کچھ جوتیوں کا بیوپار کرتے تھے۔ کچھ کھلونے بناتے تھے — کچھ فیکٹریوں میں نوکر تھے — اور ایک ایک کمرے میں تیرہ تیرہ چودہ چودہ آدمی رہتے تھے۔

آج کی رات واقعی کملا کے لئے بہت بھاری تھی ۔ یہ درست تھا۔ کہ جگدیش اکثر دیر سے آتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا کبھی نہ کیا تھا کہ تبلائے بغیر رات باہر گذارے ۔ میں گھر میں بالکل اکیلی ہوں ۔ جگدیش کو اس بات کا خیال کرنا چاہیئے، کوئی شخص چپکے سے اندر گھس آئے تو میں کیا کر سکتی ہوں ؟ لیکن کمرے میں کون گھس سکتا ہے، کیسے گھس سکتا ہے؟۔ اس نے کمرے کی طرف نگاہ دوڑائی ۔ دروازہ بند تھا۔ وہ اس وقت تک دروازہ نہ کھولے گی جب تک جگدیش کی آواز نہ پہچان لے گی۔ وہ بستر پر جا لیٹی ۔ اسے احساس نہیں وہ کیا کیا سوچتی رہی، کیا کیا باتیں اس کے ذہن میں چکر کاٹتی رہیں اور کس طرح کروٹیں بدلتی رہی ۔ ہاں جب اس نے چونک کر بستر پر لیٹے لیٹے کھڑکی میں سے جھانکا تو اسے معلوم ہوا ــــ صبح ہو چکی تھی اور سورج کی کرنیں ہرے بھرے درختوں کو نہلا رہی تھیں ۔ ہر طرف روشنی اور سکون کا عالم تھا ۔ لیکن اس کے دل میں ایک طوفان سا برپا تھا ۔ وہ کیا کرے ؟ کہاں جائے ؟ کس کو بتائے ؟ جگدیش ابھی تک نہ آیا تھا۔

اسی وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا ۔

کملا نے دروازہ کھول دیا ۔

جگدیش اندر داخل ہوا ۔ یہی تھا وہ جگدیش جس کے انتظار میں وہ رات بھر نہ سو سکی تھی ۔ اسے دیکھ کر اس کا آدھا غصہ کافور ہو گیا ۔ ہاں جگدیش بالکل ٹھیک تھا ۔ خیریت سے تھا ۔ ہاں اس کی وہی صورت تھی، اس کی وہی آنکھیں تھیں، وہی ناک تھی، وہی آواز تھی، اس کے وہی کپڑے تھے۔ وہ اب کیا کہے اس سے ؟ لیکن پوچھ لینا چاہیئے ۔ اگر ہر رات وہ یونہی غائب ہوتا رہا تو پھر وہ کیا کرے گی ؟ ہاں . . . ہاں، اسے ڈانٹنا چاہیئے ۔ تاکہ وہ

میرا خیال رکھ سکے ...... لیکن رات کچھ کام ہوگا ــ ایک آواز آئی ــ "نہیں جی۔
ایسا بھی کیا کام ہو سکتا ہے کہ انسان رات بھر غائب رہے؟" اس نے دل کڑا کرکے
پوچھ ہی لیا۔

"کہاں رہے رات بھر؟"

"مجھے ایک ضروری کام تھا کملا۔" جگدیش نے بوٹ اتارتے ہوئے کہا۔

"اتنا بھی کیا کام تھا، کہ رات بھر نہ آ سکے؟"

"روزی کا سوال تھا۔" شاید اس نے ٹھیک کہا تھا۔

"لیکن رات بھر کیا کرتے رہے؟"

"ایک آدمی سے بحث کرتا رہا۔ بہرحال نوکری کا سوال ہے کملا ـ آجکل
نوکری ملتی نہیں۔ اگر یہ نوکری بھی ہاتھ سے نکل گئی تو زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔"

"تو تم دوسری جگہ نوکری کر لینا۔"

جگدیش کملا کی طرف دیکھنے لگا۔ کتنی معصومیت سے کملا نے ان لفظوں کو
ادا کیا تھا ــ "دوسری جگہ نوکری کر لینا۔" کاش اسے معلوم ہوتا کہ یہ جگہ اسے
کیسے ملی ہے اور اسے کیا کچھ کرنا پڑا۔ شاید کملا کو بیکاری کے متعلق کچھ علم
نہ تھا۔ شاید اسے یہ معلوم نہ تھا کہ ہزاروں لاکھوں پڑھے لکھے لوگ آجکل
بیکار گھومتے ہیں۔ ایک ایک روپے کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں، لیکن
کوئی ان کی طرف نظر اٹھا کے نہیں دیکھتا۔

"کیا ہر روز اسی طرح جایا کرو گے اور باہر رہا کرو گے؟"

"ہر روز نہیں۔ لیکن جس دن کام ہوگا جانا پڑے گا اور جس دن رات کو
شوٹنگ ہوگی اس رات بھی باہر رہنا پڑے گا۔"

"کیا رات تم شوٹنگ پہ گئے تھے؟"

"میں نے کب کہا کہ میں شوٹنگ پر گیا تھا۔" اس نے میز پر ٹانگیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"پر جانے سے پہلے بتا تو جاتے کہ رات بھر نہیں آؤ گے۔"

"تم تو وکیلوں کی طرح بحث کر رہی ہو۔"

"میں بحث نہیں کر رہی، بلکہ اصلی بات پوچھنا چاہتی ہوں۔" کملا نے یہ الفاظ رکتے رکتے کہہ ہی دئے۔

'اصل بات' اس نے دل میں سوچا۔ کیا وہ اصلی بات بتا دے؟ کیا وہ سچائی جس پر اس نے پردہ ڈالا ہوا تھا بے نقاب کر دے تاکہ کملا کو معلوم ہو جائے کہ سچائی کسے کہتے ہیں، اصلی بات کیا ہوتی ہے؟ — کیا کملا میں اتنی قوتِ برداشت ہے کہ وہ اصل حالات کا مقابلہ کر سکے؟ کیا اس میں اتنی طاقت ہے کہ وہ ہیرا کا مکروہ چہرہ دیکھ سکے؟ کیا کملا اس بات کو سہ سکے گی کہ اس کا جگدیش ایک غیر عورت کے ساتھ سوتا ہے؟ جگدیش کو اچھی طرح معلوم تھا کہ کملا کا ذہن ان باتوں کو برداشت نہ کر سکے گا۔ اصل بات بہت ہی کڑوی ہوتی ہے۔ اصل بات کو وہ اپنے دل کے نہاں خانے ہی میں چھپا کر رکھے گا۔ وہ کملا کو ان باتوں کے متعلق کوئی اطلاع نہ دے گا۔ ان مسائل پر وہ خود غور کرے گا — شاید کوئی حل نکل آئے، کوئی کنارا مل جائے۔

اس لئے جگدیش نے کملا کے سوال کا جواب نہ دیا اور کملا نے سوچا کہ وہ ضرورت سے زیادہ خفا ہو رہی ہے۔ اسے اتنا غصہ نہیں آنا چاہیئے — چھوٹی سی بات تھی کہ اس کا جگدیش رات بھر گھر نہ آیا تھا کیونکہ رات بھر اسے کام تھا اور کام تو مردوں کو اکثر ہوتے ہیں — یہ کونسی بڑی بات تھی — نہایت ہی معمولی سی بات تھی۔ اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ اس کا جگدیش گھر

آگیا تھا، وہ بالکل تندرست تھا، اس کے چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی، اس کا ماتھا اسی طرح فراخ تھا، اس کی آنکھوں میں وہی چمک تھی.... نہیں.... نہیں ـــ وہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا ـــ یہ جگدیش میرا ہے، صرف میرا ہے۔ اور نہ جانے اس کی آنکھوں میں کیوں آنسو چھلک آئے تھے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ جگدیش کو اپنے دھڑکتے ہوئے سینے سے زور سے لپٹا لے۔ لیکن شرم و حیا سے وہ سمٹ گئی۔ اور یہی کہہ سکی۔ "میں رات بھر انتظار کرتی رہی"

یہ کہہ کر وہ چائے بنانے لگی۔

اسٹوو سلگ رہا تھا، اور چائے کا پانی گرم ہو رہا تھا، اور کملا اسٹوو کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اور خوش تھی کہ اس کا جگدیش اس کے کمرے میں تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے جگدیش سے ضرورت سے زیادہ پوچھ تاچھ کی تھی۔ بھلا اتنے سوال کرنے کا اسے کیا حق تھا؟.... اس نے یہی سوچتے سوچتے چائے کا ایک پیالہ تیار کیا۔ اور جگدیش کو پیالہ دیتے ہوئے کہا۔ "ایسا کام کیوں نہیں کرتے جس میں رات بھر نہ جاگنا پڑے؟"

"تمھارا مطلب یہ ہے کہ میں اس لائن کو چھوڑ دوں۔"

"اگر مناسب سمجھو۔ تو.... کیا اور کہیں کام نہیں مل سکتا؟" کملا نے اس کی طرف پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس سے پہلے بہت کوشش کر چکا ہوں ـــ ویسے یہ کام بھی برا نہیں کملا۔ کام کم ہے، تنخواہ زیادہ ہے۔"

"رات بھر جاگنا تو پڑتا ہے نا ـــ کہیں تمھاری آنکھیں نہ خراب ہو جائیں مجھے اس بات کا ڈر لگا رہتا ہے۔" اس نے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

'اب کیا کہے، کیا جواب دے'۔

"مجھے نیند آرہی ہے" جگدیش نے بستر پہ لیٹتے ہوئے کہا۔

جگدیش بستر پہ لیٹ گیا۔ ایک بات جو کملا نے ابھی کہی تھی کہ کہیں اور کام کرلو، جگدیش کے ذہن میں اٹک گئی تھی ــــ ہاں اگر کہیں اور کام مل جائے تو وہ اس نوکری کو چھوڑ دے گا۔ وہ ہیرا کو چھوڑ دے گا۔ رات ہیرا نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اسے کملا کو چھوڑنا پڑے گا۔ آخر کب تک ہیرا کملا کی موجودگی کو برداشت کر سکے گی۔ ہوسکتا ہے وہ کسی بھی دن یہاں آن دھمکے اور سارا بنا بنایا کھیل بگاڑ دے ــــ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہیرا اسے روپے دینا بند کر دے بہتر یہی ہے کہ وہ اور کہیں نوکری کر لے ــــ پھر اس کی زندگی نہایت آرام اور چین سے گذر سکے گی۔ اس کے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوجائے گا۔ وہ دونوں اس سے بھی چھوٹے سے کمرے میں گذر کر سکیں گے، اس سے بھی کم خرچ کریں گے۔' اس پہ غنودگی طاری ہوتی جارہی تھی۔ جلتے ہوئے اسٹوو کی سنسناہٹ اس غنودگی کو اور بوجھل بنا رہی تھی۔ اس سے پہلے باہر بچے شور مچا رہے تھے۔ لیکن اب مکمل خاموشی تھی کیونکہ کملا ابھی باہر گئی تھی اور بچوں کو ڈانٹ کر آئی تھی کہ وہ شور نہ مچائیں ــــ نیچے، کسی ٹیکسی ڈرائیور نے زور سے ہارن دیا تھا اور کملا چونک کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی تھی تاکہ ٹیکسی والا دوبارہ اتنے زور سے ہارن نہ دے۔ کملا کا بس چلتا تو اس وقت وہ سب آوازیں بند کرا دیتی کیونکہ اس کا جگدیش سو رہا تھا آرام کر رہا تھا ــ اب جگدیش سونے لگا تھا۔ ایک ہلکی سی نرمی اس کے ذہن میں پھیل رہی تھی ــ چاہت اور پیار کی نرمی اس کے گرد ایک حالہ سا بنا رہی تھی ــ وہ سو رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا اور سو رہا تھا۔ اور گہری نیند میں جانے سے پہلے اس نے ایک ہلکا سا دباؤ اپنے ہونٹوں پر محسوس کیا۔ ایک ہلکا سا نرم دباؤ اور رخساروں پہ

ایک گرم سا اور نرم سا سانس اور اس کے بعد احساس مکمل ہو گیا۔ وہ سو گیا۔

۳۲

اسی دن شام کو جگدیش نرائن سے ملنے چلا گیا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر اسے مل میں یا کہیں اور کام مل گیا تو اس قسم کی زندگی کو خیرباد کہہ دے گا۔ اسے معلوم تھا کہ نوکری کا ملنا آسان نہ تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی وہ قسمت آزمائی کر چکا تھا۔ لیکن دوبارہ قسمت آزمائی میں حرج ہی کیا ہے۔ یہ سوچ کر وہ نرائن سے ملنے کے لئے چل پڑا تھا۔

جب وہ نرائن کے کمرے میں داخل ہوا تو نرائن کھانا پکا رہا تھا۔

"آج کیسے ٹپک پڑے۔" نرائن اسے دیکھتے ہی بولا۔

"تم بھی کبھی نہیں آئے؟"

"اگر تم بلاتے تو ضرور آتا۔"

"بلانے کی کیا بات تھی؟ تم میرا کمرہ جانتے ہو، وہاں کبھی آ سکتے تھے۔"

"سچی بات تو یہ ہے جگدیش کہ میں نے تمھیں ایک دو بار کاریں سے اترتے دیکھا اور تمہارے ساتھ ایک حسین ایکٹرس بھی تھی۔ اس کے بعد ہمّت نہ ہوئی کہ تم سے مل سکوں۔ اور پھر تم ٹھیرے ہیرو، اور میں ان لوگوں سے دور ہی رہتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے دیگچی کا ڈھکن اٹھایا اور دیگچی میں نمک اور مسالہ ڈالا۔

کمرے کے ایک کونے میں ایک اور انسان چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا جس کی طرف نرائن نے اشارہ کیا۔ "بھئی ان سے ملو۔ یہ ہیں ساتھی بھوشن

بمبئی میں نئے نئے آئے ہیں ــ اور آپ ہیں جگدیش!"

بھوشن اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس نے اخبار کو سمیٹ لیا اور اپنے پیلے چہرے پر ایک مسکراہٹ لانے کی پوری کوشش کی۔ اور پھر سر کھجلانے لگا اور کھجلاتے کھجلاتے کہنے لگا ــ "جگدیش صاحب! بمبئی میں تو ایک عرصہ سے ہوں! لیکن اس کمرے میں ذرا نیا ہوں۔"

جگدیش نے ایک لمحے کے لیئے بھوشن کا جائزہ لیا۔ بھوشن کی ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی، سر کے بال بکھرے ہوئے تھے اور قمیض کا داہنا بازو پھٹا ہوا تھا۔ جونہی، جگدیش کی نگاہ اس پھٹی ہوئی جگہ پر پڑی، بھوشن نے اس جگہ کو چھپانے کی کوشش کی۔

جگدیش نے نرائن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ایک کام کے لیئے تمھارے پاس آیا ہوں۔"

"کام؟ ہاں بھئی ضرور بتاؤ۔"

"نوکری چاہیئے"۔ جگدیش نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"نوکری"ــــ نرائن ایک لمحہ کے لئے حیرت زدہ ہو گیا ــ اور پھر بولا ــ "کام اور تمھیں؟ مذاق نہ کرو ــ اور تم تو خود ہی جانتے ہو کہ آجکل نوکری کہیں نہیں ملتی ــ اخبار تو پڑھتے ہو گے ــ ملیں بند ہو رہی ہیں اور ان میں چھٹنی ہو رہی ہے ــ مزدور نکالے جا رہے ہیں اور سٹاف کم کیا جا رہا ہے ــ ان حالات میں نوکری مانگنا ایک جرم سے کم نہیں۔"

"مجھے کوئی بڑی نوکری نہیں چاہیئے ــــ بس ڈیڑھ سو دو سو کی نوکری میں اپنا گذارہ ہو جائے گا۔"

"کیا اس ایکٹرس سے لڑائی جھگڑا ہو گیا؟" نرائن نے ذرا مسکرا کر کہا۔

جگدیش نے کوئی جواب نہ دیا۔
معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے نرائن کہنے لگا۔ "گو مجھے تمہارے پرائیویٹ معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں، لیکن ذرا دلچسپی بڑھ جائے گی۔ اگر بات معلوم ہو جائے (ایک لمحہ رک کر) خیر جانے دو ــــــــــــــــــــــــــــــــ

ــــ تو نوکری، بھائی صاحب؟ جس مل میں میں کام کرتا ہوں وہاں بھی چھٹنی ہو رہی ہے۔ کافی تعداد میں مزدور نکالے جا رہے ہیں۔ حالات کو دیکھتے ہوئے یہی مشورہ دوں گا کہ جہاں اٹکے ہوئے ہو وہیں اٹکے رہو، باہر نکلو گے تو بھوکے مر جاؤ گے۔ بھوشن کی حالت دیکھ لو۔"
"ارے کچھ جل رہا ہے۔" جگدیش نے نرائن کی طرف دیکھ کر کہا۔
نرائن نے دیگچی کو نیچے اتار دیا اور پھر کہنے لگا۔ "ہماری سرکار نے نوکری دلانے کے لئے ایک محکمہ کھولا ہوا ہے، وہاں درخواست کیوں نہیں دیتے؟ پڑھے لکھے نوجوان ہو، کوئی نہ کوئی کام مل جائے گا۔"
"جگدیش صاحب! وہاں درخواست دینے سے کوئی فائدہ نہیں۔" بھوشن نے جگدیش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھئے اس محکمے کا کارڈ۔ عرصہ چھ ماہ سے اسے جیب میں رکھے ہوئے گھوم رہا ہوں۔ نوکری کا دُور دُور تک نشان نہیں ملتا۔ ہاں ایک کام مل گیا ہے اور وہ یہ کہ ہر دو ماہ کے بعد اس کارڈ کو بدلوانا پڑتا ہے ــ ایک لمبے کیو میں کھڑا ہونا پڑتا ہے ــ اور وہ بھی چلچلاتی دھوپ میں تاکہ کام ملنے سے پہلے ہی انسان کی زبان اور آنکھیں بھوک اور دھوپ سے باہر نکل پڑیں۔ یہ کام حکومت نے مجھے بخش دیا ہے۔ اگر آپ بھی یہی کام کرنا چاہتے ہیں تو ضرور قسمت آزمائی کیجئے گا ــ آپ کی اطلاع کے لئے عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ بندہ بھی ان پڑھ نہیں ہے۔ بی اے کی ڈگری جیب

میں رکھی ہوئی ہے۔ (جیب سے کاغذ نکال کر) "یہ دیکھئے"۔

"ارے یار رہنے دو نا۔ انہیں کیوں دکھاتے ہو"۔ نرائن نے ذرا ہنس کر کہا۔

"مجھے کام کی سخت ضرورت ہے، نرائن! تم شاید میرے حالات نہیں جانتے"۔ جگدیش نے لفظ "ضرورت" پر زیادہ زور دیتے ہوئے کہا۔

"کام کی ضرورت کس کو نہیں ہے! تمہارے پاس تو کام نہیں ہے، یہاں تو ان لوگوں کو بھی کام کی فکر ہے جو کام پر لگے ہیں۔ آج کل تو یہ حالت ہے کہ خود ہمیں نہیں معلوم کس دن بیکار ہو جائیں"۔

"کیوں، تمہاری تو ایک یونین ہے!"

"ہاں ہے۔ لیکن خالی یونین بنانے سے کام نہیں چلتا ــــ اس کے لئے لڑنا پڑتا ہے ــــ ہم لڑ رہے ہیں ــــ اپنے لال جھنڈے کے تلے ــــ لال باوٹا کو تو جانتے ہو نا؟"

"نام سنا ہے، اس کے متعلق زیادہ نہیں جانتا"۔ جگدیش نے لال باوٹا کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"یہ مزدوروں کا جھنڈا ہے! یہ ہمارا جھنڈا ہے"۔ اور یہ کہتے ہوئے نرائن کی آنکھوں میں ایک چمک نظر آئی۔ یہ چمک بالکل اس چمک کی طرح کی تھی، جو جگدیش کو دیکھ کر کملا کی آنکھوں میں کوند جاتی تھی۔ بالکل وہی بیقراری، وہی بیتابی اس وقت جگدیش نے نرائن کی آنکھوں میں اور اس کے چہرے پر دیکھی۔

"شاید میں بھی نکالا جاؤں"۔

"لیکن کیوں؟"

"اس لئے کہ میں اس یونین کا سرگرم رکن ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ

مزدوروں کو کیوں نکالتے ہو، اعلیٰ سٹاف کو کیوں نہیں نکالتے؟ اپنا منافع کم کیوں نہیں کرتے؟ اتنی کاریں کیوں رکھی ہوئی ہیں؟ اپنے بیٹوں کو پیرس اور انگلینڈ کیوں بھیجتے ہو؟ شرابیں کیوں پیتے ہو؟ لیکن ہماری بات کون مانتا ہے۔"

"نکالے جانے کے بعد کیا کروگے؟"

"پہلے تو یہ کوشش کروں گا کہ ہم میں سے کوئی نہ نکالا جائے، اور اگر میں نکالا گیا تو پھر لال باڑا میں کام کروں گا۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"کھانا تو مل جائے گا۔ نیپسے میں گھر میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھوں گا۔ اگر اس مل میں نوکری نہیں ملی تو کسی اور جگہ کام تلاش کرونگا۔ پھر بھی نوکری نہ ملی تو قلی کا کام کروں گا۔"

"کئی بار قلی کا کام بھی نہیں ملتا۔ میں یہ کام کر کے دیکھ چکا ہوں۔" بھوشن نے زبان کو ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہار ماننے سے کچھ نہیں ہوتا۔ زندگی نے بہت کچھ سکھا رکھا ہے۔ ایک بات جو ذہن میں سما چکی ہے وہ یہ ہے کہ ہار کبھی نہ مانو۔ پہلے میں یہ سمجھتا تھا کہ امیر اور غریب پرماتما کے بنائے ہوئے ہیں، پر اب نہیں سمجھتا۔ پہلے میں یہ سمجھتا تھا کہ مل کے مالک بڑے عقلمند ہوتے ہیں، اب یہ نہیں سمجھتا۔ ہمارے مل میں کئی مزدور ہیں جو عقلمند ہیں، ذہین ہیں، قابل ہیں، لیکن انھیں کوئی نہیں پوچھتا — خیر تم یہ باتیں چھوڑو، اس ایکٹرس کی بات بتاؤ؟ اس کے ساتھ کیسے نبھ رہی ہے؟"

"میں تم سے ایکٹرس کی بات کرنے نہیں آیا، اپنی بات کرنے آیا تھا۔ لیکن اب جی چاہتا ہے، اپنی کچھ نہ کہوں تمھاری باتیں سنتا رہوں۔"

"صرف باتیں ہی باتیں ہیں جگدیش صاحب! کچھ نہیں۔ مجھے تو کسی چیز پر وشواش نہیں رہا۔" بھوشن نے دیوار کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔

"اپنی یہ بات نہیں۔ اپنے کو لال جھنڈے پر یقین ہے۔ اور صرف یقین ہی نہیں اس کے لئے کام بھی کرتا ہوں۔"

"یہ یقین کیسے آیا؟"

"کام کر کے، باتوں کو تھوڑا بہت سمجھ کر۔ اور یقین کے بغیر آدمی کچھ نہیں کر سکتا ہے۔"

"اندھا یقین ہے یا عقل پر زور ڈال کر یقین کیا ہے؟" جگدیش نے اس یقین کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کی۔

"اندھا وشواش نہیں ہے ۔۔ میں خود کام کرتا ہوں، میرے ساتھی بھی کام کرتے ہیں۔"

"لیکن ابھی تک کوئی خاص کامیابی تو نصیب ہوئی نہیں۔" بھوشن نے اخبار کا ورق الٹتے ہوئے کہا۔

"اس کی کوئی پرواہ نہیں ـــــ ذرا بیڑی دینا، کیونکہ میں صرف اپنی کامیابی کے لئے نہیں لڑتا۔ سب کی کامیابی کے لئے لڑتا ہوں، اور سب میری کامیابی کے لئے لڑتے ہیں ـــــ لو بیڑی پیو۔"

جگدیش نے سر ہلا دیا۔

"کھانا کھا کر جانا۔ ذرا چپاتی پکا لوں۔"

"کھانا نہیں کھاؤں گا ـــ" جگدیش نے نرائن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ـــ نرائن آٹا گوندھنے لگا۔ نرائن کی زندگی اس کی زندگی سے کتنی مختلف تھی۔ اس نے کمرے کو پھر دیکھا، جہاں اس سے پہلے وہ رہ چکا تھا۔ اس

میں کوئی خاص تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ ایک کونے میں نرائن کا بستر تھا۔ وہی میلی سی دری، ٹین کا ٹرنک، ایک کونے میں دو تھالیاں ایک گلاس، ٹین کے تین چار ڈبے اور ایک مٹی کا گھڑا۔ دروازے پر ایک میلا سا تولیہ لٹک رہا تھا۔ یہی تھی نرائن کی جائداد۔ اس کی عمر بھر کی کمائی۔ لیکن اس کے باوجود نرائن خوش تھا۔ کیا نرائن واقعی خوش تھا؟ وہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ اس خوشی کے اندر تلخی نہ تھی۔ اس کے یقین میں زہر نہ تھا۔ کیا نرائن یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا اپنا الگ کمرہ ہو؟ ایک معقول آمدنی ہو، ایک بیوی، دو بچے اور صاف ستھرا صحن ہو؟ کمرے کی دیواریں گندی نہ ہوں۔ اس گندے اور میلے تولیے کے بجائے ایک صاف ستھرا تولیہ لٹک رہا ہو۔ لیکن یہ چیزیں کیسے اور کیونکر حاصل کی جائیں؟ اگر حاصل نہ ہوں تو کیا کیا جائے؟ یقیناً اس کا کوئی راستہ ہونا چاہیئے۔ ضرور کوئی راستہ ہوگا! لیکن اسے اس سے کیا تعلق؟ اس کے پاس تو ہیرا ہے۔ اس کے پاس تو سب کچھ ہے بلکہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ لیکن ہیرا کو ان چیزوں کو، کیسے رکھا جائے؟ یہ چیزیں کہیں چھن نہ جائیں۔ جگدیش یہ سوچ ہی رہا تھا کہ نرائن نے آٹا گوندھ کر رکھ دیا۔

"کمرے کی طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟ کیا یہ کمرہ تمھیں پسند نہیں؟"

"میں اس کمرے میں رہ چکا ہوں! نارائن۔"

"اس کمرے میں دوبارہ آنا چاہتے ہو؟" نارائن نے بیڑی کا کش لگاتے ہوئے کہا۔

اس نے سر ہلا دیا۔ اور پھر کہا۔ "مجھے اس کمرے سے نفرت نہیں ہے، نارائن، بلکہ حیرت اس بات کی ہے کہ تم دس سال سے اس کمرے میں رہ رہے ہو اور پھر بھی تمھیں اس کمرے سے نفرت نہیں ہوئی۔"

"مجھے اس کمرے سے نفرت نہیں ہے جگدیش بلکہ ان چیزوں سے
نفرت ہے جو اس کمرے کو جنم دیتی ہیں۔ یہ کمرہ صرف یہاں نہیں ہے۔ یہ بمبئی
کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ بمبئی کا بہت بڑا
ناسور ہے۔ بمبئی ہی کا نہیں بلکہ سارے ہندوستان کا۔ اسے ٹھیک کرنا ہوگا"
یہ کہہ نرائن نے زور کا کش لیا اور پھر کھانسنے لگا۔ بھوشن نے نرائن کی طرف دیکھا
ایک لمحہ کے لئے بھوشن کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ لیکن یہ چمک ایک لمحہ کے لئے آئی
اور پھر غائب ہوگئی۔ کیونکہ نارائن ابھی تک کھانس رہا تھا۔

بھوشن اپنی جگہ سے اٹھا اور اسٹوو کے قریب بیٹھ گیا۔" چپاتیاں میں
پکاؤں گا۔ تم ذرا آرام کر لو۔"

جگدیش اُٹھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ کمرے کی فضا کچھ بوجھل سی ہوگئی تھی۔
نرائن نے جگدیش کی طرف دیکھا۔ اب نرائن کی کھانسی بند ہوگئی تھی۔ نارائن سمجھ
گیا تھا کہ جگدیش جانا چاہتا ہے۔

"دیکھو، کھانا بالکل تیار ہے، تھوڑا سا کھا لو۔"

"اس وقت بھوک نہیں۔" اس نے نارائن کی روکھی سوکھی چپاتیوں کو دیکھ
کر کہا۔ اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

نرائن کے کمرے سے نکل کر وہ بازار میں آگیا۔ یہاں خوب گہما گہمی تھی
کمرے کی فضا کا بوجھل احساس یہاں آکر ایک حد تک ختم ہوگیا۔ لیکن جگدیش کے
ذہن سے یہ احساس دور نہ ہو سکا کہ نرائن کی اپنی شخصیت تھی۔ اس نے محسوس
کیا کہ باقی لوگوں سے وہ واقعی بہت مختلف ہے۔ اس کی باتوں میں ایک سچائی
ہے ایک خلوص ہے۔ گو وہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے، لیکن جو کچھ وہ کہتا ہے،
اس میں حقیقت کا پرتو ہے۔ اسے کام سے کتنی لگن ہے اور پھر اسے اپنے

آپ پر کتنا وشواش ہے۔ وہ واقعی باقی لوگوں سے مختلف ہے۔ گو وہ غریب ہے، ایک گندے سے چال میں رہتا ہے، لیکن اس نے اس غربت، اور گندے چال کو قبول نہیں کیا ہے۔ وہ اس سے باہر نکلنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کے نکلنے کا طریقہ جگدیش کے طریقے سے مختلف ہے ــــ مختلف ہے اور بہتر ہے ــــ اسے نرائن پسند ہے ــــ لیکن ان باتوں سے جگدیش کا مسئلہ حل نہ ہوا۔ وہ پہلے سے زیادہ غمگین اور متفکر ہو گیا ــــ اس نے مغرب کی جانب دیکھا۔ کالے سیاہ بادل آسمان پر چھا گئے تھے ــــ "طوفان آئے گا"۔ اس نے سوچا۔ "کیونکہ ہوا تیز و تند ہو گئی ہے"ــــ

۳۳

جوں جوں دن گذرتے جا رہے تھے، جگدیش کے ذہن میں کش مکش بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے نرائن سے مل کے دیکھ لیا۔ حالات وہاں بھی ابتر تھے۔ دفتروں میں نوکری کا ملنا اور بھی مشکل تھا۔ وہ کوئی تجارت نہ کر سکتا تھا، کیونکہ تجارت کے لئے روپیہ درکار تھا۔ وہ سیلزمین نہ بن سکتا تھا کیونکہ اس کے لئے انسان کو باتونی ہونا چاہیئے۔ ان باتوں کے علاوہ اس کے ذہن کو تسکین نہ تھی کیونکہ اس کی حالت بیڈمنٹن کی چڑیا کی طرح تھی جسے دونوں اطراف سے مار پڑتی ہے ــــ اگر وہ ہیرا کے پاس جاتا تو وہ ہمیشہ اس بات پر زور دیتی کہ وہ کملا کو جلد از جلد اپنے کمرے سے نکال دے ــــ اور جب کملا کے پاس جاتا تو وہ اس کے دیر سے آنے کی شکایت کرتی۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ

ہیرا کو کملا کے بارے میں اصلی باتیں بتانے کیونکہ اسے ڈر تھا کہ اسی بات پر اگلے مہینے اسٹوڈیو میں اپنی نوکری سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے۔ اسی طرح وہ کملا کو بھی یہ نہ بتا سکتا تھا کہ اس کمرے سے باہر بھی ایک عورت ہے جس سے اس نے زندگی کے عہد و پیمان کئے ہیں۔ لیکن وہ کس طرح کہہ دیتا؟ اسے معلوم تھا کملا اسے نہ سمجھ سکے گی۔ وہ نہ سمجھ سکے گی کہ روپے کمانا آسان بات نہیں ہے، محبت کرنا آسان بات ہے۔ بچے پیدا کرنا آسان بات ہے۔ خدمت کرنا آسان بات ہے۔ کھانا پکانا، کپڑے دھونا آسان بات ہے۔ کسی کا انتظار کرنا آسان بات ہے۔ رات بھر جاگنا آسان بات ہے۔ آہیں بھرنا، گریہ و زاری کرنا آسان بات ہے۔ لیکن روپیہ کمانا بہت ہی مشکل ہے۔ کملا کو کیا معلوم تھا کہ وہ کن مشکلات کا سامنا کر رہا تھا۔ کیا وہ اسے سمجھنے کی کوشش کرے گی؟ کیا وہ اس کی مدد کر سکے گی؟ نہیں ــ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے یہ باتیں کملا سے کہہ دیں تو اس کی زندگی اور اجیرن ہو جائے گی۔

وقت گزر رہا تھا مسئلہ پیچیدہ تر ہوتا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی جگدیش کملا کے اندر ایک تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ جیسے جیسے کملا کو اس کے پاس رہتے ہوئے زیادہ دن ہوتے جا رہے تھے، گھر میں اس کا اختیار بڑھتا جا رہا تھا اور وہ مطمئن ہوتی جا رہی تھی، اس کے مزاج میں ایک نمایاں تبدیلی آتی جا رہی تھی۔ پہلے کملا کے مزاج میں انکساری کا پہلو زیادہ نمایاں تھا ــ وہ ہر بات مان جاتی تھی ــ اسے جگدیش پر پورا وشواش تھا۔ لیکن اب وہ ہر بات کے بارے میں پوچھ تاچھ کرنے لگی تھی۔ اس سے ہر روز یہ پوچھا جاتا تھا "تم دیر سے کیوں آئے؟ کھانا کیوں کھا کر آئے؟ کہاں شوٹنگ کرتے رہے؟ کس سے باتیں کرتے رہے؟" طرح طرح کے طعنے، شکوے، شکایتیں

اور دن میں ایک دو بار روٹھ جانا اور پھر منایا جانا۔ لیکن دھیرے دھیرے ان باتوں نے جھگڑے کا روپ دھارن کرنا شروع کر دیا۔ معمولی سی بات بڑھ کر دونوں میں جھگڑے کا باعث بن جاتی اور کچھ ہی دنوں میں یہ جھگڑے روز ہونے لگے۔ جگدیش ان جھگڑوں سے تنگ سا آگیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ جھگڑے نہ ہوا کریں۔ اس سے زندگی زیادہ خوش گوار ہو جائے گی اور اگر خوشگوار نہ ہو سکے تو کم سے کم قابلِ برداشت ضرور ہو جائے گی۔ لیکن یہ جھگڑا صرف کملا تک محدود نہ تھا۔ جب وہ ہیرا کے پاس جاتا تو وہ بھی ایسی باتیں کہہ دیتی کہ جی جل کر رہ جاتا۔ ایک دن تو ہیرا نے اسے صاف صاف کہہ دیا۔ "تمھیں میری بات ماننا ہوگی۔ اگر تم میری بات نہ مانوگے تو بُرا ہوگا۔ میں اتنے دن خاموش رہی لیکن اب خاموش نہیں رہوں گی — تم اس لڑکی کو نکال دو — اور ہاں — اگر تم نے اسے اپنے گھر سے نہ نکالا تو اگلی فلم میں تم ہیرو نہ بن سکو گے۔ اور اس کا یہ مطلب ہے کہ اگلے مہینے سے تنخواہ ملنا بند ہو جائے گی، سمجھے!"

چونک کر جگدیش نے ہیرا کی طرف دیکھا۔ کہیں بھی نرمی کا نشان نہیں تھا۔ آنکھیں اب بے رحم ہو چکی تھیں۔ ہونٹ ایک دوسرے سے بھنچے ہوئے تھے اور چہرہ سخت اور روکھا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ صوفہ سیٹ پر بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا۔ "یہ کس قسم کی محبت ہے، جو دوسروں کے رشتوں کو پہچان نہیں سکتی؟ یہ کس قسم کی محبت ہے جو صرف اپنا ہی خیال کرتی ہے؟ کیا وہ اس وقت ہیرا کو چوم لے؟ کیا وہ اس وقت ہیرا کو اپنے بازوؤں میں لے لے؟ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھے؟ اس سے التجا کرے؟ اس کو سمجھائے؟ کیا انسان کے جینے کا واحد طریقہ یہی ہے جو

ہیرا استعمال کر رہی ہے؟ کیا اور کوئی طریقہ نہیں ہے؟ آخر کب تک وہ ہیرا کے ہاتھوں یوں ذلیل ہوتا رہے گا؟ کب تک ان باتوں کو برداشت کرتا رہے گا؟

وہ کمرے میں ادھر ادھر گھومنے لگا۔ اس کی دماغ کی نسیں تن گئیں۔ ہاتھ پاؤں لرزنے لگے تھے۔ وہ پھر صوفہ سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ ماتھے پر پسینہ آگیا۔ اس نے ہیرا کی طرف دیکھا۔ ہیرا اسی طرح پتھر کی سِل بنی بیٹھی تھی۔ نگاہوں میں وہی سختی اور درشتی تھی۔ ناک کے نتھنے غصّے سے پھڑک رہے تھے۔ ٹھیک ہے، یہاں کوئی نرمی نہیں، سمجھنے کی کوئی کوشش نہیں۔ ہیرا تو ایک ہی طریقہ جانتی ہے۔ وہ روپے کی طاقت ہی جانتی ہے۔ وہ اسے آزما رہی ہے گی۔ کیونکہ اس کے خلاف بھی کبھی اسی طاقت کو آزمایا گیا تھا۔

جگدیش اسی انتظار میں بیٹھا رہا کہ شاید ہیرا کے لبوں پر مسکراہٹ آجائے، ایک نرم سی ہنسی اس کے لبوں پر پھیل جائے، آنکھوں میں ایک لمحہ کے لئے نرمی دوڑ جائے۔ لیکن ہیرا نے ایسا نہ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ شخص اسی طرح قابو میں آئے گا۔ اس کے خلاف اس وقت اسی حربے کو استعمال کرنا چاہیئے۔ اس لئے وہ ایک بے حس دیو کی مانند تنی رہی۔ اس نے آخری بات کہہ دی تھی۔ اپنا آخری فیصلہ سنا دیا تھا۔ اب ملزم کو سزا بھگتنی پڑے گی۔ یہاں اپیل نہیں ہو سکتی۔ یہاں کوئی ہائی کورٹ نہیں، کوئی سپریم کورٹ نہیں، کیونکہ یہ دل کا فیصلہ ہے۔ دل نے کہا تو آپ نے اپنا بنا لیا۔ دل نے کہا تو آپ نے ٹھکرا کے گندی نالی میں پھینک دیا۔ دل نے کہا اسے روپے دو، آپ نے روپے دینا شروع کر دئے۔ دل نے کہا، یہ درست نہیں، اسے کام نہیں ملنا چاہیئے کیونکہ اس کا کسی اور لڑکی کے ساتھ رشتہ ہے۔ آپ نے دھمکی دینا شروع کر دی۔ جگدیش نے سوچا، اگر وہ ہیرا کی

جگہ ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔ وہ اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کرتا کہ اس دنیا میں صرف اپنی ہی خوشی نہیں، دوسروں کی خوشی بھی ہوتی ہے۔ دوسروں کی خوشی کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ لیکن کون سوچتا ہے، کون لحاظ کرتا ہے، کس کو پرواہ ہے؟ ہیرا کے سامنے گڑگڑانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو اس وقت اس پتھر کی مورتی کی طرح ہے جس کے تیور سیکڑوں چڑھاوے چڑھانے پر بھی ڈھیلے نہیں پڑتے۔ کیا اس دیوی کی آنکھوں میں کبھی آنسو نہ آئیں گے؟ کیا خون بھی پتھر کی طرح جم جاتا ہے؟ کیا انسان اپنا ہوتا ہوا اجنبی اور غیر بن جاتا ہے؟ ہیرا نے اس وقت ایسا لبادہ اوڑھ لیا تھا کہ اسے پہچاننا مشکل ہو گیا تھا۔ اگر اس کی زندگی کا دار و مدار ہیرا پر نہ ہوتا، اگر ہیرا صرف عورت ہی ہوتی اور کچھ نہ ہوتی، اگر ہیرا کے پاس اس کے روپوں کی کنجی نہ ہوتی، اتنی طاقت نہ ہوتی تو وہ ہیرا کو کبھی کا چھوڑ کر چلا گیا ہوتا۔ لیکن ہیرا صرف عورت نہ تھی۔ وہ بینک بیلنس تھی۔ ہیرا صرف ایک ایکٹرس نہ تھی، طاقت کا ایک منبع تھی۔ وہ دودھ پلانا بھی جانتی تھی اور دودھ دوہنا بھی اُسے آتا تھا۔ وہ تجارت کے اصولوں سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ مکر اور فریب کے ہتھکنڈوں سے اچھی طرح لیس تھی۔ وہ یہ جانتی تھی کس وقت اس کے لہجے میں نرمی اور انکساری آنا چاہیئے۔ اور کس وقت ایک حکمران کی طرح آواز میں بربریت اور سختی لائے۔

ہیرا سچ مچ ایک عجیب و غریب مجموعہ اضداد تھی۔

اس سے پہلے یہ ہیرا اس نے نہ دیکھی تھی۔ ہیرا جو معصوم تھی، جو نرم تھی، جوان تھی، جس کی آنکھوں میں حیا تھی، زبان میں لطافت تھی، نگاہوں میں گرمی تھی، جسم میں پاکیزگی تھی، جو اس کے ساتھ سوتی تھی، وہ ہیرا اور

تھی۔۔۔ وہ کہیں اور چلی گئی تھی۔ کہیں بہت دور، بہت دور، اس کے وجود کی سب سے نچلی سطحوں میں۔ اور یہ ہیرا اس کے اندر پرانی ہیرا کے درمیان ایک دیوار بن کر کھڑی ہو گئی تھی۔ یہ دیوار نہیں ہٹے گی۔ یہ تو آہنی دیوار ہے فولاد اور لوہے کی دیوار۔ سرمایہ دارانہ نظام انسان کو کیسے فولاد کی طرح سخت بنا دیتا ہے۔ اس کی روح میں کتنا سیسہ بھر دیتا ہے، ہیرا اس کی زندہ مثال تھی۔ ہیرا کے سامنے اسے جھکنا پڑے گا۔ کیونکہ ہیرا اس سے پہلے کئی لوگوں کے سامنے جھک چکی ہے۔ اسی طرح، بالکل اسی طرح، جگدیش کی طرح۔ جب سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی اپنے آپ کو دوسرے کے حوالے کر دینا پڑے تو انسان کہاں جائے؟ کس سمت جائے؟ کیا وہ خودکشی کر لے؟ فٹ پاتھ پر سو جائے بھوکا مر جائے؟ نہیں۔ نہیں۔ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ وہ ہیرا کی طرح کریگا۔ وہ اپنے آپ کو بیچ دے گا۔ وہ جھک جائے گا۔۔ نہیں۔ نہیں۔۔۔۔ وہ جھکے گا نہیں۔ وہ لڑے گا۔ وہ لڑتا لڑتا مر جائے گا۔ وہ انسان ہے۔۔۔۔ وہ اپنی روح کو نہیں بیچے گا، کسی صورت نہیں بیچے گا۔

اور ایک جھٹکے کے ساتھ جگدیش صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے باہر جانے کے لئے قدم اٹھائے۔

"کار لیجا سکتے ہو"۔ پیچھے سے ہیرا کی آواز آئی۔

"مجھے تمھاری کار نہیں چاہیئے۔ میں پیدل چل سکتا ہوں۔" اس نے بڑے تلخ لہجے میں کہا۔ اور وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔ غیر شعوری طور پر اس کے کانوں نے کسی کے قدموں کی آہٹ کو سننا چاہا۔ لیکن آہٹ نہیں آئی، قدموں کی چاپ نہیں سنائی دی۔ ہیرا ابھی تک بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بیٹھی رہے گی، اپنی جگہ سے نہیں ہٹے گی۔

جب جگدیش باہر سڑک پر آیا تو اس کا دماغ بھنّایا ہوا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے دماغ کے سیل (cell) پھٹ پڑیں گے۔ نسیں باہر نکل آئیں گی اور کنپٹیوں کی رگوں سے خون قطرہ قطرہ بہہ نکلے گا اور وہ پاگل ہو جائے گا۔ واقعی پاگل ہو جائے گا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اسے کچھ درخت نظر آئے، کچھ جھاڑیاں اور لمبی سڑک۔ لیکن آہستہ آہستہ کانوں میں سمندر کی لہروں کا شور آنے لگا... یہ شور قریب آ رہا تھا یا دور جا رہا تھا؟ شاید دور جا رہا تھا۔ لہریں نزدیک آ رہی تھیں.... نہیں لہریں دور جا رہی تھیں۔ ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ آوازیں اور لہریں کبھی دور جا رہی تھیں، کبھی پاس آ رہی تھیں.... اس کا ذہن ڈگمگا رہا تھا.... وہ چلا جا رہا تھا۔ اس کے قدم اسے اٹھائے لیے جا رہے تھے اور ہوا فرّاٹے بھرتی ہوئی دائیں بائیں سے گذر رہی تھی۔

۳۴

گھر آ کر بھی اس کی ذہنی حالت میں کوئی خاص تبدیلی نہ آئی۔ کملا نے کچھ ایسے سوالات کئے کہ اس کا دماغ اور بھنّا گیا۔ ہیرا کے رویے کے متعلق اسے پورا یقین ہو گیا تھا کہ وہ اپنی جگہ پر قائم رہے گی۔ ہیرا نے اپنا آخری فیصلہ سنا دیا تھا۔ اب جگدیش کو عمل کرنا تھا۔ لیکن جگدیش کیا کرے؟ وہ بستر پر لیٹ گیا۔ لیکن جلدی ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "کیا وہ کوئی اور کام نہیں کر سکتا۔ کیا وہ چنے نہیں بیچ سکتا؟ شاید نہیں"! اس کے دل نے کہا۔ "کیا وہ موچی نہیں بن سکتا؟ کیا وہ جوتے نہیں گانٹھ سکتا؟ کیا وہ حلوائی کی

دوکان پر بیٹھ کر جلیبیاں نہیں تل سکتا؟ کیا وہ سگرٹ اور پان کی دوکان نہیں کھول سکتا؟ شاید نہیں! کیا وہ کیلے اور موسمبی نہیں بیچ سکتا؟ شاید نہیں! تو پھر وہ کیا کر سکتا ہے؟ شاید وہ یہی کچھ کر سکتا ہے جو کچھ اب کر رہا ہے۔ لیکن اب یہ کام بند ہونے والا تھا۔ کچھ دنوں بعد اسے روپے نہیں ملیں گے آمدنی کا وسیلہ بند ہو جائے گا۔ وہ روپے گھر نہ بھیج سکے گا۔ اس کی ماں بھوکی مر جائے گی۔ اس کی بہن فاقے کرے گی اور اس کے علاوہ اسے خود فاقے کرنے پڑیں گے۔ اور ادھر کملا کی بھی بُری حالت ہو جائے گی۔ وہ کرایہ نہ دے سکے گا۔ دودھ، آٹا، شکر، اور سبزی کے لئے روپے نہ مل سکیں گے! دھوبی کو کون روپے دے گا؟ باہر نکلنے کے لئے بھی روپے چاہئیں۔ اس نے تو ایک روپیہ بھی بچا کر نہ رکھا تھا۔ اب وہ کیا کرے، کہاں سے کما کر لائے؟ کس کے پاس جا کر اپنی قسمت کا رونا روئے؟ کیا وہ کملا کو ساری حالت بتا دے؟ کملا کا خیال آتے ہی اس کا دماغ اور بھنّا گیا۔ وہ بستر سے اُٹھا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس نے کھڑکی میں سے جھانکا۔۔۔ نیچے ایک بھکاری، دبلا پتلا، ہاتھ پھیلائے ہوئے بھیک مانگ رہا تھا۔ اس بھکاری کی پسلیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ جسم پر ایک پھٹی ہوئی قمیض تھی۔ اس کے پیچھے اس کی بیوی تھی اور بیوی کی کمر کے گرد ایک بچہ بندھا ہوا تھا۔ عورت کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، جس کا ایک سرا بھکاری کے ہاتھ میں تھا۔ دونوں بھیک مانگتے ہوئے، گڑگڑاتے ہوئے گلی میں سے گذر رہے تھے۔ ابھی تک کسی نے کچھ نہ دیا تھا۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے کہ اس کا بھی یہی حال ہو جائے۔ جب کام نہیں ملے گا تو انجام یہی ہوگا۔ اسے کمرے سے نکال دیا جائے گا۔ اسے فٹ پاتھ پر سونا پڑے گا اس

کے کپڑے پھٹ جائیں گے، جسم سیاہ ہو جائے گا اور ہڈیاں نکل آئیں گی۔
یہ سوچتے ہی اس کے ذہن میں ہزاروں بھکاریوں کے میلے کچیلے جسم گھوم گئے۔ فٹ پاتھ پر پڑی ہوئی ننگی عورتوں کے جسم اور ننگے کلبلاتے ہوئے بچوں کی صورتیں اس کی نگاہوں کے سامنے سے گزرنے لگیں۔ غریبی اور افلاس کے جو مناظر اس نے دیکھے تھے، اس کی نگاہوں کے سامنے ناچنے لگے ۔۔ اس شیڈ کے تلے جہاں ٹرام ٹھہرتی تھی، بہت سے بھوکے ننگے لوگ پڑے رہتے تھے۔ ایک ننگی عورت وہاں لیٹی رہتی تھی جس کے قریب کچھ لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ کوئی اس کے منہ میں بیڑی ٹھونس دیتا تھا، کوئی روٹی کا ٹکڑا۔ اور وہ وہاں پڑی ہوئی ہنستی رہتی تھی، یا روتی رہتی تھی۔ نہ جانے لوگ وہاں کیوں جمع رہتے تھے؟ کیا پوچھتے تھے؟ اس عورت کے قریب ایک اپاہج بیٹھا رہتا تھا جس کے جسم پر صرف ایک لنگوٹی ہوتی تھی۔ وہ ہر آنے والے راہگیر کو حیرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہتا تھا۔
اسی طرح جگدیش جب صبح کو سیر کرنے جاتا تھا تو چھ بجے کے قریب اسے ایک آدمی پارسی کالونی میں ملتا تھا۔ وہ ہمیشہ ایک دیوار کے سہارے کھڑا رہتا۔ وہ کسی سے کچھ نہ کہتا ۔۔ بس چپ چاپ صرف ایک ہاتھ پھیلائے نگاہیں نیچی کئے وہاں کھڑا رہتا تھا ۔۔ اسے دیکھ کر جگدیش کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات آتے! کیا یہ شخص ہمیشہ یہیں کھڑا رہے گا؟ کیا اسے یہاں کوئی بھیک دیتا ہوگا؟ یہ شخص اتنا خاموش کیوں رہتا ہے بولتا کیوں نہیں؟ اسے کھانا کون دیتا ہے؟ اس کی دیکھ بھال کون کرتا ہے؟ یہ اتنے دنوں سے کیسے زندہ ہے؟' آج پھر اسے اس آدمی کی یاد ہو آئی اور وہ سوچنے لگا، کیا میں بھی اس آدمی کی طرح بے سہارا،

بے زبان ہو کر رہ جاؤں گا؟ مجھے بھی ایک دن اسی دیوار کا سہارا لینا پڑیگا؟
اسی طرح اس گلی سے ایک پاگل گذرا کرتا تھا۔ جس کے بالوں میں گرد، نگاہوں
میں ویرانی اور جسم پر گندگی کی ایک تہہ جمی ہوئی ہوتی تھی۔ کہتے ہیں پہلے وہ ایک
بہت بڑا اسیٹھ تھا۔ لیکن سٹہ میں سب روپے ہار گیا تھا۔ بیوی اور
بچے فاقے کرتے کرتے مر گئے۔ اور آخر میں خود پاگل ہو گیا۔ شاید میرا بھی
یہی حال ہوگا۔ اسی پاگل کی طرح! کیا میں بھی پاگل ہو جاؤں گا؟ اور یہ
سوچتے سوچتے اچانک اسے خیال آیا اگر کملا یہاں نہ آتی تو اس کی یہ حالت
نہ ہوتی۔ اس نے کملا سے کہا بھی تھا کہ جب اسے ایک اچھی نوکری مل جائیگی
تو وہ اسے بلالے گا۔ لیکن کملا تو بن بلائے یہاں چلی آئی۔ اگر وہ یہاں نہ
آتی تو اسے ان الجھنوں میں گرفتار نہ ہونا پڑتا۔ وہ اچھا بھلا گذر کر رہا تھا۔
اپنی ماں کو روپے بھیج رہا تھا۔ آگے بڑھنے کے مواقع پیدا ہو رہے تھے۔
لیکن اس کملا نے آکے سارا کھیل بگاڑ دیا۔ اور یکایک اس کا سارا غصہ کملا
کے گرد مرکوز ہو گیا۔ اس کا ذہن آتشیں ہو گیا۔ اس ذہن کے کونے کونے سے
صدا آنے لگی۔ "ہاں، اگر کملا یہاں نہ آتی تو ہیرا کبھی اس سے نہ بگڑتی۔ اگر
ہیرا نہ بگڑتی تو حالات بالکل مناسب بنے ہوتے۔ یہ سب کملا کی وجہ سے ہوا
ہے"۔ وہ کمرے میں تیزی سے چلنے لگا۔ اس کے ہاتھ بھنچ گئے۔ اس کے
جبڑوں میں ایک سختی سی آگئی۔ یکایک ایک خیال اس کے ذہن میں بجلی
کے کوندے کی طرح لپک گیا۔ "اگر کملا مر جائے؟ لیکن کیونکر مر جائے؟
..... اگر وہ مر جائے.... یا.... یا مار دی جائے!.... لیکن کون
مارے؟.... نہیں.... نہیں، وہ خود بخود مر جائے.... کوئی ایسی
بیماری ہو جائے.... پلیگ یا ہیضہ ہو جائے اس کو..... نہیں نہیں

اس کو اس قسم کی باتیں نہیں سوچنا چاہئیں، ہرگز نہیں سوچنا چاہئیں، کملا کھانا پکا چکی تھی۔ شاید وہ ہاتھ دھو رہی تھی۔ مرنے کے تو کئی بہانے نکل آتے ہیں ـــــ ہارٹ فیل ہو جاتا ہے ـــــ کسی کو معلوم نہیں ہوتا ـــــ کل ہی ایک آدمی کا ہنستے ہنستے ہارٹ فیل ہو گیا۔۔۔ کیا ایسا ہی نہیں ہو سکتا؟ لیکن کملا ہی کیوں مرے؟ وہ خود کیوں نہ مر جائے؟ یا ہیرا کیوں نہ مر جائے جس نے اس کو اس قسم کی باتیں سوچنے پر مجبور کر دیا۔۔۔ لیکن ہیرا کے مرنے سے کچھ نہ ہوگا۔۔۔۔ مسائل حل نہ ہوں گے۔۔۔ مسائل کا حل تو کملا کے پاس ہے۔ اگر کملا مر جائے یا وہ مر جائے! لیکن وہ مرنا نہیں چاہتا۔۔۔ لیکن کیوں؟ شاید وہ بزدل ہے! اگر وہ مر گیا تو اس کی ماں کا کیا ہوگا؟ ہاں ٹھیک سوچا تم نے۔۔۔۔ بہن کا کیا ہوگا؟ خود کملا کا کیا ہوگا؟ ـــــ ٹھیک ہے۔ اس کے یا ہیرا کے مرنے سے کچھ نہ ہوگا۔۔۔ کچھ نہ ہوگا"

کچن میں سے برتن دھونے کی آواز برابر آ رہی تھی۔ نل سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ کبھی چوڑیوں کے کھنکنے کی آواز آ جاتی تھی۔

"کملا اتنی دور سے چل کر یہاں آئی ہے۔۔۔ اس کی محبت کی تو قدر کرو۔۔۔ کیا قدر کروں؟ ایسی محبت بھی کیا جو باپ کی جان لے لے، خاندان کا بیڑا غرق کر دے، دوسرے آدمی کی زندگی جنجال بنا دے۔۔۔ یہ کہاں سے میرے گلے پڑ گئی۔ کس طرح میری گلو خلاصی ہوگی۔ کاش یہ مر جائے کسی بیماری سے۔ اس کا پیر پھسل جائے سیڑھی سے۔ اسے ڈپتھیریا ہو جائے یا تپِ دق۔۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ تپِ دق کا مریض تو کافی عرصہ زندہ رہتا ہے۔۔۔۔ اسے کوئی ایسی بیماری ہو جائے جس سے وہ فوراً مر جائے۔۔ مین گائیٹس ہو جائے ـــــ لیکن اگر اسے کوئی بھی بیماری نہ ہو تو؟ ـــــ تو؟

تو . . . تو ، اس کو مارا جا سکتا ہے ۔ عمداً ۔ لیکن کیسے ؟ یہ تم کیا سوچنے لگے ؟ کس قسم کی باتیں سوچ رہے ہو ؟ ایسے مجرمانہ خیال تمھیں ہرگز اپنے ذہن میں نہ لانے چاہئیں ؛ اس نے کچن میں دیکھا ۔ کملا وہاں نہ تھی ۔ اچھا ہوا وہ چلی گئی ۔ شاید وہ غسلخانے میں گئی ہے ۔ نہانے کے لئے ۔ وہ آزادی سے سوچ سکتا ہے اس کے سوچ پر کوئی بندش نہیں لگا سکتا ؛ آج اس کا ذہن عجیب غریب کیفیات سے دوچار ہو رہا تھا ۔ اگر کملا کو مار دیا جائے . . . اگر اسے زہر دیا جائے . . . . دال میں افیون ملا دی جائے یا چائے کی پیالی میں تھوڑا سنکھیا گھول دیا جائے تو کملا مر سکتی ہے ۔ لیکن مرنے کے بعد تم پکڑے بھی جا سکتے ہو . . . . کوئی ایسی ترکیب سوچو جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے ۔ زہر کھلانے کے بعد معائنہ بھی ہو سکتا ہے . . . . کوئی معقول سی ترکیب نکالو ؛

اگر اس سے پہلے جگدیش نے کسی کا قتل کیا ہوتا تو شاید اسے کوئی نئی ترکیب سوجھ جاتی ۔ لیکن یہ خوفناک خیال آج تک اس کے ذہن میں نہ آیا تھا . . . . اسے گمان بھی نہ تھا کہ وہ کبھی اس قسم کی باتیں سوچے گا اور وہ بھی اپنی محبوبہ کے متعلق . . . . اس نے اپنے دماغ کو روکنا چاہا پر وہ بے قابو ہو گیا تھا ـــــ خطرناک خیالات اس کے ذہن میں ابھر رہے تھے . . . کاش ایسا ہو جائے کہ وہ خود اور کملا کسی تالاب میں نہا رہے ہوں ۔ کملا نہاتے نہاتے تھک جائے اور بالکل ادھ موئی ہو جائے اور پھر مدد کے لئے پکارے ـــ وہ اس کی مدد کے لئے کبھی نہ جائے گا ـــ وہ چلاتی چلاتی تالاب میں ڈوب جائے گی ، پر وہ نہ بچائے گا ـــ ہرگز نہ بچائے گا . . . پھر کسی کو شبہ نہ ہوگا ۔ بس لوگ یہی سمجھیں گے کہ وہ تالاب

میں ڈوب کر مر گئی .... لیکن کملا ایسا کیوں کرے گی ؟ وہ تالاب میں نہانے کیوں جائے گی ؟ اور اگر نہانے جائے گی تو اتنا کیوں نہائے گی کہ وہ بالکل نڈھال ہو جائے ۔ وہ جب تھکنے لگے گی تو کیا وہ سیدھی کنارے پر نہ آجائے گی ؟ .... تو پھر ؟ .... پھر .... وہ کملا کو جوہو کے کنارے سمندر میں نہلانے لے جائے گا ۔ بہت دُور ۔ پھر اسے دھکا دیدے گا اور لہریں اسے اپنے ساتھ لے جائیں گی .... لیکن ایسا نہیں ہوتا ۔ لہریں ہمیشہ انسان کو کنارے کی طرف پھینکتی ہیں ، ساحل کی طرف لے جاتی ہیں ۔ .... تو پھر دونوں کشتی میں بیٹھے ہوئے ہوں اور کشتی الٹ جائے ، اور وہ دونوں سمندر میں گر جائیں ۔ پھر وہ خود تیر کر نکل آئے گا لیکن کملا کو وہیں ڈوب جانے دے گا ۔ ہاں یہ ٹھیک ہے ! .... لیکن کملا کشتی میں اس کے ساتھ جائے گی کیوں ؟ اور اگر جائے گی تو کشتی یونہی کیسے الٹ جائیگی ..... تو پھر وہ دونوں ہوائی جہاز میں سفر کریں ۔ لیکن ہوائی جہاز میں سفر کرنے کے لئے روپے کہاں سے آئیں گے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہی ہوائی جہاز ٹوٹ کر گر پڑے جس میں کملا سفر کرے ، اور پھر کملا اکیلی ہوائی جہاز میں سفر کیوں کرے گی ؟ .... تو کیا کیا جائے ؟ کیا کملا کسی طرح نہیں مر سکتی ؟ کیا اسے مارنے کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی ؟ .... ارے ہاں ۔ کملا کو کسی سے مروایا جا سکتا ہے ۔ کسی غنڈے کو ۵۰ روپے دو ، وہ فوراً کام تمام کر دے گا .... لیکن اگر مارتے ہوئے وہ پکڑا گیا ؟ یا اس نے پولیس میں جا کر اطلاع کر دی کہ فلاں شخص اس طرح قتل کروانا چاہتا ہے تو پھر کیا ہوگا ؟ ''

یکایک اس کے خیالات کی کڑی ٹوٹ گئی ۔ کملا شیشے کے سامنے کھڑی

ہو کر کنگھی کر رہی تھی۔ کنگھی کرتے کرتے وہ بولی۔ "کھانا پروس دوں؟"

"ہاں"

کملا نے میز پر کھانا چن دیا۔ دونوں کھانا کھانے لگے۔ جگدیش آج بالکل خاموش تھا۔ وہ کملا سے کیا کہے۔ کھاتے کھاتے کملا نے کہا۔ "آج باہر چلیں گے؟"

اس نے ہاں کر دی۔ ادھر اس کے ذہن میں کسی نے کہا "ضرور باہر لے چلو۔۔۔ شاید کوئی حل نکل آئے۔۔۔ کوئی حادثہ ہی ہو جائے" اس کی نگاہ کملا کے چہرے پر گئی۔۔۔ اس کے چہرہ پر شبہ یا خوف کی پرچھائی تک نہ تھی۔۔۔ وہ اپنے کو جگدیش کے ہاتھوں سونپ کر بےحد خوش اور مطمئن تھی۔ جگدیش کی روح تڑپ اٹھی۔۔۔ انسان کس طرح آنِ واحد میں قاتل بن جاتا ہے۔۔۔ اس بچاری کا کیا قصور ہے جو اس کی ننھی سی جان کے درپے ہو۔ اس معصوم اور خوبصورت روح نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟۔۔۔ کیا بگاڑا ہے؟ تم کیا جانو کہ اس نے زندگی کو کتنا دشوار بنا دیا ہے۔ کس نے؟ کملا نے؟۔۔۔ اس معصوم خوبصورت عورت نے جو تمہاری محبت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر کے تمہارے پاس آگئی ہے۔ تم کو الزام دیتے شرم نہیں آتی؟ اور جگدیش نے جلدی سے پانی پینے کی کوشش کی۔ گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

"اچھا تم تیار ہو جاؤ۔" اس نے اپنی بےچینی اور اضطراب کو چھپاتے ہوئے کہا۔

"کونسی ساڑھی پہنوں؟"

"جو تمھیں اچھی لگے۔"

کملا نے ٹرنک سے ایک سفید ساڑھی نکالی ۔ سفید ساڑھی میں وہ بجید اچھی لگتی تھی ۔ نہ جانے کیوں اس کا حُسن سفید ساڑھی میں چمک اُٹھتا تھا۔ جب وہ سفید ساڑھی پہن چکی تو اس کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی ۔۔ حُسن کی داد طلب کرنا چاہی ۔ جگدیش ابھی تک کچھ اور ہی سوچ رہا تھا ۔۔ اس کی نگاہ اس وقت کملا کے حُسن پر نہ تھی ۔ لیکن پھر بھی اس نے کملا کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا ۔۔۔ یہ مسکراہٹ وہ جان بوجھ کر لایا تھا ۔

"آج ہم پہلی بار سیر کرنے جا رہے ہیں ایک ساتھ ۔" کملا نے اٹھلاتے ہوئے کہا ۔

"اس سے پہلے تم نے کبھی کہا ہی نہیں "۔ جگدیش نے جیسے جواز پیش کیا ۔ لیکن یکایک نیچے سے ایک بچے کی چیخ سنائی دی ۔ اس کا کمرہ فورتھ فلور پر تھا ۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا ۔۔۔ ایک بچہ کار کے نیچے آتے آتے بچ گیا تھا ۔ موٹر ڈرائیور نے عین وقت پر بریک لگا لیا تھا ۔

کھڑکی سے جھانکتے ہوئے یکایک اس کے ذہن میں آیا کہ اگر کوئی اس کھڑکی سے نیچے گر پڑے تو نیچے گرتے ہی اس کا بھیجا نکل جائے ۔ یہاں سے گر کر انسان بڑی آسانی سے مر سکتا ہے ۔۔ غیر شعوری طور پر اس نے کھڑکی کا جائزہ لیا ۔ کھڑکی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک رسی بندھی ہوئی تھی اور اس رسی پر تولئے ، رومال اور کملا کا بلاؤز ٹنگا ہوا تھا ۔ کملا اکثر کھڑکی کے بڑھے ہوئے حصے پر پیر رکھ کر اور ہاتھ بڑھا کر کپڑے اتارا کرتی تھی ۔۔ یکایک وہ لرز اُٹھا ۔۔۔ ایک خوفناک ترکیب اس کے ذہن میں کوند گئی ۔ اگر کپڑے اتارتے وقت کملا کو دھکا دے دیا جائے تو ؟ عین اسی وقت کملا نے آگے بڑھ کر ڈوری پر لٹکے ہوئے کپڑے اتارنے کے لئے اپنا پیر کھڑکی پر

رکھا۔ وہ آگے اچکی۔ اس وقت اس کے جسم کا سارا بوجھ ایک پاؤں پر تھا۔
جگدیش کے کانوں میں یکایک ایک مہیب شور گونجنے لگا۔ اس کا ذہن سنسنانے لگا
— "موقع ہے — اسی وقت موقع ہے..... ایک ہلکا سا دھکا — صرف ہلکا سا
اور کچھ نہیں، اور پھر کملا چوتھی منزل سے نیچے فرش پر.....! اور غیر شعوری طور
پر وہ آگے بڑھا۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئیں — اس کے ہاتھ اُٹھے —
لیکن عین اسی وقت کملا رومال لے چکی تھی اور نیچے اتر آئی تھی۔ جگدیش
کے ماتھے پر ایک ساتھ پسینہ چھلک آیا۔ وہ نڈھال ہو کر چپ چاپ کرسی
میں دھنس گیا۔ اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ کملا نے جلدی
جلدی سامنے کا دروازہ بند کیا اور پھر جگدیش کو دیکھ کر کہا — "لو ہم تو
تیار ہو گئے —" اور وہ اٹھلاتی ہوئی اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ وہ
اس وقت اس کے سامنے یوں کھڑی تھی جیسے کسی پودے کا تنا زمین کا
سینہ چیر کر سورج کی گرمی حاصل کرنے کے لئے تڑپ اُٹھے۔ وہ اس کے
سینے کے ساتھ چمٹ گئی اور ایک لمحہ کے لئے اس کے ذہن کی ساری بربریت
سختی اور درشتی نرمی اور رکولتا میں تبدیل ہو گئی — اس کی روح سیاہ بادلوں
کو چیر کر پھر باہر نکل آئی۔ اس نے کملا کو والہانہ طور پر اپنے سینے کے ساتھ
چمٹا لیا اور اس کے نرم نرم ہونٹوں کو چوما۔ اور جب وہ کمرے سے
مسکراتے ہوئے باہر نکلے تو اس کا پڑوسی بوڑھا کرسچین کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔
اس نے جگدیش کی طرف غور سے دیکھا — اس کی آنکھوں میں ایک معنی
خیز چمک تھی۔ لیکن جگدیش اس چمک کے معنی سمجھنے سے قاصر رہا۔

۳۵

دھوپ کافی تیز تھی اور آسمان لانڈری میں دُھلے ہوئے کپڑے کی طرح
صاف اور شفاف تھا۔ کملا اور جگدیش بس میں بیٹھ گئے اور انڈیا گیٹ
پہنچے۔ کملا نے پہلی بار انڈیا گیٹ دیکھا تھا۔ سامنے کا پھیلا ہوا سمندر دیکھ
کر اس کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی۔ جہاز جو سمندر میں لنگر ڈالے کھڑے تھے
بڑی بڑی بلڈنگوں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ کنارے پر چند کشتیاں تھیں
جو مسافروں کو سمندر میں سیر کرانے کے لئے آجا رہی تھیں۔ ایک کشتی والا
ان کے قریب آیا اور کہنے لگا — "صاحب سیر کیجئے گا؟" جگدیش نے کشتی والے
کو دیکھا اور پھر کملا کی طرف دیکھا۔ کملا نے اثبات میں سر ہلایا۔ دونوں کشتی
میں بیٹھ گئے۔ اور ملّاح کشتی چلانے لگا — نہ جانے کیسے جگدیش کے ذہن
میں پھر یہ بات آگئی کہ کشتی اُلٹ جائے۔ اس نے کملا کی طرف دیکھا۔ وہ بچوں
کی طرح کشتی میں بیٹھی ہوئی اشتیاق سے سمندر کو دیکھ رہی تھی، جہازوں کو
دیکھ رہی تھی، لائٹ ہاؤس کو دیکھ رہی تھی، اور ان ابابیلوں کو دیکھ رہی
تھی جو سمندر کی سطح پر اُڑتی نظر آ رہی تھیں۔ کشتی سمندر پر دوڑتی ہوئی
چلی جا رہی تھی۔ کشتی آگے جا رہی تھی اور پانی پیچھے آ رہا تھا۔ اور کنارا
دور جا رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں
کے دلوں میں متضاد خیالات کا طلاطم تھا — کملا کی خوشی میں ایک معصومیت
تھی۔ اس کی خوشی اس بچے کی طرح تھی جس نے پہلی بار اپنی آنکھیں اس
دنیا میں کھولی ہوں۔ اس نے شرمیلی نگاہوں سے جگدیش کو دیکھا اور

دل ہی دل میں اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کیا۔ لیکن جگدیش سمندر کے
گہرے پانی کو دیکھ رہا تھا جس میں دو انسان بڑی آسانی سے ڈوب سکتے تھے
اگر کشتی الٹ جائے تو بچنا مشکل ہے۔ ایک دوبار کشتی نے ہچکولے کھائے
اور کملا جگدیش کے سینے سے ایک خوفزدہ پرندے کی طرح لپٹ گئی۔ اور
جگدیش کو ایک شدید جھٹکا سا لگا — "اس لڑکی کو مجھ پر کتنا اعتماد ہے
کتنا بھروسہ ہے۔ میرا کتنا سہارا ہے۔ لیکن میں ہوں کہ . . . !" اس کا
ضمیر جاگ اٹھا۔ اتنے میں ایک لمبا چکر لگا کر کشتی پھر کنارے پر آگئی کشتی
سے اتر کر وہ چوپاٹی گئے۔ کملا نے کچھ چاٹ کھائی۔ پھر وہ ٹیکسی میں بیٹھ
کر ہینگنگ گارڈنز (Hanging Gardens) گئے۔ وہاں سے پھر
وہ نمائش میں گئے جو چرچ گیٹ کے قریب لگی ہوئی تھی۔ نمائش میں کملا
بچوں کی طرح ایک جھولے پر بیٹھ گئی۔ جگدیش بھی ساتھ بیٹھ گیا۔ اور جھولا
ہوا میں اڑنے لگا۔ جھولا جب اپنی پوری اونچائی پر پہنچا تو ایک لمحہ کے لئے
پھر جگدیش کے دل میں خیال آیا کہ اگر جھولے کا سامنے والا تختہ کسی طرح
کھل جائے تو . . . . ! لیکن کملا بڑی معصومیت اور مسرت کے ساتھ
جھولے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ جب ان کا جھولا اوپر جاتا تو کملا سمٹ
کر جگدیش کے گلے میں باہیں ڈال دیتی اور وہ کملا کے دل کی دھڑکن اپنے
سینے پر محسوس کرتا۔ پھر جھولا نیچے آتا اور کملا اپنے ہاتھ اس کی گردن سے
نکال لیتی۔ اس دن کملا نے پہلی بار اس پھیلے ہوئے شہر کے ایک بڑے
حصے کو دیکھا۔ بڑی بڑی عمارتوں پر نظر ڈالی — کشادہ سڑکوں کو دیکھا،
کاروں اور ٹیکسیوں کی لمبی قطاروں کو دیکھا۔ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ کو دیکھا
ان عورتوں کو دیکھا جن کے بال مردوں کی طرح کٹے ہوئے تھے جو پیچھے

سے لڑکوں کی مانند دکھائی دیتی تھیں۔ ان مردوں اور عورتوں کو دیکھا جو ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سڑکوں پر بغیر کسی شرم کے چلے جارہے تھے اور یہ سب کچھ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے راحت محسوس کی۔ گو وہ تھک سی گئی تھی، لیکن خوشی اور انبساط کے جھونکوں نے اسے ایک نئی دنیا میں لاکھڑا کیا تھا۔ اس نے یہ دنیا نہ دیکھی تھی وہ اتنا عرصہ گھر کی چار دیواری میں بند رہی تھی۔ وہی کمرہ، وہی بلڈنگ، وہی گندی سیڑھیاں اور نیچے سڑک پر کھیلتے ہوئے ننگ دھڑنگ گندے کالے، میلے کچیلے اور بھوکے بچے ـــــ لیکن یہاں تو دنیا ہی اور تھی۔ یہاں غربت نام کو نہ تھی۔ لوگ کاروں اور ٹیکسیوں میں چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ کملا کے دل میں طرح طرح کے سوال اٹھ رہے تھے۔ ان بڑی بڑی بلڈنگوں میں کون لوگ رہتے ہیں؟ یہ بلڈنگیں اتنی صاف اور دلکش کیوں ہیں؟ ہم یہاں کیوں نہیں رہ سکتے؟ کیوں اس چھوٹے سے کمرے میں رہتے ہیں؟ لیکن وہ خاموش سی رہی۔ آج تو اسے جگدیش کا مشکور ہونا چاہیئے۔ اور جب شام ہوئی تو شہر میں لاکھوں قمقمے روشن ہوگئے۔ اس وقت میرین ڈرائیو ایک دلہن کی طرح نظر آئی جس نے اپنے جسم پر ہیروں کے زیورات پہن رکھے ہوں۔ جس کی چمک دمک سے آنکھیں چندھیا جاتی ہوں۔

ایسا منظر اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ میرین ڈرائیو کا خوبصورت موڑ جو عورت کی کمر کی طرح سمندر کے گرد پھیلا ہوا تھا، کتنا دل کش تھا۔ کملا کے جی میں آیا وہ بھی جگدیش کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور ہاتھ میں ہاتھ ڈال کے ٹہلے۔ اس سے پہلے جگدیش مجھے یہاں کیوں نہیں لایا؟ لیکن مسرت اتنی زیادہ تھی کہ دل نے خاموش رہنے کو کہا۔ وہ جگدیش کے ساتھ ساتھ چل

رہی تھی، قدم بہ قدم، شانہ بہ شانہ۔ ادھر جگدیش گہری سوچ میں مستغرق تھا۔ ایک لمحہ کے لئے کملا کو دیکھ لیتا اور پھر تیزی سے قدم اُٹھانے لگتا۔ ایک بار، تو کملا نے اسے اس بات پر ٹوکا بھی ۔۔ "ہائے آپ بڑی تیزی سے چلتے ہیں ۔۔ مجھ سے تو چلا بھی نہیں جاتا اتنی تیزی سے۔"

جگدیش اسے ایک ریستوران میں لے گیا۔ دونوں ایک خوبصورت میز کے گرد بیٹھ گئے۔ ایک بہرہ آیا۔ جگدیش نے کچھ کھانے پینے کے لئے منگایا۔ سامنے ریڈیو بج رہا تھا۔ میزوں پر لوگ جھکے ہوئے تھے اور باتوں میں مگن تھے۔ کملا سمٹ کر کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے کچھ شرم سی آ رہی تھی۔ اس کی زندگی کا یہ پہلا موقع تھا جب وہ اپنے خاوند کے ساتھ کسی ریستوراں میں بیٹھی تھی۔

"ہائے۔" اس نے ایک لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کتنی بے شرمی سے ہنس رہی ہے وہ۔"

جگدیش نے اس کا ہاتھ نیچے گرا دیا اور دھیرے سے کہا۔ "اس طرح اشارہ نہیں کرتے۔"

"ہائے اس کے بال تو دیکھو جگدیش! بالکل لڑکا سی معلوم ہوتی ہے۔" اور وہ ہنسی ضبط نہ کر سکی اور اس نے منہ پہ ساڑی کا پلّو لے لیا۔

"منہ پہ ساڑی کا پلّو نہیں لیتے کملا۔ تمہارا رومال کدھر ہے؟" جگدیش نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

کملا رومال کو ڈھونڈنے لگی۔ رومال تو اس کے ہاتھ میں تھا، کہاں غائب ہو گیا؟

"رومال تو گم ہو گیا۔" اس نے خوفزدہ نگاہوں سے جگدیش کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں" جگدیش نے کہا اور جیب سے اپنا رومال نکال کر اسے دیدیا۔ "اب اسے سنبھال کر رکھنا"

بیرہ چائے لایا اور ساتھ میں کچھ ٹوسٹ وغیرہ۔

اسی اثنا میں ایک عورت اور مرد ریستوران میں داخل ہوئے اور ایک میز پر بیٹھ گئے۔ کملا کی نظر سب سے پہلے اس کی پیٹھ پر گئی۔ اس کی پیٹھ بالکل ننگی تھی۔ ایک لمحہ کے لئے کملا نے اپنی آنکھیں موندلیں۔ جب اس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو اس کی نگاہ عورت کی ابھری ہوئی چھاتیوں پر پڑی۔ اس کی چھاتیوں کو دیکھ کر کملا کی نگاہ اپنے سینے پر گئی اور اس نے جلدی سے اپنا سینہ ڈھانپ لیا۔

اس کے بعد اس عورت نے پرس میں سے ایک شیشہ نکالا، لپ سٹک نکالی۔ ہونٹوں پر لپ سٹک کا خط کھینچا اور پھر شیشہ میں اپنے ہونٹ دیکھ کر شیشے اور لپ سٹک کو پرس میں رکھ لیا۔

"چائے کیوں نہیں پیتی، ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" جگدیش نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

چونک کر کملا چائے پینے لگی۔ اس نے ایک ٹوسٹ اٹھایا اور کھانے لگی۔ وہ کھاتی کم تھی اور دیکھتی زیادہ تھی۔

بیرہ آیا اور بل لایا۔ اور جگدیش نے بل ادا کیا اور دونوں ریستوران سے باہر نکلے۔ اب رات گہری ہو چکی تھی۔ سامنے سمندر اب محوِخواب تھا۔ اس نے رات کی سیاہ چادر سے اپنا منہ ڈھانپ لیا تھا۔ خاموشی چھاگئی تھی — صرف لہروں کے ٹکرانے کی آواز آرہی تھی۔

۳۶

کملا سوگئی۔ لیکن جگدیش رات بھر نہ سوسکا۔ وہ رات بھر سوچتا رہا۔ نہ جانے کیسے وہ اس نتیجے پر پہنچ گیا تھا کہ اس کی الجھنوں اور پریشانیوں کا ایک ہی حل تھا — کملا کی موت۔ بار بار اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی کہ کملا مرجائے، کسی بھی طرح اپنے آپ مرجائے۔

غیر شعوری طور پر شاید وہ اسی لئے کملا کو شہر کی سیر کرانے کے لئے آمادہ ہوگیا تھا۔ لیکن جب کملا صحیح سلامت گھر لوٹ آئی تو اسے سخت ناامیدی ہوئی۔ "شہر میں روزانہ اتنے حادثے ہوتے ہیں۔ لوگ موٹروں سے ٹکرا جاتے ہیں۔ اور ریل گاڑی سے ٹکرا جاتے ہیں۔ سمندر میں ڈوب جاتے ہیں — کیا، کیا کملا کے ساتھ ایسا کوئی حادثہ نہیں ہوسکتا؟ کیا وہ کسی طرح اس کی زندگی سے دور نہیں ہوسکتی؟ اگر وہ اسی طرح قائم رہی، زندہ رہی تو اس کا زندہ رہنا مشکل ہوجائیگا اس کی نوکری چھوٹ جائے گی — وہ بیکار ہوجائے گا۔ کچھ نہ کچھ ہونا ہی چاہیئے۔ ... کچھ نہ کچھ ضرور ہونا چاہیئے۔ اور اگر کچھ نہیں ہوتا تو اسے کچھ کرنا چاہیئے۔ خود، اپنے آپ؛

جگدیش نے سونے کی بہت کوشش کی، لیکن اسے نیند نہ آئی۔ کملا اس کے پاس سوئی ہوئی تھی۔ اگر وہ چاہتا تو اس وقت اس کا گلہ گھونٹ سکتا تھا — اسی لمحہ، لیکن یہ جگدیش کے بس کی بات نہ تھی۔ لیٹے لیٹے اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا — رات اسی انداز سے جاگ رہی تھی۔ اندھیرا اسی انداز سے پھیلا ہوا تھا۔ دور بہت دور، اسی انداز سے سمندر کی لہریں ساحل

سے اپنا سر پھوڑ رہی تھیں۔ کبھی کبھار دور کسی سڑک پر موٹر کے ہارن کی آواز آتی، یا نیچے فٹ پاتھ پر کوئی انسان کھانستا، یا کوئی بچہ رونے لگتا۔ ان آوازوں کے سوا ہر طرف خاموشی تھی۔ آج وہ آوازوں کی طرف سے بہت چوکنا ہو گیا تھا۔ چھوٹی سے چھوٹی آواز ایک دھماکے کی طرح سنائی دیتی تھی۔ ہلکی سی آہٹ سے وہ چونک اٹھتا تھا۔ "ٹھیک ہے، جب انسان جرم کے ارتکاب کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی روح اسی طرح خوفزدہ ہو جاتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی آوازیں اسی طرح ذہن پر اثر انداز ہوتی ہیں۔" اس نے کروٹ بدلی اور کملا کی طرف غور سے دیکھا۔ کملا اس کے سامنے لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا سانس چل رہا تھا۔ بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ پلکیں رخساروں پر ٹکی ہوئی تھیں۔ "کملا سو رہی ہے — اسے کچھ ہوش نہیں۔ اس کا گلا دبا دو۔ کچھ زیادہ دیر نہ لگے گی — بس پانچ یا دس سیکنڈ تک انگلیوں کا دباؤ ڈالنا ہو گا۔ جسم میں ایک اینٹھن سی ہو گی۔ زندگی بچانے کے لئے ہاتھ اوپر اٹھیں گے، کش مکش ہو گی۔ لیکن اس کے بعد وہی ہاتھ بے جان، بے حس ہو کر سوکھی ٹہنیوں کی طرح نیچے گر پڑیں گے — اس لئے دبا دو اس کا گلا، کر دو اپنی تمام الجھنوں کا خاتمہ . . . . . نہیں، نہیں یہ کام، یہ جرم، یہ گناہ، مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ یہ انگلیاں اس نازک سی گردن کو کبھی نہ دبا سکیں گی — میں کملا کو یوں نہ مار سکوں گا۔"

اسی ذہنی کش مکش میں صبح ہو گئی۔ رات جتنی خاموش تھی، دن اتنا ہی ہنگامہ خیز تھا۔ وہ گھر میں نہ بیٹھ سکا۔ وہ کملا سے کہہ گیا کہ وہ دیر سے آئے گا۔ ویسے کچھ کام نہ تھا۔ ہیرا کے پاس وہ جانا نہ چاہتا تھا۔ ہیرا سے اسے کچھ نفرت سی ہو گئی تھی۔ وہ دوپہر تک ادھر ادھر گھومتا رہا۔

کبھی بس میں بیٹھتا، کبھی ٹرام میں۔ جب دو بج گئے تو واپس لوٹا۔ اس کا ذہن ابھی تک ہیجان تھا۔ دماغ کی نسیں بدستور تنی ہوئی تھیں۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں یہ نسیں پھٹ نہ جائیں۔ وہ آرام چاہتا تھا۔ راحت اور سکون چاہتا تھا۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو کملا چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی کملا اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی ـــ

"وہ آئی تھی۔"

"کون؟"

"تمھاری ہیروئن۔"

"ہیرا؟ ـــ کیا کہتی تھی؟"

"یہ چِٹھی چھوڑ گئی ہے۔" اس نے چٹھی جگدیش کو دی۔ جگدیش نے چٹھی کھول کر پڑھی۔

"پیارے جگدیش۔ شام کو ملنا۔
تمھاری ہیرا"

"وہ پوچھ رہی تھی کہ میں تمھاری کیا لگتی ہوں۔" کملا نے ناک کے نتھنوں کو پھلا کر کہا۔

"تم نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے کہا۔ میں جگدیش کی بیوی ہوں۔ کیا تم نے ابھی تک لوگوں کو بتایا نہیں کہ میں تمھاری کیا لگتی ہوں؟"

جگدیش خاموش رہا۔

"وہ یہاں کیوں آئی؟ تمھاری کیا لگتی ہے؟" اس نے کمر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میرے ساتھ کام کرتی ہے۔" جگدیش نے فرش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس سے پہلے وہ کبھی نہیں آئی، آج ہی کیوں آئی؟ اور اس نے تمھیں اپنے گھر کیوں بلایا؟"

"کچھ کام ہو گا۔" جگدیش نے جل کر کہا۔

"تم اس کے گھر نہیں جا سکتے۔" کملا نے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔ اس قسم کا لہجہ کملا نے پہلی بار اختیار کیا تھا۔

وہ خاموش رہا۔

"تمھارا اس کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ اس نے مجھے بتایا کہ تم اس کے ساتھ سینما جاتے ہو۔ اس کے گھر جا کر شراب پیتے ہو۔ رات کے بارہ بارہ بجے تک وہیں رہتے ہو۔ یہ کیوں؟ یہ سب کس لئے؟ تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟ کیا تم نے مجھ سے اس لیے شادی کی تھی؟ لیکن ہاں.... تم نے شادی کب کی تھی"

اور یہ کہتے کہتے کملا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کی آواز بھرا گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

جگدیش کھڑا رہا خاموش ۔۔۔ وہ کیا کرے؟ وہ کیا کر سکتا ہے؟ وہ جانتا تھا ایک دن یہ ہو کر رہے گا۔ کملا کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ پھر کیا ہو گا؟ پھر وہ کیا کرے گا، یہ اب تک اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا۔ اس لئے اس نے کچھ نہ کہا۔ کملا کے آنسو پونچھنے کی کوشش نہ کی۔ اسے چپ کرانے کے لئے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ اور کملا روتی رہی اور جب بہت دیر گزر گئی، اور جگدیش نے کچھ نہ کہا تو یکایک کملا کے آنسو رک گئے۔ اس میں ایک عجیب سی تبدیلی آ گئی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہو گئی۔ اس کی بھنویں تن گئیں اور اس کا لہجہ سخت ہو گیا ـــــ "میں جانتی ہوں تم کچھ نہ کہو گے

کیونکہ تم جھوٹے ہو، تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ لیکن جانتے ہو میں نے اس سے کیا کہہ دیا ہے؟ — میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ اس کمرے میں کبھی قدم نہ رکھے — میں اس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتی۔ اور جانتے ہو اس نے کیا جواب دیا؟ اس نے کوئی جواب نہیں دیا — وہ محض ہنس پڑی اور میرا جی چاہا کہ اس کی ہنسی نوچ لوں، اس کے بال جلا ڈالوں، اس کا منہ جھلس ڈالوں۔ وہ کیا سمجھتی ہے اپنے آپ کو؟ بڑی آئی تھی ہیروئن بنکر۔ میں صاف صاف کہے دیتی ہوں کہ اب اگر وہ دوبارہ اس کمرے میں آئی تو اس کی خیر نہیں — اگر میں نے اس کا کلیجہ چیر کے نہ رکھ دیا تو میرا نام کملا نہیں۔"

جگدیش حیرت سے سنتا رہا اور اس کملا کو دیکھتا رہا جو آج بدل گئی تھی۔ اس کملا میں اور کل والی کملا میں کتنا فرق ہے۔ آج یہ کملا کتنی بیباک ہوگئی ہے۔ اس کی آنکھوں کتنا غصہ اور کتنی وحشت بھر گئی ہے۔ آج اس کے الفاظ میں کتنا زہر گھلا ہوا ہے۔ آج اس کے سانسوں میں تندی ہے۔ ہاتھوں میں بلا کی سختی ہے۔ یہ عورت اس کملا سے بالکل مختلف ہے جسے وہ آج تک دیکھتا آیا ہے۔ یہ عورت تو اس جگدیش سے ملتی جلتی ہے جو کملا کے مار ڈالنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ ان دونوں میں کتنی مطابقت ہے، کتنی یکسانیت ہے۔ یہ دونوں روپ، شخصیت کے دونوں پہلو کیسے اجاگر ہوگئے؟ اگر یہ دونوں روپ ٹکرا جائیں؟ ...... کتنا خطرناک اور مہلک ہوگا یہ ٹکراؤ! بھلا آدمی کیوں ایسے سوچتا ہے؟ .... جگدیش کملا کے مارنے کی بات سوچتا ہے۔ کملا ہیرا کی جان لینے پر اتر آئی ہے — زندہ رہنے کے یہ کیسے طور ہیں؟ کیسے راستے ہیں؟ کیا زندگی کے راستے موت کے راستے ہیں؟

کی کوشش نہ کی۔ اس میں شک نہیں کہ وہ جگدیش کو پسند کرتی تھی۔ نہ جانے کیوں جگدیش اسے بہت معصوم لگتا تھا۔ وہ کسی بات پر حجت یا اعتراض نہ کرتا۔ جو بات کہو، مان جاتا تھا۔ ان باتوں کے علاوہ جگدیش میں ایک جسمانی دلکشی تھی۔ اس کے قد و قامت میں ایک مقناطیسی کشش تھی۔ وہ بہت کم گو تھا۔ اس کی گفتگو میں ایک ٹھہراؤ تھا، ایک سنجیدگی تھی۔ اس میں چھچھوراپن نہ تھا اور جگدیش کی جو ادا اسے سب سے زیادہ بھائی تھی، وہ تھی اس کی محبت۔ اس کی محبت میں ایک قسم کی دیوانگی تھی، ایک والہانہ پن تھا جو اس نے بہت کم مردوں کی محبت میں دیکھا تھا۔ اور اس لئے وہ اسے پسند کرتی تھی۔ جب وہ اس کا بوسہ لیتا تھا تو واقعی وہ محسوس کرتی کہ یہ شخص صرف ہوس کا دیوانہ نہیں۔ یہ شخص صرف جسم کی چاہت کا پروانہ نہیں۔ اس کی روح واقعی میرے جسم کو چاہتی ہے، پیار کرتی ہے اور اسی لئے ہیرا اپنے آپ کو جگدیش کے سپرد کر دیتی تھی، ورنہ یہ سچ تھا کہ بہت کم بار اس نے اس طرح اپنے آپ کو کسی مرد کے حوالے کیا تھا۔ یوں تو وہ کئی مردوں کے ساتھ رہ چکی تھی لیکن اس رہنے میں دل و دماغ بالکل الگ رہتے تھے۔ ان میں یکسوئی کبھی نہ ہوتی تھی۔ لیکن جب سے ہیرا کو کملا کی موجودگی کا علم ہوا تھا، اس کے سپردگی کے اس جذبہ میں فرق آ گیا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک خلفشار سا پھیل گیا تھا۔ کملا کے آنے سے پہلے جگدیش کا رویہ بالکل ایک ہی طرح کا تھا۔ اس میں کوئی لغزش نہ تھی، لڑکھڑاہٹ نہ تھی۔ لیکن جب سے کملا آئی تھی جگدیش کے سلوک میں ایک تبدیلی سی آ گئی تھی۔ پہلے وہ گھر جانے کے لئے کبھی نہ کہتا تھا لیکن اب وہ پابندی سے گھر جاتا تھا، بلکہ ہمیشہ وقت سے پہلے جانے کی کوشش کرتا۔ لیکن جب ہیرا کو کملا کی موجودگی کا علم ہو گیا تو جگدیش

کی حرکت اسے معیوب لگنے لگی۔ اگر وہ اچھا کام کرتا تب بھی اسے بُرا محسوس ہوتا۔ وہ کچھ کھویا رہتا تھا۔ اس کے بوسوں میں وہ گرمی نہ رہی تھی جس کی وہ متلاشی تھی اور جس کے سہارے وہ زندہ تھی اور جس نے اسے دوبارہ شباب عطا کیا تھا۔ دراصل جگدیش کی محبت نے اس کی ڈھلتی ہوئی زندگی میں توانائی پیدا کردی تھی۔ وہ پھول جس کی پتیاں مرجھانے لگی تھیں، یا جن کے کنارے پیلے پڑ گئے تھے، وہ اب دوبارہ سرخ ہورہے تھے۔ اب پھول ایک نئی زندگی اور ایک نئی تازگی لیکر کھل اٹھا تھا۔۔ ہاں، جب عورت کو اس بات کا یقین ہوجائے کہ اسے کوئی مرد چاہتا ہے اور اس شدت سے چاہتا ہے تو جوانی اس میں عود کر آتی ہے۔ گو ہیرا کا پیشہ ہی اسی قسم کا تھا کہ وہ بڑھاپے کے احساس کو پاس آنے نہیں دیتی تھی، لیکن یہ کوشش صرف ظاہری طور پہ کارگر ہوسکتی ہے۔ دل کو کون تسلی دے، من کو کون بہلائے کہ تم جوان ہو۔ لیکن ہیرا کے معاملے میں جگدیش نے یہ یقین دلایا اور اس یقین کے سہارے ہیرا میں ایک نئی چمک ایک نئی شان دلربائی اور ایک نئی تازگی ابھر آئی تھی جس میں شباب کی تمام رعنائیاں پنہاں تھیں۔۔ لوگ حیران تھے کہ ہیرا کو کیا ہوا ہے۔ یہ تبدیلی کیسے اس میں آئی ہے۔ لباس تو وہ پہلے بھی اچھا پہنتی تھی۔ شوخ رنگ کے اور بھڑکیلے کپڑے پہنتی تھی جن میں اس کا جسم نمایاں ہوجاتا تھا۔ لیکن پھر بھی کپڑوں میں اور جسم میں ہم آہنگی کا پورا احساس پیدا نہ ہوتا تھا لیکن اب جب سے جگدیش کی محبت اسے مل گئی تھی، یہ ہم آہنگی بھی پیدا ہوگئی تھی۔ اب اس کے لباس اور جسم میں پوری موزونیت نظر آتی تھی۔ اب نہ تو اس کے کپڑے اتنے زیادہ ابھر کر سامنے آتے کہ اس کی شخصیت ختم ہو کر رہ جاتی اور نہ اس کا جسم کپڑوں سے اتنا ابھر کر سامنے آتا کہ صرف ننگے پن کا احساس ہونے لگتا۔

شاید کپڑوں اور جسم کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوگیا تھا۔ اب وہ جگدیش کے ساتھ اپنی زندگی کا رشتہ پکا کرنا چاہتی تھی۔ ہیرا کو اس بات کی امید ہی نہ تھی بلکہ یقین تھا کہ جگدیش ضرور آئے گا۔ وہ جگدیش کی کمزوری کو پہچان گئی تھی اور اس کمزوری کا فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ وہ بالکونی سے ہٹ کر ڈرائنگ روم میں آگئی اور ایک قدِآدم شیشے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اس نے بھرپور نگاہ اپنے اوپر ڈالی۔ ساڑی کے پلّو کو ٹھیک کیا، بالوں کو آراستہ کیا، اور پھر ذرا اٹھلا کے ایک قدم پیچھے ہٹی۔ اسی وقت کسی نے گھنٹی بجائی۔ نہ جانے اس کا دل کیوں دھڑک اٹھا۔ ضرور جگدیش ہوگا، اس نے دروازہ کھولا — اور جگدیش داخل ہوا۔ جگدیش کی حجامت بڑھی ہوئی تھی — وہ کئی دنوں سے سویا نہیں تھا۔ آنکھوں کے نیچے گڑھے پڑ گئے تھے اور چہرے پر ایک مردنی چھائی ہوئی تھی۔ جگدیش اتنا اداس، غمگین اور مسکین دکھائی دے رہا تھا کہ ہیرا کا دل پگھل گیا۔

"مجھے افسوس ہے، تمہاری کملا مرگئی۔"

جگدیش نے یہ فقرہ سُنا اور خاموش رہا۔ اس نے یہ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ اس کی کملا مری نہیں بلکہ ماردی گئی ہے اور اس کا مارنے والا اس کے سامنے کھڑا رہے۔

"مجھے معلوم تھا تم آؤگے — اور میں اسی لئے نہیں آئی کہ لوگ کیا کہیں گے؟" وہ جانتی تھی کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے اور اس کا فقرہ بے معنی ہے۔

'کیا اسے سب کچھ بتا دوں؟ سب کچھ کہدوں؟' — جگدیش نے سوچا۔ 'کتنا معصوم اور بھولا اور سیدھا ہے یہ لڑکا' — ہیرا نے اس کی

طرف دیکھ کے سوچا۔ اس کے لئے میں اپنا سب کچھ دیدوں گی۔ اپنی جان تک دے ڈالوں گی!

ہیرا نا واقف تھی کہ جسے وہ معصوم اور بھولا اور سیدھا سمجھ رہی ہے اس کا ایک روپ اور بھی ہے ۔ لیکن دوسرے کے دل کی بات کون جانتا ہے؟ کون جانتا ہے کہ جب ہم زبان سے یہ کہتے ہیں ۔۔ 'میری جان میں تم سے والہانہ محبت کرتا ہوں'، تو اس وقت ہمارا دل و دماغ کیا سوچتا ہے! ہماری نگاہوں میں کس کی صورت سمائی رہتی ہے؟ جب ہم کسی کا بوسہ لیتے ہیں تو اسے کیا معلوم کہ ہم نے اپنے ہونٹوں سے کس کے تصوّر کو بوسہ دیا ہے۔ ہم اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، بولتے چالتے اس قسم کے متضاد افعال کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔

جگدیش نے ایک لمحہ کے لئے ہیرا کے گداز سینے کی طرف دیکھا۔ اس دلنواز گھاٹی کی طرف نگاہ ڈالی جو گردن سے ذرا نیچے جاکر بلاؤز میں چھپ گئی تھی۔ اور ہیرا اس انداز سے بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ گھاٹی جگدیش کو نظر آسکے ۔۔ ۔۔ 'اس کی کملا مر گئی۔ اُسی نے اپنے ہاتھوں سے اسے مار ڈالا لیکن اس کے باوجود اس کا دماغ اس نرم ڈھلان کی طرف مائل ہے'۔۔ اس کے دماغ نے اسے کچوکا لگایا۔ وہ اپنے آپ کو کوسنے لگا۔ لیکن پھر اس کے خیالات بھٹکنے لگے ۔۔ اسے ان نرم ڈھلانوں سے محبت ہے یا ہیرا کے روپوں سے؟ کیا اسے یہ جسم پسند ہے ۔۔ یہ نرم نرم باہیں، یہ مضبوط اور توانا پنڈلیاں، یہ بھرپور رانیں، یہ گوشت اور پوست کا بھرا ہوا جسم؟۔۔ نہیں! محبت تو اسے کملا سے تھی ۔۔ لیکن پھر ہیرا سے کیا تھا؟ .... شاید محبت نہ تھی، جسم کی مانگ کا ایک جذبہ تھا ۔۔ یہ کس قسم کا جذبہ ہے اور

کیوں ہے؟ اس جذبے کا کیا نام ہے؟ یہ کیوں اس کے ذہن میں چکر لگاتا رہتا ہے؟'

ادھر ہیرا اب صوفے پر لیٹ گئی تھی اور سگرٹ پی رہی تھی۔ جب کبھی ہیرا سگرٹ پیتی، اسے ذرا اچھی نہ لگتی۔ جب کبھی ہیرا باتیں کرتی، اسے کبھی اچھی نہ لگتی۔ جب کبھی ہیرا ہنستی، اسے بالکل اچھی نہ لگتی۔ لیکن جب ہیرا خاموش رہتی اور اسے اپنے وجود کا احساس دلانے کی کوشش نہ کرتی تب شاید وہ اسے اچھی لگتی تھی۔ لیکن جب وہ اپنے روپوں، اپنی کوٹھی اور اپنی کار کا احساس کراتی تو وہ اس سے نفرت کرنے لگتا تھا۔ یہ درست ہے کہ جگدیش اسے پسند کرتا تھا، لیکن محبت نہ کرتا تھا۔ اس نے سوچا، محبت میں ایک نرمی ہوتی ہے، ایک دوسرے کو پہچاننے کی کوشش ہوتی ہے، ایک دوسرے کو سمجھنے کی لگن ہوتی ہے۔

یکایک ہیرا کی آواز اس کے کانوں میں سُنائی پڑی۔

"اب یہ سوگ کتنے دن اور مناؤ گے"؟ ہیرا نے سگرٹ پھینکتے ہوئے کہا۔ "میرے قریب کیوں نہیں آتے ہو۔ کیا میں اب اچھی نہیں لگتی"؟ ہیرا وہیں بدستور صوفے پر لیٹی رہی ——

'شاید ہیرا نے ٹھیک کہا ہے، جگدیش نے سوچا۔ کئی بار انسان اپنے متعلق صحیح بات کہہ دیتا ہے'۔ واقعی اب ہیرا اسے اچھی نہ لگتی تھی۔ شاید اسے کبھی اچھی نہ لگتی تھی۔ صرف وہ اس سے، اس کی دولت سے مرعوب ہوگیا تھا۔ اس عورت میں جسمانی دلکشی ہے، لیکن روح نادارد ہے... لیکن روح کیا ہوتی ہے؟ اس کی اپنی روح کہاں ہے؟ جو وہ دوسروں کی روح کو تلاش کرتا پھرتا ہے'۔

"مجھے اب تم سے کسی قسم کی شکایت نہیں"۔ ہیرا نے اُٹھ کر کہا۔ "میں تم سے کہنے والی تھی کہ اب ہم شادی کر لیں ۔ اور مجھے امید ہے تمھیں بھی اب کوئی اعتراض نہ ہوگا ۔۔ تم اب شیو کر ڈالو ۔"

اس نے ہیرا کی طرف دیکھا ۔ واقعی جب ہیرا باتیں کرتی تھی تو اپنا سارا وقار کھو بیٹھتی تھی ۔۔ شادی کی بات کے بعد اس نے فوراً کہہ دیا تھا 'اب شیو کر ڈالو'۔ جیسے شیو اور شادی میں کوئی فرق نہ تھا ۔ جیسے اس کی نگاہوں میں دونوں کی ایک اہمیت تھی ۔

"پہلے شادی کر لوں یا شیو ؟" اس نے بڑی تلخی کے ساتھ ہیرا سے پوچھا ۔ لیکن ہیرا نے شاید سُنا نہیں یا اَن سُنا کر دیا ۔ وہ کہتی گئی ۔

"بس ہم شادی کر لیں گے ۔ اور جانتے ہو ہم ہنی مون منانے کے لئے کہاں جائیں گے ؟ ہم شادی کے فوراً بعد ہنی مون کے لئے ماتھران جائیں گے"۔ ہیرا نے پیار بھری نگاہوں سے جگدیش کی طرف دیکھا ۔

لیکن کیا وہ ان پیار بھری نگاہوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا ؟ کیا اب بھی اسے یہ آنکھیں اور نگاہیں پسند تھیں ؟ کیا یہ شانِ دلربائی اب بھی اسے عزیز تھی ؟

"میں تمھیں یہ بتانے آیا ہوں کہ ۔۔ میں تم سے شادی نہیں کر سکتا"۔ ہیرا جو بیٹھی ہوئی تھی ، چونک کر کھڑی ہو گئی ۔۔ اور اس کے منھ سے بیساختہ نکلا ۔

"کیوں ؟"

"اس لئے کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا ۔۔ تم محبت کے قابل نہیں"۔ یہ فقرہ ہیرا کے لئے نیا نہ تھا ۔ وہ کتنی بار اس فقرے کو سن چکی تھی ۔

کتنی بار خود اس نے اس فقرے کو ادا کیا تھا۔ لیکن اس وقت وہ جگدیش سے یہ فقرہ سننے کو تیار نہ تھی۔ وہ ہرگز نہ چاہتی تھی کہ کوئی اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے، اسے ننگا کر دے اور اس کا اصلی روپ اسے دکھا دے۔

"تم جھوٹ کہتے ہو! تم ..... تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔" اس نے گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دینے کی کوشش کی۔

"میں تم سے قطعی محبت نہیں کرتا اور تمھیں یہ بتانے آیا ہوں کہ میں نے کبھی تم سے محبت نہیں کی۔ میں نے تمھیں ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں چاہا۔ ہاں تم نے مجھے اپنے روپیوں سے خرید ضرور تھا اور میں نے اپنے آپ کو فروخت کر دیا تھا۔ اور یہی میری غلطی تھی۔ میں اپنا گھر چھوڑ کے ایک نیا گھر بنانے آیا تھا، لیکن یہاں آکر میں نے اپنا سب کچھ اجاڑ دیا۔ اپنے اور تمھارے تعلقات کے بارے میں سچ صرف اتنا ہے کہ کملا کے آنے سے پہلے مجھے تمھارے خاموش جسم کی چاہ تھی ـــ بس جسم کی چاہ، اور کچھ نہیں۔ اور اب وہ بھی ختم ہو گئی۔"

ہیرا نے دیکھا اس کا بنا بنایا محل مسمار ہو رہا ہے ـــ اس نے اس محل کی خواب گاہ کو بچانے کی کوشش کی۔

"تمھیں کیا ہو گیا ہے، جگدیش؟" وہ قریب آکر بولی۔ "میں تمھارے لئے سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہوں ـــ تم جو کچھ کہو گے، کروں گی تمھیں کس بات کا ڈر ہے؟ میرے پاس سب کچھ ہے۔"

"لیکن میرے پاس کچھ نہیں رہا ہیرا۔" اور جگدیش کا چہرہ برف کی طرح سفید ہو گیا، جیسے ہزاروں لاکھوں جونکوں نے اس کا سارا خون چوس لیا ہو۔

"تمھارے پاس سب کچھ ہے۔ تم پڑھے لکھے ہو۔ ایک فلم کے ہیرو ہو۔

آگے کام ملے گا اور کام نہ بھی ملے تو کیا پروا ــ ابھی میں زندہ ہوں "۔

"لیکن اب میں زندہ نہیں ہوں ــ میرے پاس اب کچھ نہیں رہا "۔

"تم اس وقت کیسی باتیں کر رہے ہو جگدیش ؟ تم کو کیا ہو گیا ہے ؟"

" ہیرا کیا تم ایک لاش سے شادی کرو گی؟"

" لاش ؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو ؟"

"ہاں، ایک لاش ــ میں مر چکا ہوں کیونکہ میرے اندر رحم، انصاف، انسانیت سب کچھ مر چکی ہے ــ میں نے اپنے انہیں ہاتھوں سے محبت کا خون کیا ہے ــ میں خونی ہوں "۔

"خونی ؟"

ہاں ــ میں خونی ہوں ــ میں نے کملا کا خون کیا ہے "۔

"کملا کا خون ؟" ــــ ہیرا کا خون ایک ساتھ سرد پڑ گیا۔ غیر شعوری طور پر وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"کملا خود نہیں گری بلکہ میں نے اسے گرا دیا ــ اپنے انہیں ہاتھوں سے گرا دیا تاکہ میں تم سے روپے لے کے زندہ رہ سکوں ــ ان روپیوں سے اپنی ماں اور بہن کو زندہ رکھ سکوں "۔

"لیکن کسی نے تمھیں کملا کو گراتے ہوئے تو نہیں دیکھا ؟ پولیس کو تو اس بات کا علم نہیں ہوا ؟"

" ابھی تک نہیں "۔

"تب کوئی بات نہیں "۔ ہیرا نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ "پھر تم کیوں ڈرتے ہو ؟ ــــ جگدیش کیا اب بھی تم یہ کہو گے کہ تمھیں مجھ سے محبت نہیں، پیار نہیں ؟ جگدیش سوچو تو ــ کیا مجھے پانے کے لئے تم نے یہ سب

یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ آدمی کے دو روپ کیوں ہیں؟ ایک معصوم، کومل، پیارا اور نیک۔ دوسرا بدنیت، مکروہ، قاتل اور گنہگار ـــــ یہ گناہ کیا ہے؟'

اس نے کملا کی طرف دیکھا جو کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ کھڑکی کی چوکھٹ کے درمیان رسّی تنی ہوئی تھی اور اس پر تولیہ، دھوتی اور قمیض لٹک رہی تھی ـــــ جگدیش کا دل ایک ساتھ زور زور سے دھڑکنے لگا ـــــ 'شاید کملا ابھی رسّی سے کپڑے اتارے گی' ـــــ اس کی ٹانگیں کپکپانے لگیں۔ وہ صوفہ پر جاکر بیٹھ گیا ـــــ یکایک اسے آنکھ کے کونے سے دکھائی دیا ـــــ کملا نے پلنگ کے پائے پر پاؤں رکھا.... وہ پلنگ پر چڑھ گئی ـــــ 'اب وہ اُچک کر رسّی سے ضرور کپڑے اتارے گی' ـــــ اس کا دل خوفناک آواز کے ساتھ دھڑکنے لگا۔ اس کی چھاتی پھٹنے لگی ـــــ اس نے دوسری طرف آنکھیں پھیر لیں۔ لیکن دوسرے لمحے پھر کوئی اس کی آنکھ کے کونے سے دیکھ رہا تھا ـــــ 'کملا کا ہاتھ کھڑکی کی چوکھٹ پر ہے ـــــ وہ اچک کر کھڑک کی طرف جھک رہی ہے ـــــ نیچے گلی ہے اور سڑک پکی ہے اور یہ کھڑکی چھ ستے فلور پر ہے۔ یہاں سے گرتے ہی....! نہیں۔ نہیں.... یہ جرم ہے، یہ خون ہے یہ بربریت ہے' ـــــ یکایک اس کے کانوں میں ڈھول سے بجنے لگے۔ اس کا سینہ ان آوازوں کی دھمک سے کھوکھلا سا ہو گیا ـــــ کسی کی سخت مگر دبی دبی سرگوشی اس کے کانوں میں گونجنے لگی ـــــ 'اب وقت ہے.... اب موقع ہے.... یہ موقع پھر نہیں آئے گا ـــــ کبھی نہیں آئے گا۔ کملا کا جسم ایک پاؤں پر تلا ہوا ہے..... ایک لمحہ بعد وہ رسی سے کپڑے اتار کر نیچے آجائے گی.... پھر سب کچھ ختم ہو جائے گا...... موقع بھی اور الجھنوں سے چھٹکارا پانے کی آس بھی..... اس لئے آگے بڑھو.... کچھ زیادہ

کرنے کی ضرورت نہیں... بس ایک دھکا... ہلکا سا دھکا... اس اچکتے ہوئے قدم کو اوپر کو دھکیل دو... دھکیل دو... کوئی نہیں ہے۔ کوئی نہیں دیکھے گا ـــ دروازے بند ہیں ـــ صرف کھڑکی کھلی ہے ـــ صرف کھڑکی کھلی ہے... اُٹھو، بڑھو ـــ اور جیسے ہزاروں لاکھوں وحشی دف بجاتے ڈھول پیٹتے عجیب و غریب آوازیں کرتے بڑھنے لگے ـ جگدیش کے کانوں میں خوفناک قہقہے اور آوازیں گونجنے لگیں... اس کی ٹانگیں سیدھی ہوگئیں۔ اس کی پتلیاں حلقوں سے باہر آگئیں... یکایک اس کے ہاتھ کو حرکت ہوئی۔ اس کا ہاتھ کسی کے جسم سے ٹکرایا ـــ ایک اُچکتا ہوا پاؤں اوپر اٹھا۔ کسی کے بازو کھڑکی کے خالی چوکھٹے میں جھٹپٹاتے نظر آئے۔ ایک کالا سایہ سا کھڑکی میں سے گرتا دکھائی دیا اور پھر یکایک کھڑکی خالی ہوگئی ـــ دوسرے ہی لمحے ایک دل شگاف چیخ سُنائی دی اور اس کے ساتھ لوگوں کا بڑھتا ہوا شور ـــ کملا نیچے فرش پر جا گری تھی۔

ننگے سر، اندھا دھند سیڑھیاں پھلانگتا ہوا جگدیش کچھ ہی لمحوں میں نیچے سڑک پر پہنچ گیا ـــ اس کی کھڑکی کے نیچے ایک مجمع لگا ہوا تھا اور اس مجمع کے بیچ میں کملا خون میں لت پت پڑی تھی۔

"کیا ہوا؟" کسی نے پوچھا۔

"پاؤں پھسل گیا۔" کسی نے جواب دیا۔

"ہائے اب بیچاری کا بچنا مشکل ہے" ـــ کسی نے اظہارِ تاسف کیا۔

جگدیش دوڑتا ہوا گیا اور ایک ٹیکسی لے آیا۔ کملا بیہوش پڑی تھی اور خون سر سے بہہ رہا تھا۔ جگدیش کے ساتھ کچھ لوگوں نے کملا کو اُٹھا کے ٹیکسی میں رکھا اور ہسپتال کی طرف چل دیے۔

ہسپتال میں کملا کو دیکھتے ہی ڈاکٹر نے کہا — "امید بہت کم ہے۔ ویسے کوشش پوری کریں گے۔"

کوشش کی گئی لیکن کملا کو ہوش نہ آیا — مرنے سے پہلے صرف ایک بار وہ بولی۔ "جگدیش"۔ غشی کی حالت میں۔ شاید وہ اُسے آخری بار دیکھنا چاہتی تھی۔ اس آواز کو سنتے ہی جگدیش کا سارا جسم لرز اُٹھا۔ اس کی روح کانپ اُٹھی — اس کا خون رگوں میں منجمد ہوگیا۔ "اگر یہ آنکھیں کھل گئیں تو؟ لیکن آنکھیں کھل نہ سکیں — وہ بند رہیں اور اسے دیکھنے کی تمنا لئے ہوئے ہی ہمیشہ کے لئے بند ہوگئیں۔

ڈاکٹر نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا — "poor husband"

جگدیش وہاں زیادہ دیر نہ رک سکا۔

یہاں سے اسے تھانے جانا پڑا۔

پولیس انسپکٹر نے پوچھا — "مرنے والی تمہاری کون تھی؟"

"میری بیوی۔"

"شادی کب ہوئی؟"

"ایک سال پہلے" اس نے یونہی کہدیا۔

"کیا آپس میں کوئی جھگڑا ہوا تھا؟"

"کوئی نہیں۔"

"پھر گری کیسے؟"

"میں صوفہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ کھڑکی میں بندھی ہوئی رسّی سے کپڑے اتار رہی تھی — کپڑے اتارنے کے لئے یہ اُچکی، لیکن اپنا جسم نہ سنبھال سکی۔ چوکھٹ سے ہاتھ ہٹ گیا اور جسم کھڑکی سے نیچے...... میں نے

ایک چیخ سُنی . . . . نیچے گیا تو دیکھا خون میں لت پت بیہوش . . . . !"
انسپکٹر مطمئن سا ہو گیا ــــ ایک دو سوال اور پوچھ کر اس نے کہا۔
"تم جا سکتے ہو ــ لاش تمھیں مل جائے گی"۔
سر جھکائے ہوئے جگدیش تھانہ سے باہر نکلا۔

۳۷

لاش ملنے کے بعد جگدیش اور اس کے دوستوں نے کملا کو آگ کے سپرد کر دیا۔

'تو جو کام اسے کرنا تھا' اس نے کر ڈالا ــــ کملا جو اس کے تمام مصائب اور اس کی تمام الجھنوں کا سبب تھی، ختم ہو گئی۔ اب اس کی زندگی آرام اور چین سے گذرے گی۔ اب دل کو سکون حاصل ہو جائے گا۔ وہ راحت جس کے لئے وہ بے چین ہو رہا تھا، اسے مل جائے گی'۔ اس المناک موت کا جس جس کو پتہ لگا، وہ اظہارِ افسوس کرنے آیا لیکن ہیرا اُسے ملنے نہ آئی۔ وہ جانتا تھا کہ ہیرا اس سے ملنے نہ آئے گی۔ اُسے خود اس کے پاس جانا پڑے گا اور اسے بتانا پڑے گا کہ اس نے وہ سب کچھ کر ڈالا ہے جو وہ کرانا چاہتی تھی ــ لیکن یہ اس نے کیا کر ڈالا ــ وہ کیا کرنے اور کیا بننے آیا تھا اور کیا کچھ بن گیا؟ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس نے یہ قتل کیسے کیا؟ اس کے ہاتھ اس وقت کیسے اٹھے؟ وہ تو صوفہ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا . . . . وہ کون تھا جس نے اسے ترغیب دی تھی کہ اب موقع ہے، دھکا دے دو؟' اور اس کے ہاتھ یکبارگی اُٹھے اور کسی کی

اُچکتی ہوئی ٹانگوں کو دھکا دیدیا ـــــ یہ سوچتے ہی اس کے ماتھے پر پسینہ آگیا! اس نے انسپکٹر سے کہا تھا کملا اس کی بیوی تھی ۔ تو اس نے اپنی بیوی کو مار ڈالا؟ اپنی محبوبہ کو مار دیا ـــــ 'ہاں' کملا اس کی محبوبہ ہی تو تھی . . . . . یہ اسی کی ساڑی ہے . . . . یہ کملا ہی کی چولی ہے . . . . یہ کملا کی کنگھی ہے۔ یہ کملا کا بلاؤز ہے۔ یہ اس کے کلپ ہیں . . . . یہ اس کی قینچی ہے . . . . اس کا یہ ٹرنک ہے ۔ لیکن کملا کہاں ہے؟ کملا یہاں نہیں ہے ۔ وہ مرگئی ہے ـــ نہیں . . . . اسے مار دیا گیا ہے ۔ لیکن وہ مری نہیں ہے ـــ وہ موجود ہے ۔ یہ اس کی ہنسی ہے ۔ دیکھتے نہیں یہ اس کے سیاہ بال ہیں ۔ یہ اس کے ہونٹ ہیں ۔ یہ اس کا مُنھ ہے ۔ یہ اس کا پیٹ ہے ۔ یہ اس کی شلوار ہے ۔ یہ اس کی ٹانگیں ہیں ۔ یہ اس کے پاؤں ہیں ۔ وہ کہاں مری ہے؟ وہ زندہ ہے ۔ وہ ہمیشہ زندہ رہے گی ۔ وہ اس کے مارنے کے بعد بھی زندہ رہے گی' ـــ اور جیسے ہزار دن قہقہے اس کے دماغ میں گونجنے لگے ۔ اس کی ناکامیابی پر زور زور سے قہقہے لگانے لگے ۔ 'تم اسے مارنا چاہتے تھے ۔ ہا، ہاہا' ـــ اور پھر ایک شور وغل سنائی دیا' جیسے ڈھول پیٹے جارہے ہوں اور شور بڑھتا چلا آرہا ہو ـــــ 'یہ غوغائے عظیم کہاں سے آرہا ہے؟ یہ دماغ اور کانوں میں کس کی چیخیں ہیں؟ یہ آوازیں کس کی ہیں؟' اس کا گلا خشک ہو رہا تھا ۔ اس کا دل بیٹھا جارہا تھا ۔ اسے لگ رہا تھا جیسے دل کی حرکت بند ہو جائے گی ۔ اس کا سانس اکھڑنے لگا تھا ـــ اس کے تسلسل میں فرق آگیا تھا ۔ 'میرا سانس ، میرا دم گھٹا جارہا ہے' ـــــ اور وہ قہقہے ، وہ مسلسل شور' اور نزدیک آرہا تھا ۔ اس نے اپنے کانوں کو انگلیوں سے بند کرلیا ـــــ 'اب یہ شور بند ہو جائے گا ۔ اب کوئی آواز نہیں آئے گی ۔ کان بند ہوگئے ہیں ـــ لیکن یہ دماغ کے پردوں پر کون ڈھول پیٹ رہا ہے؟

آوازیں بدستور آ رہی ہیں اور ڈھول اسی طرح پیٹے جا رہے ہیں.... شاید کسی شیر کا شکار کیا جا رہا ہے.... ڈھول پیٹ کر اور شور مچا کر شیر کو مچان کی طرف لایا جا رہا ہے.... شیر مجبور ہو کر مچان کی طرف آ رہا ہے...... شیر مچان کے سامنے آ گیا ہے ــ بندوق کی نال اس کی کنپٹی کا نشانہ باندھ رہی ہے ــ 'ٹھائیں' ــ بندوق کا فائر گونج اُٹھا ــ 'چیخ مار کر جگدیش نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا ــ 'گولی کہیں دماغ کو چیرتی ہوئی تو نہیں نکل گئی' ــ اس کا جسم خوف سے شل ہو گیا ــ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے ــ اس کا دل ڈوبنے لگا ــ وہ سوچنے کی کوشش کرنے لگا ــ لیکن دماغ کچھ نہیں سوچ سکتا ــ دماغ سُن ہے ــ دماغ ہوا میں معلق ہے ــ دماغ ماؤف ہو گیا ــ اب سوچ نہیں سکتا ــ کوئی خیال اس میں پیدا نہیں ہو سکتا ــ 'پھر کیا ہو گا؟ وہ کیا کرے گا؟ ــ کہاں جائے گا ــ شاید آخری وقت آ گیا ــ میرا آخری وقت آ گیا' ــ اور ایک بوجھل غشی، ایک بے خیالی، ایک بیہوشی اس پر طاری ہو گئی ــ اس کے حواس سو گئے ــ اسے معلوم نہیں وہ کس طرح اور کتنی دیر اس حالت میں بیٹھا رہا لیکن جب اسے ہوش آیا' اور وہ جاگا تو صبح ہو چکی تھی ــ وہ ابھی تک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا ــ اس کا سارا جسم ایک گہری نقاہت سے بوجھل تھا ــ اس نے اُٹھنے کی کوشش کی ــ ہاں اب وہ ہاتھ پاؤں تو ہلا سکتا تھا ــ لیکن اس کا سر بہت بھاری تھا ــ گلا ابھی تک خشک تھا ــ آنکھیں پیچھے کو کھنچی ہوئی سی تھیں ــ نسیں تنی ہوئی تھیں، دماغ ایسے بوجھل تھا جیسے کسی نے لوہا بھر دیا ہو ــ 'یہ دماغ اس قدر بھاری کیسے ہو گیا' ــ وہ کمرے سے باہر نکلا ــ باہر وہی بوڑھا کرسچین بیٹھا تھا ــ وہی پر معنی نگاہیں، سفید سفید مونچھیں، سیاہ چہرہ، سر پہ سولا ہیٹ، اور ٹانگوں

میں نیکر۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں کرسی پر براجمان تھا۔ کریسچین نے اس کی
طرف اس طرح دیکھا جیسے وہ آنکھیں کہہ رہی ہوں ۔ 'میں نے دیکھ لیا تھا۔
تمہارا دروازہ کھلا تھا ۔ تم نے اسے دھکا دیکر گرادیا ۔ تم نے!' ۔ اسے
محسوس ہوا جیسے اس کے لب ابھی ہلیں گے ۔ اور وہ یہ سب باتیں اس
سے کہے گا۔ لیکن کریسچین اپنی جگہ بیٹھا رہا۔

گھر سے نکل کر جگدیش دن بھر سڑکوں پر آوارہ گھومتا رہا۔ اس نے
دن بھر کچھ نہ کھایا۔ بس ایک بار چائے پی ۔ اور کچھ نہیں ۔ اس کی بھوک
مر گئی تھی ۔ اس نے سوچا تھا کہ کملا کو مار کر وہ ایک نئی زندگی شروع کریگا۔
لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی ۔ اس کی روح مجرموں کی طرح لرزتی، چھپتی
چھپاتی پھر رہی تھی ۔ وہ چلتے چلتے ٹھٹھک جاتا تھا اور راہگیروں کو دیکھنے لگتا
تھا۔ کوئی پولیس کا سپاہی ملتا تو وہ گھبرا جاتا۔ 'اگر کملا مرنے سے پہلے کچھ
کہہ جاتی، اگر اسے ہوش آجاتا۔ تو؟ ۔ تو اچھا ہی ہوتا ۔ وہ جیل میں ہوتا۔
اسے اپنے کئے کی سزا مل جاتی ۔ وہ کم از کم اس ذہنی کیفیت سے، اس
احساسِ گناہ سے، سزا کے اس خوف سے تو نجات پا جاتا'۔ وہ چلتا گیا۔
چلتا گیا ۔ وہ صبح سے چل رہا تھا۔ اسے کچھ علم نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے
کیا کر رہا ہے۔ بس وہ چلا جا رہا تھا ۔ دھوپ میں چلا جا رہا تھا۔ چھاؤں
میں چلا جا رہا تھا۔ فٹ پاتھ پر چلا جا رہا تھا۔ ریستوران میں بیٹھے بیٹھے
چلا جا رہا تھا۔ بس سٹاپ پر کھڑے چلا جا رہا تھا۔ وہ چلا جا رہا
تھا اور لوگ بھی چلے جا رہے تھے اور عمارتیں اور سڑکیں بھی چلی جا رہی
تھیں ۔ آج سب چیزیں چلے جا رہی تھیں ۔ کیوں، کس لئے، کہاں کو؟
کچھ معلوم نہیں ۔

۳۸

ابھی تک سورج سمندر میں غروب نہ ہوا تھا۔ اس کا گول سا چہرہ پانی کی سطح پر لرز رہا تھا۔ 'نہ جانے اس وقت سورج کی کرنیں کہاں چلی گئی ہیں' ہیرا نے بالکونی میں کھڑے ہوکر سوچا۔ وہ تیز اور نکیلی کرنیں جو دوپہر کے وقت گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتیں، اس وقت بے حس اور بے جان سی ہو گئی تھیں۔ لیکن دور آسمان کا کنارا ارغوانی ہوگیا تھا ــــ اب سورج آہستہ آہستہ پانی میں ڈبکیاں لے رہا تھا۔ ایک دو ہچکولوں کے بعد سورج واقعی سمندر میں مکمل طور پر ڈوب جائے گا اور آہستہ آہستہ وہ ارغوانی شفق بھی غائب ہو جائے گی۔ اور اندھیرا اپنا دامن پھیلا کے ساری دھرتی کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا۔

ہیرا کملا کی موت کی خبر سن چکی تھی۔ اس خبر کو سن کر اس کے دل میں ایک لمحہ کے لئے خیال آیا کہ کاش کملا نہ مرتی ــ لیکن دوسرے لمحے وہ خیال اس ارغوانی شفق کی طرح اندھیرے میں تحلیل ہو گیا۔ اِس زندگی کی کشمکش میں کئی بار اس کے ذہن کی چادر پر اچھے اور نیک خیالات کے نقش اُبھر کر آئے۔ ضمیر کی آواز ابھری۔ لیکن جلد ہی یہ نقش اور یہ آواز دنیا کے شور و شغب میں غائب ہوگئیں۔ 'شاید کملا کو مرنا ہی تھا' اسے اس بات کا ابھی تک علم نہ تھا کہ کملا کو مارا گیا تھا یا کملا کی موت کے لئے کچھ حد تک وہ بھی ذمہ دار تھی۔ اسے تو اس بات کا احساس تھا کہ ان دونوں کے درمیان جو دیوار حائل تھی، وہ گر گئی ــ جگدیش کو وہ کیوں چاہتی تھی، کیا وہ واقعی جگدیش کو چاہتی تھی، یا جگدیش اس کو چاہتا تھا ــ اس پر اس نے غور کرنے

کچھ نہیں کیا۔ تم نے جو کچھ کیا ہے۔۔ صرف مجھے پانے کے لئے کیا ہے"۔ اور ایک لمحہ کے لئے ہیرا کا چہرہ چمک اُٹھا۔ اس کا دل خوشی سے لبریز ہوگیا۔ کیونکہ ایک شخص نے اسے پانے کے لئے اپنی محبوبہ کو قتل کر دیا تھا۔

"کاش یہ سب کچھ سچ ہوتا۔۔ کاش مجھے تم سے محبت ہوتی تب میں فخر سے تختۂ دار پر چڑھ جاتا اور مجھے قطعی افسوس نہ ہوتا۔ لیکن میں نے تمہارے لئے، اپنی محبت کے لئے یہ سب کچھ نہیں کیا۔ میں نے صرف روپے حاصل کرنے کے لئے کملا کو مار ڈالا۔۔ ان چند حقیر سکوں کے لئے جن کا منبع اعظم تم ہو! ہیرا مجھے تم سے نفرت ہوگئی ہے۔۔ بے انتہا اور لامحدود نفرت"۔

"بھول جاؤ اس قصے کو جگدیش ۔۔۔ اس دنیا میں انسان زندہ رہنے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا۔۔ میں نے اپنا جسم بیچ دیا۔۔ اپنا ضمیر بیچ دیا۔ اپنی عزت بیچ دی۔ اور اس کے عوض جو کچھ ملا وہ تمہیں دے دیا۔۔ آؤ میرے قریب آؤ تاکہ میں تمہیں اپنے سینے سے لگا لوں اور اس نفرت اور غم کو سدا کے لئے چوس ڈالوں جو تمہارے چاند سے چہرہ کو گہنائے دے رہا ہے"۔ اور ہیرا نے اپنی باہیں جگدیش کی طرف پھیلا دیں۔

جگدیش نے ان باہوں کی طرف دیکھا جن کی ہلکی ہلکی آنچ اسے اپنی گرفت میں لینا چاہتی تھی۔ ان چھاتیوں کی طرف دیکھا جن کا زیر و بم اسے اپنے اندر مدغم کرنے کی دعوت دے رہا تھا۔۔۔ ہیرا اب دوسری طاقت آزما رہی ہے۔۔ اپنے گداز اور خوبصورت جسم کی طاقت ۔۔۔ لیکن وہ کیا ہے؟ اس نے ایک عورت کا، اپنی محبوبہ کا خون کر دیا ہے اور پھر بھی وہ ان بانہوں کو دیکھ رہا تھا۔ ان چھاتیوں کے گداز ابھاروں سے محظوظ ہو رہا تھا۔۔ وہ واقعی انسان نہیں ہے یا اب وہ انسان نہیں رہا ہے یا بنیادی طور پر اس کی

انسانی شخصیت میں کوئی خامی رہ گئی ہے ــــ وہ ایک جانور ہے ــ کتے کی طرح' سؤر کی طرح، خرگوش کی طرح'۔

' اور یہ ہیرا ــ یہ عورت کیا ہے؟ یہ بنیادی طور پر عورت نہیں ہے۔ اس میں ممتا نہیں ہے۔ اس میں ایثار نہیں ہے۔ قربانی کا جذبہ نہیں ہے محبت کی نرمی اور انسانیت کی کوملتا نہیں ہے ــ یہ محض ہوس ہے خالص شہوانیت ہے مجسم حیوانیت ہے'۔

ہیرا اس کے سینے کے ساتھ چمٹ گئی۔ اسے بانہوں میں بھینچ لیا۔ اس کے گداز سینے کی ہلکی ہلکی آنچ اس کے جسم میں سرایت کرنے لگی۔ اس نے اپنے آپ کو ایک جھٹکا دیکر ہیرا سے الگ کر لیا۔

ہیرا پھر اس کی طرف لپکی، اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا ــ " بیٹھ جاؤ جگدیش' میری بات سن کر جاؤ ــ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ میں تمھیں ہرگز نہ جانے دونگی"۔ اور ہیرا بالکل اس کے سامنے، اس کے راستے میں آ کے کھڑی ہو گئی۔

اس نے ایک نظر ہیرا کو سر سے لیکر پاؤں تک دیکھا ــ 'یہ کون ہے؟ اس کے میرے درمیان کیا رشتہ ہے؟ کون سی چیز ہے جو مجھے اس کے قریب لا سکتی ہے؟ وہ کونسا میڈیم (Medium) ہے جو ہم دونوں کو ایک دوسرے کے پاس لا سکتا ہے ــــ ہیرا صرف اپنی ضرورت محض اپنی خوشی کو سمجھ سکتی ہے۔ ہیرا اس کرب کو ہرگز نہ سمجھ سکے گی جو میری روح میں سما گیا ہے۔ یہ اس کی سمجھ سے بالاتر ہے' اور یہ سوچتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

" میں اب دوبارہ یہاں کبھی نہ آؤں گا ــــ کبھی نہیں آؤں گا ــ"

"کیوں؟ کیوں؟" ہیرا چیختی ہوئی اس کے پیچھے دوڑی۔ لیکن جگدیش کمرے سے باہر نکل چکا تھا۔

کمرے کے اندر ہیرا کی سسکیاں تھیں۔ لیکن باہر چاندنی کھلی ہوئی تھی اور سمندر لبالب بھرا ہوا تھا۔ چاروں طرف خاموشی بکھری پڑی تھی۔ صرف ناریل کے درختوں میں ہوا ایک غمناک آواز پیدا کر رہی تھی۔

۳۹

جیسے جیسے وقت گذرتا جا رہا تھا، جگدیش کی ذہنی کیفیت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ کملا کے خون کا احساس اس کے ذہن میں یوں جاگزیں ہو گیا تھا جیسے آرا لکڑی میں پھنس جاتا ہے اور جب تک لکڑی کٹ نہیں جاتی، آرا نکل نہیں پاتا۔

کملا کوئی غیر نہ تھی، اس کے اپنے ہی وجود کا حصہ تھی۔ اپنے ہی جذبے کا پرتو تھی۔ اور اپنے سایہ کو کیسے الگ کیا جا سکتا ہے؟ یہ سایہ تو اس کے ساتھ رہے گا، اس کے پیچھے یوں لگا رہے گا جیسے ایک بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے آتا ہے ۔ وہ کوئی پیشہ ور قاتل یا مجرم نہ تھا کہ خون کر کے اسے بھول جاتا۔ یہ خون تو اس کی رگ رگ میں سما گیا تھا۔ اس کی روح میں تحلیل ہو گیا تھا۔ اسے نیند نہ آتی تھی۔ دن اور رات اسی خیال کے زیرِ اثر جاگتا رہتا ۔ نہ اسے بھوک لگتی نہ پیاس۔ اس نے کئی دنوں سے باقاعدہ کچھ نہ کھایا تھا۔ کبھی کبھار بھوک لگتی تھی تو وہ چپکے سے ایرانی ریستوران میں چلا جاتا تھا اور ایک چائے کی پیالی پی آتا اور پھر سوچ میں غرق ہو جاتا۔ وہ جانتا تھا کہ زندگی بھر اس احساسِ جرم سے چھٹکارا پانا اس کے لئے ناممکن ہے۔ زندگی میں اب اس کے لئے رہ بھی کیا گیا تھا؟ اسے اپنے سے نفرت ہو گئی۔ ہیرا نے بھی اس نفرت کو ختم کرنے کی، اسے اس جذباتی دلدل سے نکالنے کی دوبارہ کوشش نہ کی۔ اس نے شاید سوچا کہ جگدیش خود بخود آ جائے گا۔ شاید وہ سمجھتی تھی کہ جگدیش

ہوس کا غلام ہے اس کے بغیر زندہ نہ رہ سکے گا۔ روپیوں کی خاطر ضرور آئے گا ہیرا کو صرف ایک زبان آتی تھی اور وہ تھی سیکس کی زبان ۔ جسم کی زبان ۔ وہ اسی کو استعمال کرنا جانتی تھی اور اسی سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی یہی اس کی زندگی کا پہلا اور آخری حربہ تھا اور اب تک وہ اسی حربے کو آزماتی رہی تھی۔

جگدیش اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہا تھا کہ وہ پھر سے پہلی والی زندگی کو اپنا سکے، لیکن جیسے اس کے اندر کوئی چیز مر گئی تھی، کوئی جذبہ تھا جو سرد پڑ گیا تھا۔ اس کا کسی سے ملنے جلنے یا باتیں کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ ہر وقت اس کا دل اسے ملامت کرتا رہتا تھا اور ضمیر اسے کچوکے لگاتا رہتا تھا۔ اس کا اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا دشوار ہو گیا تھا۔ زندہ رہنے کی خواہش اس کے اندر مر سی گئی تھی۔ زندگی میں کوئی کشش نظر نہ آتی تھی ۔۔ وہ مرنا چاہتا تھا کیونکہ اسے یقین سا ہو گیا تھا کہ موت ہی اسے اس کیفیت سے چھٹکارا دلا سکتی ہے ۔۔ اب وہ زیادہ وقت بازاروں میں گھومنے میں صرف کرتا ۔۔ وہ پوری کوشش کرتا کہ اس کا جی کسی چیز میں لگ جائے۔ وہ بسوں اور ٹراموں کو دیکھتا، دوکانوں میں جھانکتا ۔ عورتوں اور مردوں پر نگاہِ غلط انداز ڈالتا ۔ لیکن کہیں اسے دلچسپی کا سامان نہ ملتا ۔ آخر وہ پھر گھر کی طرف لوٹتا اور جب گھر کی طرف لوٹتا تو اس کے پاؤں ڈگمگانے لگتے ۔۔ ذہن میں خیالات مکھیوں کی طرح بھنبھنانے لگتے۔ اسے ایسا محسوس ہوتا کہ وہ چلتے چلتے گر پڑے گا۔ اس پر فالج پڑ جائے گا، اس کا دماغ پھٹ پڑے گا، اور انہیں اندیشوں اور وسوسوں میں گھرا ہوا جب وہ کمرے میں پہنچتا تو اس کا سانس اکھڑ جاتا ۔۔ وہ ہانپنے لگتا۔ وہ سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے تھک جاتا ۔ کاش کمرہ فرسٹ فلور پر ہوتا ۔ ہاں فرسٹ فلور پر ۔۔ اگر کمرہ فرسٹ فلور پر ہوتا تو کملا بھی کبھی نہ مرتی۔ لیکن کملا تو اب مر گئی ۔۔ کاش وہ اپنے گاؤں میں رہتا، وہیں شادی کرتا یہاں نہ آتا ۔ تب اس کی یہ حالت

کبھی نہ ہوتی۔ رات کے وقت تو اس کی حالت اس سے بھی بدتر ہو جاتی۔ جب چاروں طرف تاریکی اور سناٹا پھیل جاتا تو کملا کے خون کی ساری واردات اس کے ذہن کے پردوں پر مختلف تصویریں بناتی ہوئی ناچنے لگتی۔ کملا کی پوری تصویر ۔ کملا کی باتیں ۔ کملا کی آوازیں ۔ کملا کے کپڑے ۔ اس کا چلنا پھرنا، اس کا کھڑکی کی طرف آنا ۔ جھک کر کھڑکی سے باہر جھانکنا ۔ اس کا دھکا دینا ۔ کھڑکی میں کسی کے ہاتھوں کا سہارے کے لئے تڑپنا اور پھر نیچے سے ایک جانگسل چیخ کا سنائی دینا ۔ یہ تمام باتیں ایک فلم کی طرح اس کے ذہن کے پردے پر عکس ڈالتی گذرنے لگتیں ۔ اور اس کے ماتھے پر پسینہ آجاتا ۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ۔ اس کا جسم بے جان اور بے حس و حرکت ہو جاتا، جیسے وہ مر جائے گا، اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا ۔ ہاں اس کا دل بیٹھ رہا تھا ۔ نبض ڈوب رہی تھی ۔ وہ اپنا ہاتھ نبض پر رکھتا ۔ نبض واقعی اسے کمزور پڑتی ہوئی محسوس ہوتی ۔ چھاتی میں ایک گھٹن سی محسوس ہوتی ۔ دماغ چکر سا جاتا ۔ کاش اس کے پاس کوئی زہر ہوتا، افیون ہوتی ۔ کل وہ افیون لائے گا اور کھا کر سو جائے گا ۔ افیون نہ ملی تو سنکھیا لائے گا ۔ سنکھیا بازار سے مل جائے گا ۔ کاش اس وقت اس کے پاس پستول ہوتا ۔ پستول کتنی کار آمد چیز ہے ۔ بس پستول کو کنپٹی کے ساتھ لگایا اور لبلبی دبا دی ۔ فائر ہوا، اور قصہ تمام !...
کاش کملا کو دھکا دیتے وقت مجھے کوئی دیکھ لیتا ۔ ہاں دیکھ لیتا اور پولیس کو خبر کر دیتا ۔ تب میری یہ حالت تو نہ ہوتی ۔ اس زندگی سے نجات تو مل جاتی ۔ میں زندگی اور موت کے درمیان یوں لٹکا تو نہ رہتا ۔ اور موت کی خواہش طرح طرح کے روپ اختیار کر کے اس کی روح میں پیدا ہوتی رہتی ۔ کاش لوگوں کو پتہ لگ جائے کہ کملا کو میں نے مارا ہے ۔ لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگیں ۔ میرے منہ پر تھوکیں، مجھے کوڑے لگائیں، ہر ممکن طریقے سے ذلیل کریں ۔ تب شاید

میری روح کو، میرے ذہن کو تسکین مل جائے ۔ کاش! ہیرا جا کر پولیس میں اطلاع کر دے ۔ لیکن ہیرا ایسا نہیں کرے گی ۔۔ یہ سب کچھ اسی کا تو کیا دھرا ہے۔ اگر وہ یوں اس کے ساتھ سختی نہ کرتی تو شاید وہ کملا کو کبھی نہ مارتا؟

کملا کا نام ذہن میں آتے ہی کملا کی دو آنکھیں اس کے سامنے آگئیں ۔۔۔ ہاں وہ دو آنکھیں جنہوں نے مرنے سے پہلے اس کو دیکھا تھا۔ وہ آنکھیں اس کی طرف دیکھ رہی تھیں اور پوچھ رہی تھیں ۔ "یہ تم نے کیا کیا جگدیش؟ میں کتنی دور سے چل کر آئی تھی۔ میں تمہیں کتنا چاہتی تھی۔ میں نے تمہارے لئے کیا کچھ نہیں کیا ۔ تمہارے لئے میں نے ماں باپ چھوڑے، شہر چھوڑا۔ سب کچھ گنوایا ۔۔ اور تم نے مجھے مار دیا؟ تم نے جگدیش! کیا اس دنیا میں مجھے مارنے کے لئے کوئی اور نہ تھا؟ ۔تم نے مجھے بتایا تو ہوتا۔ تمہاری خوشی کے لئے تو میں خود تمہاری زندگی سے اُٹھ جاتی" ۔۔۔ اور وہ دو آنکھیں قریب آنے لگیں، واضح ہونے لگیں ۔۔ اس کے چہرے پر جھکنے لگیں، اور چاروں طرف اندھیرا تھا اور سناٹا تھا اور وہ بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اور وہ آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں ۔۔ اب یہ آنکھیں اتنی قریب آگئی تھیں جتنی کبھی نہ آئی تھیں۔ اب آنکھیں چمک رہی تھیں ۔ "لیکن کملا کا باقی جسم کہاں ہے؟ چہرہ کہاں ہے؟ ماتھا کہاں ہے؟ بال کہاں ہیں؟ دھڑ کہاں ہے؟" اس نے گھبرا کر کمرے میں دیکھا ۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے دیواروں کی طرف دیکھا ۔ وہاں بھی اندھیرا تھا ۔ اس نے صوفہ سیٹ کی طرف دیکھا۔ وہاں بھی اندھیرا تھا ۔ "کچھ نظر نہیں آتا ۔ لیکن یہ دو آنکھیں کہاں سے آگئیں؟ یہ کیسے آگئیں؟ کیا مُردے زندہ ہو جاتے ہیں؟ کملا ۔ کیا تم انتقام لینے آئی ہو؟" ۔کسی نے زور سے اس کے ہاتھ پر پنجہ مارا ۔ وہ چیخ کر اُٹھ کھڑا ہوا ۔ وہ ہانپ رہا تھا ۔ اس کا جسم پسینے سے تر بتر ہو گیا وہ دروازے کے

ساتھ لگ کر خوفزدہ نگاہوں سے تاریکی میں تکنے لگا۔ اس کا دل بُری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کا وقت آگیا۔ یہ اس کی زندگی کی آخری رات ہے۔ لیکن یہ کتنی مہیب اور ڈراؤنی رات ہے۔۔ اس نے اپنے بالوں کو پکڑ لیا اور پاگلوں کی طرح نوچنے لگا۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ گلے میں سانس رک گیا۔ "میرا دم گھٹنے لگا، کوئی میرا گلا گھونٹ رہا ہے"۔ اور غیر ارادی طور پر وہ دروازہ پیٹنے لگا۔۔ اس کی گھگھی بندھ گئی۔۔ کوئی چیز اس کی ٹانگوں میں اُلجھ گئی۔ چیخ مار کر اس نے کواڑ کھول دئے اور زینہ کی طرف بھاگا۔۔ یکایک کسی نے اسے تھام لیا۔۔ "کیا بات ہے جگدیش؟"۔۔ اور جگدیش نے مڑ کر دیکھا۔۔ بوڑھا کریسچین اسے پکڑے کھڑا تھا۔۔ عین اسی وقت کمرے سے ایک بلّی نکلی اور اپنے دیدے چمکاتی ہوئی زینے میں غائب ہوگئی۔

بوڑھا کریسچین اسے پکڑ کر کمرے میں لایا۔ صوفہ پر بٹھایا اور کمرے میں بجلی کی بتّی جلائی۔ روشنی ہوتے ہی جگدیش کے حواس ٹھکانے آنے لگے۔ وحشت کا غلبہ اور خوف کا دورہ ہلکا پڑنے لگا۔ اس نے دیکھا کریسچین اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں آج بھی معنی خیز تھیں۔ بیساختہ اس کے منھ سے نکلا۔ "کیا تم جانتے ہو کہ میں"۔ لیکن دوسرے لمحے وہ چپ ہوگیا۔ کیا وہ اسے بتائے کہ بظاہر انسان کے دو آنکھیں ہوتی ہیں، ایک منھ ہوتا ہے، ایک ناک ہوتی ہے، دو ہاتھ اور دو پیر اور ایک سینہ ہوتا ہے۔ لیکن ان کے باوجود اس کے اندر کچھ اور ہوتا ہے۔ بہت کچھ ہوتا ہے جسے کوئی نہیں جانتا۔ جسے صرف وہی شخص جانتا ہے۔ وہی شخص برداشت کرتا ہے۔ کیا تمھیں معلوم ہے میرے ذہن میں کیا ہے؟ مجھ پر کیا گذر رہی ہے؟ تمھاری آنکھیں کہہ رہی ہیں، تم جانتے ہو۔ تم کو سب کچھ معلوم ہے۔ پھر تم پولیس میں جاکر کیوں نہیں کہہ دیتے؟ تم جاکر پولیس کو بتا دو کہ کملا کا قتل میں نے کیا ہے۔ میں نے

اسے کھڑکی سے گرایا تھا ۔ وہ خود کھڑکی سے نہیں گری تھی، بالکل نہیں گری تھی۔ میں نے اسے گرایا تھا ۔"

اور نہ جانے کیسے جگدیش کے لب کھل گئے، اس کے منھ سے آواز نکلنے لگی۔ — وہ کرسچین سے باتیں کرنے لگا — "کملا مرگئی ۔ وہ مرنے سے پہلے نہ بول سکی۔ اگر وہ بول سکتی تو خود کہہ دیتی ۔ پولیس کو ضرور بتا دیتی ۔ وہ اب نہیں رہی ۔ لیکن تم تو ہو — تم تو سدا برآمدے میں بیٹھے رہتے ہو ۔ تم نے تو مجھے کملا کو دھکا دیتے ہوئے دیکھا ہوگا — پھر تم ہی مجھ پر احسان کرو، رحم کھاؤ ۔ تم جا کر پولیس کو بتا دو۔ سارا ماجرا کہہ دو ۔ تم نے اگر یہ کام کر دیا تو مجھ پر زندگی میں سب سے بڑا احسان کروگے ۔ سب سے بڑا احسان ۔" اور پھر اس کی آواز مر گئی ۔ اس کا گلا خشک ہو گیا۔ وہ صوفے پر گر گیا اور بری طرح ہانپنے لگا ۔

کرسچین نے اسے اٹھا کر بستر پر لٹایا ۔ ایک گلاس پانی پلایا اور سونے کی تلقین کر کے بتی بجھا دی ۔

اسے نیند آگئی ۔

۴۰

صبح جب جگدیش سو کر اٹھا تو اس کی طبیعت قدرے ہلکی تھی — شاید یہ اس اعترافِ گناہ کا نتیجہ تھا جو رات اس نے کرسچین سے کیا تھا ۔ مگر اس نے ایک ساتھ کرسچین کے سامنے اپنے جرم کا اقبال کیوں کیا ؟ کس لئے اس کے سامنے اپنا دل کھول دیا ۔ وہ تو اس کے سامنے کچھ کہنا نہ چاہتا تھا ۔ وہ تو اپنے سے بات کر رہا تھا — پھر کیسے اس کے ہونٹ کھل گئے ؟ . . . کیسے بھی ہو، لیکن دل کا غبار نکالنے

سے اس کی طبیعت سنبھل گئی ہے ۔۔ وہ ہلکا محسوس کر رہا ہے ۔۔ تو کیوں نہ اپنے
کسی قریبی دوست سے ملے اور اسے اپنی روح کے کرب کی مکمل داستان کہہ سنائے
۔۔ ہاں، اس طرح وہ ضرور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکے گا ۔۔ مگر کس کے پاس جائے؟
اور یکایک اسے نرائن کا خیال آیا ۔۔ اس کی روح ایک ساتھ نرائن سے ملنے
کے لئے مچل اٹھی ۔۔ وہ فوراً اٹھا اور نرائن سے ملنے چلا گیا۔

جب وہ نرائن کے گھر پہنچا تو نرائن کی چال کے باہر ایک جھمگٹا دیکھا۔ بہت سے
مرد اور عورتیں جمع تھے ۔ "یہاں کیا ہو رہا ہے ؟ ۔۔ کچھ ہو رہا ہوگا ۔۔ تمہیں کیا۔ تم
تو نرائن سے ملنے آئے ہو"۔ اور وہ تیزی سے اس کی کھولی کی طرف بڑھا۔ اس کی
کھولی بند تھی ۔۔ اس نے ایک مزدور سے پوچھا ۔۔ "نرائن کہاں ہے ؟"

مزدور نے اس کی طرف دیکھا۔ ایک لمحہ کے لئے اس کا جائزہ لیا۔ اور پھر اس کا
ہاتھ پکڑ کر بھیڑ کی طرف لے گیا۔ بھیڑ کو ہٹاتا ہوا وہ جگدیش کو مجمع کے اندر لے گیا
اور ایک طرف اشارہ کر کے بولا ۔۔ "یہ رہا نرائن"

نرائن کے بجائے وہاں نرائن کی لاش پڑی تھی ۔۔ لاش پھولوں سے ڈھکی
ہوئی پڑی تھی اور بہت سے مرد، عورتیں اور بچے سر جھکائے اس کے گرد کھڑے تھے
سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"یہ نرائن کو کیا ہوا ؟ کیسے ہوا ؟" جگدیش نے بیقرار ہو کر پوچھا۔

مزدور اسے مجمع سے باہر لے آیا ۔۔ "تمہیں جلدی تو نہیں ہے ؟"

"نہیں"۔ جگدیش نے سر ہلایا۔

"تو سنو ۔۔ نرائن ہمارا ساتھی تھا۔ ہماری مل میں کام کرتا تھا۔ اور دن رات
محنت کرتا تھا۔ ہم سب دن رات محنت کرتے ہیں۔ پچھلے سال مل کے مالک کو بہت
پھائدا ہوا۔ ہم نے بونس مانگا۔ مالک نے بونس نہیں دیا۔ ہم نے ہڑتال کر دی۔ ہم نے

کہہ دیا کہ اگر ہم کو بونس نہیں ملے گا، ہم کام نہیں کریگا۔ جانتے ہو اس نے کیا کہا؟ اس نے مل بند کرنے کی دھمکی دی۔ ہم نے کہا، تم مل بند نہیں کرے گا۔ مل ہماری جان ہے۔ اس مل کا ہم مالک ہے۔ لیکن مل کے مالک نے مل کو بند کر دیا۔ بونس کیا ملنا تھا، پگار کا ملنا بند ہو گیا۔ ہم سب نے مل کے مالک سے کہا کہ مل چالو کر دو۔ اس نے کہا "تم رباب کرتا ہے"۔ ہم نے کہا رباب تم کرتا ہے اور پھر اوپر سے بھوکا مارتا ہے۔ وہ نہیں مانا۔ ہم نے لال باوٹا اٹھایا۔ جانتے ہو، لال باوٹا ہمارا جھنڈا ہے ہمارا نشان ہے۔ ہم اس کے لئے لڑتا مرتا ہے۔ ہم جھنڈا لیکر آیا۔ اور جھنڈا تمھارے دوست کے ہاتھ میں تھا۔ نرائن کے ہاتھ میں۔ ہم سب پھاٹک کے باہر کھڑا تھا اور چلا رہا تھا "مل کے دروازے کھول دو۔ مل ہمارا ہے۔ مل کھل کرے گا"۔ ہم بس نعرہ لگا رہا تھا۔ ہمارے لیڈر کا آرڈر تھا کہ "توڑ پھوڑ نہ کرنا۔ مل کا دروازہ نہ توڑنا۔ اپنے پیٹ کے لئے۔ اپنے بال بچوں کے لئے امن سے اپنا حق مانگنا"۔ مل مالک نے پولیس بلایا۔ ہم لوگ جو بیٹھے ہوئے تھے کھڑے ہو گئے۔ پولیس نے کہا "ہٹ جاؤ"۔ ہم نے کہا "ہم نہیں جائیں گے۔ لال باوٹا زندہ باد"۔ تمھارا دوست سب سے آگے تھا۔ اس کے ہاتھ میں جھنڈا تھا۔ پولیس نے گولی چلائی۔ پہلے ہوا میں۔ کچھ لوگ بھاگے۔ لیکن تمھارا دوست جما رہا۔ اس کے بعد کسی نے پولیس پر پتھر پھینکا۔ پتھر باہر سے آیا۔ سارجنٹ نے سمجھا ہم نے پتھر پھینکا۔ اس نے جوش میں آکر گولی چلا دی۔ پہلی گولی نرائن کو لگی۔ وہ وہیں چت ہو گیا۔ جھنڈا اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ دوسری گولی مجھے لگی۔ یہ دیکھو دائیں بازو میں۔ آج صبح ہم نرائن کا لاش لایا۔ آج ہم اسے جلائے گا شمشان گھاٹ پر۔ آج مل والوں سے سمجھوتہ ہو گیا۔ مل کا مالک مل کھولے گا۔ بونس نہیں ملے گا۔ شاید بونس مل جائے، لیکن ہمارا ساتھی اب نہیں ملے گا۔ ہمارا ساتھی مر گیا۔"

اور اس کی آنکھوں میں سے آنسو نکلنے لگے اور اس کا گلا بھر آیا۔
جگدیش نے کچھ نہیں کہا، وہ کہتا بھی کیا؟ یہاں نرائن کا کون تھا۔ اس کی ماں کہاں تھی؟ اس کا باپ کہاں تھا؟ اس کی بیوی کہاں تھی؟ اس کے بچے کہاں تھے؟ یہاں کوئی نہ تھا لیکن نہیں! یہاں اس کے سب تھے۔ یہ مزدور کیوں رو رہے تھے؟ یہ کس کے بچے تھے جو لاش کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے؟ یہ بڑھیا کون تھی جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے؟ یہ بوڑھا کون تھا جو نرائن کے سرہانے بیٹھا ہوا آنسو پونچھ رہا تھا؟
اس نے نرائن کی طرف دیکھا۔ وہی نرائن۔ چہرہ اسی طرح پیلا اور سوکھا ہوا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ اور ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے اور چہرے کی ہڈیاں زیادہ ابھر آئی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ چہرہ اسے پسند آیا۔ اس کے ذہن میں مختلف خیالات چکر لگا رہے تھے۔ "اگر انسان کو مرنا ہی ہو تو مرنے کا یہ ایک بہتر طریقہ ہے"۔ نرائن لڑتے ہوئے مارا گیا، موت کا یہ طریقہ جگدیش کو زیادہ بھایا۔ یہ موت ایک سچائی کے لئے تھی۔ یہ واقعی ایک عظیم موت تھی۔ "عظمت کیا ہوتی ہے" اس نے سوچا۔ اس کے ساتھ ایسا کیوں نہ ہوا۔ وہ اس عظمت کو کیوں نہ حاصل کر سکا؟ ایک لمحہ کے لئے ذہن میں دریچہ سا کھلا۔ افق پر بجلی سی کوندی۔ "یہ عظمت ایک عظیم زندگی کے لئے جد وجہد کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ عظمت حقوق کے لئے لڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن وہ یہ عظمت نہیں حاصل کر سکتا۔ وہ اب لڑ نہیں سکتا۔ وہ زندگی کی حفاظت کرنے کے بجائے زندگی کا خون کر چکا ہے۔ جو زندگی وہ گذار چکا ہے وہ خون سے آلودہ ہو چکی ہے، ایک معصوم لڑکی کے خون سے"۔ اور وہ دریچہ کھل کے فوراً بند ہو گیا۔ وہ بجلی کوند کے بجھ گئی۔ مکمل اندھیرا چھا گیا۔

۴۱

رات کو اس نے نیند آور گولیاں بھی کھائیں، لیکن اسے نیند نہ آسکی۔ نیند بہت دُور کسی اور جزیرے میں جا بسی تھی۔ جاگنا اس کے حصے میں رہ گیا تھا۔ اس نے شراب پینا شروع کر دی تاکہ اپنے شعور کو معطل کر سکے۔ ذہن کو سُن کر سکے اور خیالات کی یلغار سے محفوظ ہو سکے۔ اس دوران میں ہیرا ایک دوبارہ آئی۔ اس کے ساتھ ایک اور لڑکا تھا۔ شاید وہ جگدیش کے دل میں رقابت کا جذبہ بھڑکانے آئی تھی۔ لیکن جگدیش کے دل میں ہیرا کے لئے کوئی جگہ نہ تھی، اس کی یہ ایک بے سود کوشش تھی۔ ہیرا اور جگدیش کے درمیان اب کوئی میڈیم نہ رہا تھا۔ وہ پہلا میڈیم جس کی معرفت وہ ہیرا تک پہنچا تھا، اب جگدیش کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا۔ اب اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال جاگزیں تھا۔ کس طرح وہ اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرے۔ کملا کے خون کا خیال ایک کانٹے کی طرح اس کے ذہن میں اٹک گیا تھا۔ جب تک یہ کانٹا نہ نکلے گا، اسے سکون میسر نہ ہوگا ــــ وہ اس کانٹے کو کس طرح نکالے؟ اس خلش کو کس طرح مٹائے؟ ــــ خودکشی کر لے؟ اقبالِ جرم کر لے؟ ــــ ہاں اقبالِ جرم کر لے ــــ اس دن اس بوڑھے کرسچین کے سامنے اقبالِ جرم کیا تھا تو ایک لمحہ کے لئے سکون مل گیا تھا ــــ روح کو قرار حاصل ہو گیا تھا۔ امید تھی کہ کرسچین پولیس کو جا کر اطلاع دے دیگا اور اس کی روح کو خود بخود مکمل سکون حاصل ہو جائے گا۔ لیکن کرسچین نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے کسی سے کچھ نہ کہا اور کانٹا پھر وہیں کا وہیں ــــ تو یہ کانٹا اسے خود ہی نکالنا ہوگا ــــ اپنی نجات کا راستہ خود ہی بنانا ہوگا۔ زندگی اب ناقابلِ برداشت ہو گئی ہے۔ اس پر خون کے داغ پڑ گئے ہیں۔ اسے اخلاقی کوڑھ نکل آیا ہے ــــ ان دھبوں کو دھونے کا اور اس کوڑھ کو کاٹنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ صرف

ایک ہی راستہ ہے۔'

اور کپڑے پہن کر جگدیش سیدھا اس راستے پر چل پڑا۔ وہ پولیس اسٹیشن جا پہنچا اور اس نے پولیس انسپکٹر کو سب کچھ بتا دیا۔ اس نے اقبال جرم کر لیا۔

ایک سنسنی سی پھیل گئی۔ اخباروں میں سرخیاں دیکر اس کا بیان چھاپا گیا۔ ہر طرف اس کے چرچے ہوئے۔ ہیرا اس سے حوالات میں ملنے آئی۔ اسے توقع نہ تھی کہ جگدیش یہ قدم اٹھائے گا۔ اس نے جگدیش کے لئے ایک قابل وکیل مقرر کیا۔ اس نے ہر ممکن طریقے سے جگدیش کو سمجھایا کہ وہ زندہ رہے۔ لیکن جگدیش کے دل میں زندہ رہنے کی خواہش مر چکی تھی۔ اب وہ اس حالت میں تھا جس میں موت اور زندگی دونوں بے معنی ہوتی ہیں۔ وہ کچھ نہ چاہتا تھا۔ ہاں، اس کی یہ خواہش ضرور تھی کہ اپنی ماں اور بہن سے آخری بار مل لے۔ اس نے خط کے ذریعے ماں کو سب باتوں کی اطلاع دیدی۔ 'کیا ماں مجھ سے ملنے آئے گی؟ کیا وہ ایسے بیٹے کا منھ دیکھنا گوارا کرے گی؟ کیا وہ آخری مرتبہ اپنی ماں اور بہن کی صورتیں دیکھ سکے گا؟

اور ایک دن وارڈن آیا اور اسے بتایا گیا کہ اس کی ماں اور اس کی بہن اس سے ملنے کے لئے کل صبح جیل میں آئیں گی۔

'تو وہ آگئیں۔ ایک مجرم بیٹے اور ایک خونی بھائی سے ملنے کیلئے اتنا فاصلہ طے کر کے وہ آگئیں۔ وہ کل صبح آئیں گی۔ لیکن یہ رات کیسے کٹے گی؟ وہ صبح کیسے آئے گی؟ اس گھڑی کا سامنا کیسے کیا جائے گا جب ماں اپنے قاتل بیٹے کا منھ دیکھنے حوالات میں آئیگی؟'

جگدیش کا ذہن اور اس کے احساسات بہت دھندلے دھندلے سے ہو گئے تھے اب صاف طور پر اور شدت سے نہ وہ کوئی بات سوچ سکتا تھا اور نہ کوئی بات محسوس کر سکتا تھا بس ایک دھند سی تھی جو اس کے وجود میں بھر گئی اور رات بھر جگدیش اسی دھند میں کھویا ہوا پڑا رہا۔ اسے معلوم نہیں کہ وہ سوتا رہا یا جاگتا رہا۔ لیکن رات بھر وہ

۴۱

رات کو اس نے نیند آور گولیاں بھی کھائیں، لیکن اسے نیند نہ آسکی۔ نیند بہت دُور کسی اور جزیرے میں جا بسی تھی۔ جاگنا اس کے حصّے میں رہ گیا تھا۔ اس نے شراب پینا شروع کر دی تاکہ اپنے شعور کو معطل کر سکے۔ ذہن کو سُن کر سکے اور خیالات کی یلغار سے محفوظ ہو سکے۔ اس دوران میں ہیرا ایک دوبارہ آئی۔ اس کے ساتھ ایک اور لڑکا تھا۔ شاید وہ جگدیش کے دل میں رقابت کا جذبہ بھڑکانے آئی تھی۔ لیکن جگدیش کے دل میں ہیرا کے لئے کوئی جگہ نہ تھی' اس کی یہ ایک بے سود کوشش تھی۔ ہیرا اور جگدیش کے درمیان اب کوئی میڈیم نہ رہا تھا۔ وہ پہلا میڈیم جس کی معرفت وہ ہیرا تک پہنچا تھا' اب جگدیش کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا۔ اب اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال جاگزیں تھا۔ کس طرح وہ اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرے۔ کملا کے خون کا خیال ایک کانٹے کی طرح اس کے ذہن میں اٹک گیا تھا۔ جب تک یہ کانٹا نہ نکلے گا' اسے سکون میسر نہ ہوگا۔ اس کانٹے کو کس طرح نکالے؟ اس خلش کو کس طرح مٹائے؟۔ خودکشی کرلے؟ اقبالِ جرم کرلے؟۔ ہاں اقبالِ جرم کرلے۔ اس دن اس بوڑھے کرسچین کے سامنے اقبالِ جرم کیا تھا تو ایک لمحہ کے لئے سکون مل گیا تھا۔ روح کو قرار حاصل ہو گیا تھا۔ امید تھی کرسچین پولیس کو جا کر اطلاع دے دیگا اور اس کی روح کو خود بخود مکمل سکون حاصل ہو جائے گا۔ لیکن کرسچین نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے کسی سے کچھ نہ کہا اور کانٹا پھر وہیں کا وہیں۔ تو یہ کانٹا اسے خود ہی نکالنا ہوگا۔ اپنی نجات کا راستہ خود ہی بنانا ہوگا۔ زندگی اب ناقابلِ برداشت ہوگئی ہے۔ اس پہ خون کے داغ پڑ گئے ہیں۔ اسے اخلاقی کوڑھ نکل آیا ہے۔ ان دھبوں کو دھونے کا اور اس کوڑھ کو کاٹنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ صرف

ایک ہی راستہ ہے ۔'

اور کپڑے پہن کر جگدیش سیدھا اس راستے پر چل پڑا ۔ وہ پولیس اسٹیشن جا پہنچا اور اس نے پولیس انسپکٹر کو سب کچھ بتا دیا ۔ اس نے اقبالِ جرم کر لیا ۔

ایک سنسنی سی پھیل گئی ۔ اخباروں میں سرخیاں دیکر اس کا بیان چھاپا گیا ۔ ہر طرف اس کے چرچے ہوئے ۔ ہیرا اس سے حوالات میں ملنے آئی ۔ اسے توقع نہ تھی کہ جگدیش یہ قدم اُٹھائے گا ۔ اس نے جگدیش کے لئے ایک قابل وکیل مقرر کیا ۔ اس نے ہر ممکن طریقے سے جگدیش کو سمجھایا کہ وہ زندہ رہے ۔ لیکن جگدیش کے دل میں زندہ رہنے کی خواہش مر چکی تھی ۔ اب وہ اس حالت میں تھا جس میں موت اور زندگی دونوں بے معنی ہوتی ہیں ۔ وہ کچھ نہ چاہتا تھا ۔ ہاں، اس کی یہ خواہش ضرور تھی کہ اپنی ماں اور بہن سے آخری بار مل لے ۔ اس نے خط کے ذریعے ماں کو سب باتوں کی اطلاع دیدی ۔ کیا ماں مجھ سے ملنے آئے گی ؟ کیا وہ ایسے بیٹے کا منہ دیکھنا گوارا کرے گی ؟ کیا وہ آخری مرتبہ اپنی ماں اور بہن کی صورتیں دیکھ سکے گا ؟

اور ایک دن وارڈن آیا اور اسے بتایا گیا کہ اس کی ماں اور اس کی بہن اس سے ملنے کے لئے کل صبح جیل میں آئیں گی ۔

'تو وہ آگئیں ۔ ایک مجرم بیٹے اور ایک خونی بھائی سے ملنے کیلئے اتنا فاصلہ طے کر کے وہ آگئیں ۔ وہ کل صبح آئیں گی ۔ لیکن یہ رات کیسے کٹے گی ؟ وہ صبح کیسے آئے گی ؟ اس گھڑی کا سامنا کیسے کیا جائے گا جب ماں اپنے قاتل بیٹے کا منہ دیکھنے حوالات میں آئیگی ؟'

جگدیش کا ذہن اور اس کے احساسات بہت دھندلے دھندلے سے ہو گئے تھے اب صاف طور پر اور شدت سے نہ وہ کوئی بات سوچ سکتا تھا اور نہ کوئی بات محسوس کر سکتا تھا ۔ بس ایک دھند سی تھی جو اس کے وجود میں بھر گئی اور رات بھر جگدیش اسی دھند میں کھویا ہوا پڑا رہا ۔ اُسے معلوم نہیں کہ وہ سوتا رہا یا جاگتا رہا ۔ لیکن رات بھر وہ

اس لمحہ کے خیال سے تڑپتا رہا جب اس کی ماں اسے دیکھنے آئے گی — وہ مجھے کیسے دیکھے گی ؟ میں اس سے کیسے نگاہ ملا سکوں گا — ؟ اس پر کیا گذرے گی اپنے اکلوتے بیٹے کو اس حال میں دیکھ کے !'

صبح ہوئی۔ وارڈن اسے چائے پلا گیا — 'چائے پلانے کا مطلب ہے کہ نو بجنے والے ہیں۔ اب وہ آ رہے ہونگے۔ اب وہ آئیں گے'۔ اور تھوڑی دیر بعد اسے قدموں کی آواز سنائی دی، شاید وہ آ رہے ہیں، اس نے چونک کر اپنی کوٹھڑی پر نگاہ ڈالی — ایک چٹائی، ایک کمبل اور ایک لوٹا۔ وہ سیاسی ملزم نہ تھا، ایک قاتل تھا۔ اس لئے اسے جیل میں خاص مراعات حاصل نہ تھیں۔ یکایک وارڈن نظر آیا — اور اس کے پیچھے ماں اور پھر منّی —

اور جگدیش کی نگاہوں میں جیسے دیکھنے کی قوت نہ رہی یا اس کا دماغ خالی ہو گیا اسے معلوم نہیں وہ لمحات کس طرح گذرے اور اس کی ماں اور اس کی بہن کس طرح سلاخوں کے باہر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے — اس نے نظریں اٹھا کے دیکھا — اس کی ماں رو رہی تھی — اس نے بہن کی طرف دیکھا — وہ بھی رو رہی تھی — 'یہ کیوں رو رہی ہیں ؟ یہ کس کے لئے رو رہی ہیں ؟ انھیں کیسے چپ کراؤں ؟ انھیں چپ کرانا ہی ہوگا — میں ان کا آخری سہارا تھا۔ انکی آخری آس میں ہی تھا۔ لیکن میں نے کیا کیا ! اب کون ان کا سہارا ہوگا ؟ کون ان کی دیکھ بھال کریگا ؟ کس کی اور دیکھ کر یہ جئیں گی ؟'

اس کے کان کے پردوں سے کچھ الفاظ ٹکرائے — "بیٹا جگدیش" — "میرے بھیّا"۔ اور پھر کسی کے ملائم ہاتھ اس کی انگلیوں سے مس ہوئے — 'ہاں یہ ماں کی انگلیاں ہیں، کمزور، کپکپاتی ہوئی، محبت سے لبریز — یہ بہن کا ہاتھ ہے — اسی طرح ملائم، نازک محبت سے بھرپور — اور یہ اس کا اپنا ہاتھ ہے — سخت — کھردرا — سفاک'۔

اور پھر ہاتھ پر آنسو گرے — نرم نرم، گرم گرم — ان آنسوؤں میں کیا ہے ؟ ان آنسوؤں کی کیا قیمت ہے ؟ ان میں جو نرمی ہے، جو محبت ہے، جو درد ہے، جو چاہت ہے، اس کا کیا جواب دے ؟